طریق النجات

تالیف

عارف باللہ حضرت علامہ محمد حسن صاحب فاروقی مجددی رحمۃ اللہ علیہ

طریق النجات

تالیف

عارف باللہ حضرت علامہ محمد حسن صاحب فاروقی مجددی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ

حضرت مولانا محمد ہاشم جان صاحب مجددیؒ ابن حضرت مصنف رحمۃ اللہ

ٹنڈہ سائیں داد، حیدرآباد، سندھ

تصحیح وترتیب

حافظ محمد اشرف مجددی

ناشر

مکتبہ نعمانیہ

اقبال روڈ ○ سیالکوٹ

نام کتاب : ——— "طریق النجات"

مصنف : خواجہ پیر محمد حسن جان مجددی سرہندی (رحمۃ اللہ علیہ)

مترجم : مولانا حافظ پیر محمد ہاشم جان سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

تصحیح و ترتیب : حافظ محمد اشرف مجددی سیالکوٹ

اشاعت اول :— ۱۹۳۱ء / ــــــ ھ

اشاعت دوم :— ۱۹۷۹ء / ۱۴۰۰ھ

تعداد :— ۱۱۰۰

ناشر : مکتبہ نعمانیہ اقبال روڈ، سیالکوٹ

کتابت : ——— محمد حنیف قریشی دھیڈوالی، ڈسکہ (ضلع سیالکوٹ)

قیمت : ۱۲/= روپے

فہرست "طریق النجات"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

عرضِ ناشر

"طریق النجاۃ" آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ آج تک بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ جن کا حد و شمار ہماری طاقت سے باہر ہے۔ لیکن وہ کتابیں جن سے انسانیت کا سبق ملے، ہدایت کا راستہ معلوم ہو اور ان پر عمل کر کے نجات و سعادت حاصل ہو، ایسی کتابوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ زیرِ نظر کتاب دیکھنے میں چھوٹی سی کتاب ہے، حقیقت میں بڑی عظیم اور مفید کتاب ہے کیونکہ مغز تھوڑا ہی ہوا کرتا ہے۔ غور فرمائیے آدمی اشرف المخلوقات ہے لیکن اس کا دماغ اور مغز شاید تمام جسم کا ہزارواں حصہ ہوتا ہو۔ ایسے ہی اگر آپ دل کو دیکھیں جو سارے جسم کا بادشاہ ہے جس کی حرکت بند ہونے سے سارا جسم مٹی کا ڈھیر ہو جاتا ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ ہر چیز کا مغز اور نچوڑ مقدار میں تھوڑا ہی ہوتا ہے لیکن قدر و قیمت میں سب سے بڑھ کر بلا مبالغہ یہی حال اس کتاب کا ہے اس کے چھاپنے کی غرض صرف اور صرف یہ ہے کہ ہمارے مسلمان بھائی اس مصروفیت کے دور میں بڑی بڑی اور زیادہ کتابوں کا مطالعہ کرنے کے لیے زیادہ وقت نہیں نکال سکتے اس لیے ایک ایسی مختصر دستاویز کی ضرورت تھی جو ہدایت کی کنجی ہو ان کے ہاتھوں میں پہنچا دی جائے تاکہ اس پر عمل کر کے اصلی کامیابی اور عذاب آخرت سے نجات پائیں۔

"طریق النجاۃ" کے متعلق بڑے بڑے علماء اور فضلاء نے بہترین اور قیمتی رائیں ارشاد فرمائی ہیں بطور نمونہ چند تحریریں پیش کی جاتی ہیں تاکہ قارئین کو اس کتاب سے فائدہ اٹھانے کی رغبت ہو اور راہ نجات نصیب ہو۔

علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"یہ کتاب عقائد، فقہ اور تصوف کے بنیادی مسائل پر مشتمل ہے جن کا ذکر حدیث جبریل میں اسلام، ایمان اور احسان کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔ مصنف علام

نے ایسے نئے اسلوب پر تالیف فرمایا ہے جس سے ذہن وقت نہیں محسوس کرتے اور صحیح عقائد، عقلی اور نقلی دلائل سے پیش فرمائے ہیں۔"

فاضل اجل حضرت مولانا عبدالقیوم سندھی (مرحوم) تحریر فرماتے ہیں:

"یہ کتاب جنت کی طرف (جانے والا) صراطِ مستقیم ہے، انسانوں اور جنوں کے لیے نجات کی راہ ہے، جس نے بھی اس کتاب کو لے کر پڑھا اور اس پر عمل کیا وہ ہدایت اور نجات پا گیا۔ جس نے اس سے منہ موڑا اور انکار کیا وہ گمراہ اور سرکش ہوا۔ کیونکہ یہ کتاب خلاصہ ہے اس (کلام) کا جو رحمٰن نے نازل فرمایا اور عمدہ انتخاب ہے سید الانس والجان صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا۔"

حضرت العلامہ مولانا محمد ابراہیم یاسینی (مرحوم) ناظم جمعیت احناف سندھ رقمطراز ہیں:

"یہ (طریق النجات) دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی کا وسیلہ ہے اور یہ ذخیرہ ہے زندگی میں مرنے کے بعد کے لیے بھی۔ الخ"

علامہ العصر حضرت مولانا محمد حسن مرحوم سجادہ نشین درگاہ کنبار شریف ومفتی بلوچستان فرماتے ہیں:

"یہ (کتاب) ایک پُر رونق باغیچہ ہے یا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ اس کی ترتیب و تہذیب بہت عمدہ ہے، معانی کی اعتبار سے بڑی جامع اور الفاظ مختصر ہیں۔ الخ"

زبدۃ الفضلاء حضرت مولانا عبدالحی مرحوم سجادہ نشین درگاہ پٹ میاں صاحب راقم ہیں:

"طریق النجات حاصل کرنے کے لیے جلدی کرو کیونکہ یہ کتاب جنت کے پھلوں تک پہنچانے والی ہے۔"

بہت سے علماء و مشائخ نے اس کتاب کی تعریف اور خوبیاں ذکر فرمائی ہیں۔ سب کے بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں اور نہ ہی ضرورت ہے کیونکہ عقلمند کے لیے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔

اس اشاعت کی خصوصیات

کتاب ہٰذا کی اس اشاعت میں قارئین کی سہولت کے لیے چند چیزوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔ امید ہے اہلِ علم حضرات پسند فرمائیں گے۔

(۱) ترجمہ کے ساتھ قرآنی آیات واحادیث کا اصل متن بھی درج کر دیا ہے۔
(۲) آیات شریفہ کا حوالہ پارہ اور رکوع نمبر کی صورت میں لکھ دیا ہے۔
(۳) اکثر احادیث کے ماخذ کا نام بھی حدیث کے ساتھ رقم کر دیا ہے۔
(۴) بعض دعاؤں کے تراجم پہلی اشاعت میں رہ گئے تھے ہم نے ان کا ترجمہ بھی شامل کر دیا ہے۔

تصحیح میں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ پھر بھی اغلاط رہ جاتی ہیں۔ صاحب علم حضرات جو غلطی دیکھیں مطلع فرما دیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درستی ہو سکے۔

⊙ مناسب معلوم ہوتا ہے جس کتاب کی اہمیت سطور بالا میں پڑھ چکے ہیں اس کے عظیم مصنف اور مترجم کا بھی مختصر تعارف آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔ تاکہ مصنف علیہ الرحمۃ کی جامع شخصیت کو دیکھ کر کتاب کی جامعیت کا اندازہ ہو سکے۔

اے رب العلمین اس کتاب کے مصنف، مترجم اور ناشر و معاونین سب کی سعی کو مشکور فرما۔ (آمین)

محمد اشرف مجددی

حضرت خواجہ پیر محمد حسن جان مجددی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

(مصنف کتاب ھذا)

ولادت آپ کی ولادت ۶ شوال المکرم ۱۲۷۸ھ میں قندھار (افغانستان) میں ہوئی۔ والد گرامی کا اسم مبارک حضرت خواجہ عبدالرحمٰن بن خواجہ عبدالقیوم بن شاہ مفضل اللہ (رحمہم اللہ تعالیٰ) تھا۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت خواجہ محمد معصوم بن حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز تک پہنچتا ہے۔ ۱۲۹۷ھ میں حضرت خواجہ عبدالرحمٰن افغانستان سے ہجرت فرما کر صوبہ سندھ میں آباد ہو گئے۔

تحصیل علم آپ نے علوم عقلیہ و نقلیہ والد ماجد سے حاصل کیے، مشاہیر علماء عصر سے بھی استفادہ کیا۔ جب آپ کے والد ماجد حج کے لیے گئے تو آپ بھی ساتھ گئے۔ وہاں جا کر حاجی رحمت اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے "مدرسہ صولتیہ" میں داخل ہوئے۔ اسی دوران آپ نے شیخ احمد دحلان اور شیخ الحدیث محمد ابو نصر دمشقی سے اسناد حدیث حاصل کیں۔ اور اپنے والد ماجد کے دست اقدس پر بیعت کی، پھر اپنے وطن واپس آکر مذہب و ملت کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔[1]

علم و عرفاں جوہر کی قدر جوہری جانتا ہے بے علم آدمی کسی عالم کے علمی مقام کا کیا اندازہ کر سکتا ہے اور معرفت سے عاری انسان خدا رسیدہ بزرگ کے عرفان کو کیا جان سکتا ہے اسی لیے مشہور مقولہ ہے کہ "ولی را ولی می شناسد"۔
مصنف علیہ الرحمۃ کا مقام علماء اور اہل معرفت لوگوں میں کیا تھا، اس کا کچھ اندازہ کرنے کے لیے ہم اس وقت کے جید علماء اور مشائخ کے چند اقوال نقل کرتے ہیں جو انہوں نے "طریق النجاۃ" کی تقریظات میں بطور القابات درج فرماتے ہیں۔

۱۔ رئیس العلماء مولانا عبدالباقی رحمۃ اللہ علیہ ہمایوں قاضی سندھ و بلوچستان فرماتے ہیں:

"مَنْ فَاقَ فِي الْفَصَاحَةِ وَالْبَلَاغَةِ، وَاَقَرَّ لَهُ الْعُلَمَاءُ بِالْبَرَاعَةِ وَ

---

[1] اکابر تحریک پاکستان ص۲۲۷

الذکاوۃ اجمع الفصحاء علی کمالہ، و اتفق الفضلاء علی حسن خصالہ، وھو الحبر النحریر، و الغیث المطیر، و البحر الغزیر، و التمید ۴ الکبیر الماھر فی العلوم الشرعیۃ، و الواقف فی الفنون الادبیۃ، العارف باللہ العلیم، و العالم المربی بقوا عد الدین القویم سیدنا و سندنا حضرۃ الخواجہ محمد حسن جان المجددی مد ظلہ العالی۔

۲۔ رأس الفضلاء علامۃ العصر حضرت مولانا محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین درگاہ کشیار شریف مفتی بلوچستان فرماتے ہیں:

شیخ الاسلام و امام الانام حضرۃ الخواجہ محمد حسن جان الفاروقی السرھندی ما برحت اقمار فضلہ ساطعۃ۔

۳۔ سراج العلماء الفقیہ المشہور حضرت مولانا محمد قاسم مرحوم (گڑھی یاسین ضلع سکھر سندھ) فرماتے ہیں:

العالم الربانی و العارف الحقانی البحر الزخار و الغیم المدار شیخ السنۃ و ممیت البدعۃ .... اجمع الفصحاء علی فصاحتہ اجماعا و اتبع الفضلاء بنقبہ اتباعا سیدنا و سندنا حضرۃ الخواجہ محمد حسن الفاروقی المجددی لا زالت شموس فیوضہ بازغۃ۔

۴۔ حضرت مولانا العلامہ محمد ابراہیم الیاسینی ناظم جمعیۃ احناف صوبہ سندھ لکھتے ہیں:

"امام الھمام و البحر القمقام و اقف الاسرار الحکمیۃ جامع الانوار القدسیۃ حافظ ملک الاسلام حاج بیت اللہ الحرام حکیم امۃ سید المرسلین شیخ الاسلام و المسلمین سیدی و سندی ملاذی و معتمدی حضرتنا محمد حسن الفاروقی المجددی صاحب سجادۃ مجدد الف ثانی لا زالت شموس فیضہ بازغۃ۔"

۵۔ فاضلِ کامل حضرت مولانا عبدالغنی شاہ رحمۃ اللہ علیہ امام وخطیب جامع مسجد جیکب آباد تحریر فرماتے ہیں:

"هُوَ وَارِثُ الْأَنْبِيَاءِ بِمِصْدَاقٍ صَحِيحٍ وَأَصْفَى الْعُلَمَاءِ بِفَضْلٍ صَرِيحٍ سِرَاجُ أُمَّةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ شَيْخُ الْإِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِينَ حَضْرَتِي الْخَوَاجَه مُحَمَّد حَسَن جَانُ الْفَارُوقِيُّ الْمُجَدِّدِيُّ مَدَّ اللهُ ظِلَّهُ الْعَالِي"

۶۔ زبدۃ الفضلاء حضرت مولانا عبدالحی مرحوم سجادہ نشین درگاہ وپٹ میاں صاحب رقم فرماتے ہیں:

"اَكْمَلُ الْكُمَلَاءِ اَفْضَلُ الْفُضَلَاءِ الْبَارِعُ الَّذِي الَيْهِ يَحُلُّ شَيْخٌ وَّشَابٌّ وَالْكَامِلُ الَّذِي اِنْجَابَ اِلَيْهِ جَمِيعُ اُولِى الْاَلْبَابِ هَادِى النَّاسِ اِلٰى رَبِّ الْاَنَاسِ مَوْلَانَا وَمُقْتَدَانَا حَضْرَةُ الْخَوَاجَه مُحَمَّد حَسَن جَانُ الْفَارُوقِيُّ السَّرْهِنْدِيُّ الْمُجَدِّدِيُّ زَيْنُ سَجَّادَةِ الْاِمَامِ الرَّبَّانِيِّ فَخْرُ اَخْلَافِ مُجَدِّدِ الْاَلْفِ الثَّانِيِّ ـ"

۷۔ وحید العصر فصیح اللسان حضرت مولانا صاحب داد مرحوم سلطان کوٹی فرماتے ہیں:

"اَلْعَلَّامُ هَادِى الْاَنَامِ اِلٰى سُبُلِ السَّلَامِ قُدْوَةُ الْاَوْلِيَاءِ الْعَارِفِيْنَ اِمَامُ الْعُلَمَاءِ الْمُتَّقِيْنَ حَامِلُ الرَّايَةِ فِى مَيْدَانِ التَّحْقِيقِ حَائِزُ قَصَبَاتِ السَّبْقِ فِى التَّدْقِيقِ شَيْخُ الْاِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَارِثُ مَقَامَاتِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ حَضْرَتُنَا الْخَوَاجَه مُحَمَّد حَسَن الْفَارُوقِيْ

۸۔ جامع معقول ومنقول واعظ الاسلام مولانا محمد سلیمان مرحوم لکھتے ہیں:

"اَلْاِمَامُ شَيْخُ الْاِسْلَامِ غَوْثُ الْاَنَامِ قُدْوَةُ عُلَمَاءِ الْاَعْلَامِ مَجْمَعُ الْفَضْلِ وَالْكَمَالِ، مَرْجَعُ اَهْلِ الْمَعَارِفِ وَالْاَحْوَالِ، ذُو الْكَرَامَاتِ الظَّاهِرَةِ وَالْمَقَامَاتِ الْفَاخِرَةِ، مَنْبَعُ الْاَنْوَارِ الْبَاهِرَةِ وَالسَّرَائِرِ الزَّاهِرَةِ حَكِيْمُ الْاُمَّةِ مُحْيِ السُّنَّةِ مَوْلَانَا وَمُقْتَدَانَا حَضْرَةُ الْخَوَاجَه الْمُجَدِّدِيْ ـ"

۹۔ فاضل اجل مولانا عبدالقیوم رحمۃ اللہ علیہ مدرس العربیہ ٹنڈو سائیں داد فرماتے ہیں:

"هُوَ الْجَامِعُ بَيْنَ الشَّرِيْعَةِ وَالْحَقِيْقَةِ قَيُّوْمُ الزَّمَانِ مَرْجَعُ الْإِنْسِ وَالْجَانِّ بَحْرُ الْعُلُوْمِ الْعَقْلِيَّةِ مَعْدَنُ الْفُيُوْضِ الرَّبَّانِيَّةِ بُرْهَانُ الْمِلَّةِ وَالدِّيْنِ قَاطِعُ أَعْنَاقِ الْمُلْحِدِيْنَ سَيِّدُنَا وَمُرْشِدُنَا أَدَامَ اللّٰهُ تَعَالٰى فُيُوْضَهُمْ وَبَرَكَاتِهِمْ۔"

۱۰۔ عارف کامل علامہ لعل محمد مرحوم افغانی مدرس العربیہ کوئٹہ تحریر فرماتے ہیں:

"مَوْلَانَا وَبِالْفَضْلِ أَوْلٰنَا جَامِعُ أَشْتَاتِ الشَّرِيْعَةِ وَالْحَقِيْقَةِ مَانِعُ بِدْعَاتِ الْقَدِيْمَةِ وَالْحَدِيْثَةِ، الشَّمْسُ الْفَالِقُ فِي الدَّوْحَةِ الْعَلِيَّةِ النَّقْشْبَنْدِيَّةِ وَالنَّخْلُ الْبَاسِقُ فِي حَدِيْقَةِ الْفَارُوْقِيَّةِ الْمُجَدِّدِيَّةِ مَوْلَانَا الْحَاجُّ حَضْرَةُ مُحَمَّد حَسَن حَفِظَهُ اللّٰهُ ...."

۱۱۔ مولانا الفاضل جامع شریعت و طریقت حضرت مولانا علامہ محمد نور بخش رحمۃ اللہ علیہ حنفی نقشبندی توکلی (صاحب تصانیف کثیرہ) فرماتے ہیں:

"اَلْعَالِمُ الرَّبَّانِيُّ الْخَوَاجَهْ مُحَمَّد حَسَن الْفَارُوْقِيُّ الْمُجَدِّدِيُّ زَيْنُ سَجَّادَةِ الْإِمَامِ الرَّبَّانِيِّ مُجَدِّدِ الْأَلْفِ الثَّانِيْ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ ... الْمُصَنِّفُ الْعَلَّامُ۔"

ہر ذی شعور آدمی جان سکتا ہے کہ جس شخصیت کے بارے میں ہمعصر علماء و مشائخ ایسے الفاظ استعمال فرمائیں اور عمدہ القابات سے یاد کریں وہ کیسا جامع کمالات اور مرد کامل ہوگا۔ آپ کے تفصیلی حالات و مقامات اور دینی و ملی خدمات کے بیان[۱] کی ان صفحات میں گنجائش نہیں۔ صرف صاحب "اکابر تحریک پاکستان" کے مختصر اقتباس پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ تحریک آزادی میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ۱۲۹۶ھ میں جب افغانستان کے عوام نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا تو آپ کے والد ماجد نے انگریزوں کا ناطقہ بند کر دیا۔ آپ کی عمر اس وقت صرف اٹھارہ برس تھی۔ اس

۱؎ مفصل حالات کے لیے "مونس المخلصین" از خواجہ عبداللہ جان المعروف شاہ آغا ملاحظہ فرمائیں۔

کم سنی کے باوجود آپ نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ جنگ طرابلس میں مجاہدین کی بھرپور مالی مدد کی۔ تحریکِ خلافت میں سرگرمی سے حصہ لیا، مگر ہندؤوں سے اتحاد کی سختی سے مخالفت کی۔ تحریکِ ہجرت کے مسئلہ پر آپ نے عوام کو اس کے نقصانات سے آگاہ کیا۔ تحریکِ پاکستان شروع ہوئی تو صوبہ سندھ میں آپ نے مسلم لیگ کی ڈٹ کر حمایت کی اور اپنے متوسلین کو بھی مسلم لیگ کی حمایت کا حکم دیا۔[1]

تصانیف آپ کی تبحرِ علمی کا اندازہ ان تصانیف سے ہوتا ہے جو آپ نے یادگار چھوڑی ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہے:

۱۔ شفاء الامراض (۱۳۱۴ھ)۔ ۲۔ انیس المریدین (۱۳۱۹ھ) ۳۔ پنج گنج (۱۳۲۰ھ) ۴۔ سفرنامہ عربستان (۱۳۲۳ھ) ۵۔ تذکرۃ الصلحا مع فی بیان الاتقیاد (۱۳۲۶ھ) ۶۔ انساب الانجاب (۱۳۴۰ھ) ۷۔ شرح حکم شیخ عطاء اللہ سکندری (۱۳۴۴ھ) ۸۔ الاصول الاربعہ فی تردید الوہابیہ (۱۳۴۶ھ) ۹۔ طریق النجات مع رسالہ التنویر فی اثبات التقدیر (۱۳۴۹ھ) ۱۰۔ رسالہ در قواعد تجوید (۱۳۴۹ھ) ۱۱۔ العقائد الصحیحہ فی بیان مذہب اہل السنۃ والجماعۃ (۱۳۶۰ھ) ۱۲۔ الاشارۃ الی البشارہ ۔ ۱۳۔ رسالہ فی باب صحت الجمعۃ فی القریٰ ۔ ۱۴۔ لغات القرآن وغیرہ وغیرہ[2]

وصال آپ کی وفات حسرت آیات ۱۳۶۵ھ شنڈہ سائیں داد (سندھ) میں ہوئی۔ مزار مقدس مرجع خواص و عوام ہے۔

---

[1] اکابر تحریک پاکستان صـ۲۲۷ و صـ۲۲۸ ۔ [2] تذکرہ مظہر مسعود صـ۴۲۱ ۔

حضرت مولانا حافظ پیر محمد ہاشم جان سرہندی

مترجم "طریق النجات"

ولادت آپ کی ولادت باسعادت ۱۳۲۳ھ میں ٹنڈہ سائیں داد تحصیل ٹنڈہ محمد خاں ضلع حیدرآباد (سندھ) میں ہوئی۔ آپ مصنف "طریق النجات" حضرت خواجہ محمد حسن جان سرہندی مجددی فاروقی قدس سرہٗ کے دوسرے صاحبزادے تھے۔ سلسلہ نسب تیرھویں پشت میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی سے ملتا ہے۔

تعلیم آپ نے گیارہ برس کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا۔ بعد ازاں ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف میں داخلہ لیا۔ مشہور فلسفی اور عالم حضرت مولانا علامہ معین الدین اجمیری اور دیگر اساتذہ سے پڑھا اور سند تکمیل حاصل کی، اجمیر شریف میں حکیم نظام الدین (برادر مولانا معین الدین اجمیری) سے فن طب حاصل کیا۔ اور سندھ واپس آکر تدریس و ارشاد اور طبابت میں مصروف ہو گئے۔[1]

خلافت آپ نے اپنے والد گرامی حضرت خواجہ محمد حسن سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی اور انہیں سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں اجازت و خلافت حاصل کی۔ حضرت مولانا پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ ان حضرات میں سے ہیں جنہوں نے بارہا مولانا موصوف کی زیارت کی اور ان کی تقاریر سنی ہیں۔ تذکرہ منظہر مسعود میں تحریر فرماتے ہیں:

> "مولانا خوبصورت و خوب سیرت ہیں۔ آپ کو دیکھ کر بے ساختہ قرآن پاک کی آیت یاد آتی ہے۔ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ۝ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ کی تفسیر مشاہدہ کرنی ہو تو آپ کی زیارت کی جائے۔

---

[1] تذکرہ منظہر مسعود (ص ۲۴۲) اکابر تحریک پاکستان ص ۳۱۶)

اس میں شک نہیں کہ مولانائے ممدوح متبحر عالم، باکمال اور ماہر طبیب ہیں، ان کی تقاریر سے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ سندھ کا باشندہ ہوتے ہوئے اردو اتنی صاف رواں بولتے ہیں کہ اہلِ زبان کا گمان ہوتا ہے، موسم گرما میں کوئٹہ تشریف لاتے ہیں اور تین چار ماہ قیام فرماتے ہیں آپ کے دولت کدے پر کتب خانہ میں بکثرت قلمی نوادرات ہیں جو قابلِ دید ہیں۔"

تبلیغ دین

آپ نے ہمیشہ تبلیغ و وعظ اور اشاعتِ دین کا فریضہ کسی دنیوی طمع و لالچ کے بغیر سرانجام دیا۔ اس سلسلہ میں کسی دنیاوی طمع و خواہش کو آپ انتہائی برا سمجھتے تھے۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے آپ کا عشق کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ دورانِ وعظ جب حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ مبارک آپ کی زبان سے ادا ہوتا تو آپ کا چہرہ سرخ ہو جاتا اور ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی۔ آپ کی تقریر و تبلیغ کا موضوع سیرت و محبت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا۔ بعض اوقات لوگ آپ کو کسی دوسرے موضوع پر بولنے کا عرض کرتے تو آپ فرماتے۔

ماقصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم ازما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس

میں تو محبوب کریم فداہ ابی وامی کی ثنا و صفت ہی بیان کروں گا۔ ہاں اس کے بعد سیاسی و ملی مسائل پر بھی ضمناً گفتگو ہو جائے گی۔[1]

آبائی مریدوں کے علاوہ آپ کے اپنے حلقہ مریدین و معتقدین کی تعداد بھی ہزاروں تک پہنچی ہوئی تھی چنانچہ پاکستانی افواج میں آپ کے مریدوں کی بہت بڑی تعداد ہے کیونکہ آپ فوج میں تبلیغِ دین بہت ضروری سمجھتے تھے۔ ہزاروں افراد آپ کی ہدایت و تلقین سے متشرع مسلمان بن گئے۔

سیاسی و ملی خدمات

آپ نے تحریکِ خلافت میں اپنے استاد حضرت مولانا معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھرپور حصہ لیا۔ برصغیر کے طول و عرض میں جلسوں سے خطاب کیا۔ میٹنگوں میں شرکت کی جو

---

[1] اکابر تحریک پاکستان ص۲۱۷

سندھ میں تحریکِ خلافت کو پروان چڑھایا۔

تحریک پاکستان کا غلغلہ بلند ہوا تو آپ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور اپنی تمام تر قوتوں کو مسلم لیگ کے لیے وقف کر دیا۔ پاکستان بننے کے بعد اسلامی دستور کی جد وجہد میں سرگرم رہے، اور ۱۹۵۲ء میں علماء کرام کے اجلاس میں نمایاں حصہ لیا، جس نے حکومت کے چیلنج پر اسلامی دستور کے ۲۲ نکات منظور کیے۔

آپ جمعیت الاطباء کے کئی سال تک صدر رہے۔ جمعیت علماء حیدر آباد کی صدارت کو شرف بخشا۔ پاکستان میں سوشلزم کا فتنہ نمودار ہوا تو آپ نے ہر طرح سے اس کی سرکوبی کی۔ سندھ میں جب چند ملک دشمن عناصر نے اپنے سیاسی مقاصد کی خاطر نئے اور پرانے سندھیوں میں کچھ غلط فہمیاں پیدا کر کے نوبت فساد تک پہنچا دی تو آپ نے رات دن ایک کر کے پورے سندھ کے دورے کیے، وفود روانہ کیے، خطوط لکھے، بیانات دیئے، کتابچے شائع کیے۔ اور اتحاد بین المسلمین کے لیے انتھک جد وجہد کی جو نہایت کامیاب رہی۔ حقیقت یہ ہے کہ نئے اور پرانے سندھیوں کو قریب لانے کے سلسلہ میں آپ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔

آپ عمر کے آخری چھ سات سال جمعیت مجددیہ سندھ کے صدر رہے اور حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد کو اپنے آبائی طریقہ پر مستقیم رہنے کی تلقین فرماتے رہے۔ عمر کے آخری دو تین سال آپ سندھ دیش کی مذموم تحریک کے خلاف سینہ سپر رہے اور صوبہ سندھ کے اسلام پسند اور دیندار حلقے کی تنظیم اور بیداری کے لیے بھی آپ نے تمام تر توانائیاں وقف کر دی تھیں، اس سلسلہ میں اپنے ذاتی روپے سے متعدد کتابیں اور رسالے لاکھوں کی تعداد میں چھپوا کر شائع کیے۔

تحریری کام

ملی اور ملکی خدمات میں دن رات مصروف رہنے کی وجہ سے آپ تصنیف و تالیف کی طرف توجہ نہ دے سکے حالانکہ آپ بہترین مضمون نگار تھے۔ عمدۃ المقامات (مطبوعہ لاہور) کا مقدمہ جو آپ نے فارسی زبان میں تحریر فرمایا، وہ فنِ تحریر میں آپ کے کمال کا زندہ نمونہ ہے۔ آپ نے اپنے والدِ ماجد کی دو عربی کتابوں "العقائد الصحیحۃ" اور "طریق النجاۃ" کا اردو ترجمہ

کیا۔ خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "اذکار معصومیہ" کا سندھی میں ترجمہ کیا۔ زیادہ تر پمفلٹوں اور مکتوبات کی صورت میں اپنے خیالات کا اظہار فرماتے رہے جن کو اگر جمع کیا جائے تو ایک بہت بڑا علمی ذخیرہ بن سکتا ہے۔

صفات حمیدہ کا پیکر

آپ بے حد حسین و جمیل تھے۔ چہرہ پرنور اور متبسم، حافظہ بے مثال، قد مناسب، ڈاڑھی سفید براق، ہونٹ گلاب کی پتیوں کی طرح گلابی اور نازک، دانت موتی کی لڑیاں، ہونٹوں پر دائمی مسکراہٹ، پان کھائے ہوئے غنچہ دہن سے جب گفتگو فرماتے تو فضا خوشبو سے مہک جاتی، باریک ململ کے نفیس جامہ سے جسم کا گلابی رنگ جھلملاتا، کسی کا دل نہ دکھاتے، سب کی باتیں شربت کے گھونٹ سمجھ کر پیئے جاتے تھے، وضعداری، صاف گوئی، غرض بہت سی ذاتی اور خاندانی خداداد صفات سے بہرہ ور تھے، منقولات و معقولات سے یکساں مناسبت، پاک باطن، روشن جبیں، کردار میں تقویٰ اور طہارت، کلام میں خلوص کی شیرینی لکھنؤ اور دہلی کے محاورات اس کثرت اور روانی سے استعمال فرماتے کہ مخاطب آپ کی وطنیت سندھ کی نسبت کے بارے میں شک میں پڑ جاتے، فارسی، عربی اور اردو کے ہزاروں اشعار آپ کی نوک زبان تھے۔

آپ کے عقیدتمندوں کا حلقہ بہت وسیع ہے، آپ کی روزانہ اور ہفتہ دار مجالس وعظ میں بے شمار لوگ شریک ہو کر فیوض و برکات حاصل کرتے تھے۔ آپ کا متبسم اور نورانی چہرہ دیکھ کر خدا یاد آجاتا تھا۔ آخری چند سالوں میں ٹنڈہ سائیں داد سے نارتھ ناظم آباد کراچی منتقل ہو گئے تھے اور ہر اتوار کو مجلس ذکر منعقد کراتے۔ کراچی کے اہل ذوق حضرات کے لیے آپ کا دولت خانہ ایک روحانی مرکز کی حیثیت کا حامل تھا۔

وفات

آپ کی وفات حسرت آیات ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ مطابق ستمبر ۱۹۷۵ء بمقام شاہو کلی نزد کوئٹہ میں ہوئی اور جسد اطہر ٹنڈہ سائیں داد لا کر سپرد خاک کیا گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون[1]

---

[1] اکابر تحریک پاکستان ص ۳۱۷ تا ص ۳۲۱ مختصراً۔

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ

عرضِ مترجم

ناظرین محترم! مسلمانوں پر ادبار اور پستی کا جو ہلاکت آفرین دور آجکل گزر رہا ہے اس کی تباہی و بربادی کا حوصلہ شکن احساس کچھ اہل نظر حضرات ہی بہتر کر سکتے ہیں۔ بلحاظ تعداد افراد چاہے مسلمانوں کی کچھ ترقی ہو رہی ہو۔ لیکن اس واضح حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ بحیثیت قوم و ملت مسلمان تنزل کے تاریک گڑھے میں گرے جا رہے ہیں۔ معاش اور معاد کے جتنے صیغے اور سلسلے ہیں سب میں وہ اوج کمال سے حضیض زوال کی طرف اپنی ہی بدکرداری اور بد دماغی کی وجہ سے حرکت کرتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں۔ ایک صاحب بصیرت تنزل کی اس زہریلی ہوا کو پھیلتے ہوئے دیکھ کر پیشگوئی کر سکتا ہے کہ اگر حفاظت الٰہی کا تریاق نہ ہوتا تو یقیناً مسلمان آج سے بہت پہلے عرصۂ حیات کو طے کیے ہوئے دکھیے جاتے۔

ادبار و فلاکت کے اس مرض مزمن کی اذیتوں سے اگرچہ اب وہ خوگر ہو گئے ہیں اور ایک عرصہ سے شدائد و مصائب کے پے درپے ورود نے ان کے اعضاء کو بےحس سا بنا دیا ہے۔ لیکن خنجر قدرت نے اس دور میں ان کے دیرینہ زخموں پر کچھ ایسے پیہم چرکے لگائے ہیں کہ ان میں دوبارہ تازہ خون پھر آیا ہے اور رگوں میں احساس کی ایک لہر دوڑ گئی ہے۔ خدا خدا کر کے اب انہیں اتنا معلوم ہو گیا ہے کہ ہم بھی کوئی وجود رکھتے ہیں اور ہمیں بھی دنیا میں رہنا ہے۔

مقام مسرت ہے کہ پھر ایک مرتبہ مداوا و معالجہ کا خیال ان کے دماغ پر مستولی

ہو گیا ہے اور طویل علالت کی کمزوریوں نے انہیں اپنی زائل شدہ طاقت حاصل کرنے کے لیے ادھر اُدھر ہاتھ پیر مارنے پر مجبور کر دیا ہے۔ چنانچہ ہمدرد مصلحین نے اپنے اپنے نظریہ کے ماتحت مختلف تشخیصیں کیں اور مختلف نسخے تجویز فرمائے۔ علمی پستی کو دیکھ کر بعض علم دوست حضرات نے کالج کھلوائے۔ اقتصادی تنزل کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بعض اہلِ دولت جوازِ سود کے فتوے دینے لگے۔ اسی طرح جس شعبے سے جس کو زیادہ دلچسپی تھی اس نے وہی کوتاہی محسوس کر کے اسی کی ترقی میں کوشش کی۔

لیکن افسوس کہ مریض جاں بلب کی حالت دن بدن ابتر و نازک ہوتی گئی اور "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" کا مصرعہ واقعۃً ثابت ہوتا گیا۔

وجہ کیا ہے کہ طریق علاج میں غلطی کی گئی۔ اور اصل مرض کی اہمیت کو نظر انداز کر کے ازالۂ عوارض ہی کو کافی سمجھا گیا اور اس برگزیدہ حکیم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاف اور فطری تعلیمات کو بھول کر اپنی ہی ناقص عقل کے گورکھ دھندوں میں مریض کو اُلجھا کر مرض کی کیفیت و نوعیت کو اور بھی پیچیدہ بنا دیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے دُنیا کو روتے تھے اب اس کے ساتھ دین بھی کھو بیٹھے۔

اسی بنا پر تجربہ کار نباضوں نے جن کی معاملہ فہم نظر مرض کی تہہ تک پہنچ گئی ہے۔ معاملہ کی نزاکت کو ملحوظ رکھتے ہوئے تہیّہ کر لیا اور فیصلہ فرما دیا کہ اس حالت میں کیوں پھر اس اکسیری نسخے کو نہ آزمایا جائے۔ جس نے صاحبِ فراش مریض عرب کو ایک آن میں اس قدر طاقتور جوانمرد بنا دیا تھا کہ سارے عالم کے دشمنوں کو اس نے گرد کر دیا۔ وہ نسخہ کوئی مصدری اور پوشیدہ نسخہ نہیں۔ وہ نسخہ وہی ہے جس کو طبیبِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صفحۂ دہر پر دُنیا کے سب سے زیادہ مقبول نسخے (قرآن) کی صورت میں چھوڑا ہے۔ اس نسخے کے اسرار سمجھانے والے بھی دُنیا میں اپنے اپنے مذاق اور استعداد کے موافق مختلف پیدا ہوئے۔ یعنی بعض نے اس کو فلسفیانہ رنگ میں پیش کیا۔ اور بعض نے اس کو ریاضیات کی ایک کتاب جانا۔ اور بعض نے اس کو محض روحانیت ہی کا معلّم سمجھا۔ لیکن افسوس کہ یہ تیر بہدف نسخہ ان سب صورتوں میں

نہ کچھ ایسا زیادہ مؤثر اور نہ ایسا کایا کلپ ثابت ہُوا۔ جیسا کہ پہلے پہل اس کے بتلانے والے کالی کملیا والے حکیم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ پر اکسیر بنا تھا۔ بات کیا تھی کہ وہ اپنے اصلی اوزان اور ترکیب کے ساتھ نہیں بنایا جاتا تھا۔ بلکہ پھر اپنی ناتجربہ کاری سے اور اپنی کوتاہ عقل کے بل بوتے پر یا تو بعض اجزاء کو بالکل بدل دیا جاتا تھا۔ یا ان میں تغیر و تبدل کر کے نسخہ کی اصلیت کو بگاڑ دیا جاتا تھا۔

اب جبکہ مریض قوم کی حالت قریب الموت تھی تو حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے عہد کو پورا کرنے کے لیے اسی نسخہ حیات بخش و جانفزا کی ترکیب و ترتیب کے لیے اپنے بندوں میں سے (حضرت) مصنف کتاب " طریق النجات " کا شرح صدر فرمایا۔ جنہوں نے اس کے اسرار و رموز کو نہایت سہل طریقہ پر اسی زبان میں کھول دیا اور مسلمانوں کے سامنے وہ نسخہ اصلی صورت میں لا کر ایسا روشن لائحہ عمل پیش کیا ہے جس کو دستور العمل بنانے کے بعد معاش اور معاد کے سب شعبے ایسے ہی مکمل اور اعلیٰ ہو سکتے ہیں۔ جیسے کہ اس کو پہلی بار آزمانے کے زمانے (خیر القرون) میں شاندار اور بلند پایہ ہوئے تھے :۔

مجھ جیسے بے مایہ کو انہیں کا ارشاد ہُوا کہ اس کا ترجمہ سلیس اُردو میں ہو جائے۔ چنانچہ میں نے ارشاد کی تکمیل کو سعادتِ دارین سمجھ کر اپنی بساط کے موافق اس کام کو ختم کیا ہے اور جو کچھ مجھ سے بن پڑا ہے ناظرین کے سامنے ہے۔ اس سہل و ممتنع کلام کی الجھنوں اور دشواریوں کا کچھ وہی حضرات بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں جن کو کبھی عربی سے اردو ترجمہ کرنے کا اتفاق ہُوا ہو گا۔ وجہ یہ ہے کہ عربی کی طرزِ تحریر۔ جملوں کی ترکیب، محاورہ کی نوعیت۔ غرضیکہ ہر ایک چیز اُردو سے بالکل مختلف اور جداگانہ واقع ہوئی ہے۔ اب اگر تحت اللفظ ترجمہ کیا جائے تو شاید گلابی اردو کی طرح ایک عجیب مضحکہ خیز صورت اختیار کرے۔ اور اگر متن سے قطع نظر کی جائے تو ترجمے کی شان باقی نہیں رہتی، اور بہت ممکن ہے کہ اصل و ترجمے کے مابین مغائرت کی ایک عمیق خلیج حائل ہو جائے۔ چنانچہ انہی مجبوریوں سے میں نے جہاں تک ہو سکا ہے، اپنی کوشش اس میں صرف کی ہے کہ

ترجمہ متن کے قریب قریب ہونے کے باوجود بامحاورہ بھی ہو اور اصل مطلب بھی فوت نہ ہونے پائے۔ اسی لیے بعض جگہ کچھ جملے بڑھا دیئے گئے ہیں اور کہیں بین القوسین (بریکٹ) سے کام لیا گیا ہے۔ لیکن قرآنِ مجید کی آیتوں اور حدیثوں کے ترجمے دستورِ عام کے مطابق اکثر تحت اللفظ ہی لکھ دیئے گئے ہیں۔"

کمال احتیاط و محنت کے باوصف پھر بھی ممکن ہے کہ کہیں غلطیاں یا خامیاں رہ گئی ہوں۔ خطاکار بندہ سے خطائیں ہی سرزد ہوتی ہیں۔

اُمید ہے کہ معزز ناظرین صفتِ خطاپوشی سے متصف ہو کر مجھے دُعائے خیر سے یاد فرمائیں گے۔ کیا عجب کہ ذرہ نواز سرکار صلی اللہ علیہ وسلم اس ناچیز خدمت کے صلہ میں اس اکسیر کے ایک ذرّے سے میرے مسِ قلب کو کندن بنا دے ؎

نظرت کیمیا است گر نگری
کہ مسِ قلبِ من چو زر گردد

وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۔

فقط والسلام
حافظ محمد ہاشم مجددی

ٹنڈہ سائیں داد ضلع حیدرآباد سندھ
۲۵-جون سنہ ۱۹۳۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رب انی لما انزلت الی من خیر فقیرا سئلک العصمۃ والسداد واعوذبک من الزیغ والالحاد سبحانک لاعلم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم۔

صلی وسلم وبارک علیٰ سیدنا محمد المصطفیٰ صاحب قاب قوسین اوادنیٰ کما یلیق بعظیم شانہ ویکون احریٰ و علیٰ آلہ واصحابہ البررۃ التقی وعلی من تبعھم بالاحسان والرضیٰ۔

"اے پروردگار! تیری اس خیر کا جو تم نے مجھ پر نازل فرمائی ہے میں محتاج ہوں۔ تیری بارگاہ سے عصمت و راہِ راست طلب کرتا ہوں۔ اور گمراہی و کجروی سے پناہ مانگتا ہوں۔ تیری ہی مقدس ذات کو پاکیزگی سزاوار ہے۔ ہم کچھ نہیں جانتے۔ مگر وہ جو تو نے ہمیں سکھلا دیا ہے۔ بیشک تو دانا اور صاحب حکمت ہے۔

ہمارے آقا و مولا محمد مصطفیٰ صاحب قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ پر وہ رحمتیں، سلام اور برکتیں بھیج جو آپ کی شانِ عظیم کے لائق و مناسب ہوں۔ نیز آپ کے نیک و پرہیزگار آل و اصحاب کو اور خوبی و رضامندی سے ان کے تابع ہونے والوں کو بھی ایسا ہی موردِ الطاف فرما۔"

امابعد جاننا چاہیے، توفیق دے تمہیں خداوند تعالیٰ ان کاموں کی جن کو وہ دوست اور پسند رکھتا ہے اور بچائے رکھے تمہیں ان چیزوں سے جو گمراہی اور سرکشی کی باعث

ہوں کہ نجات اُخروی کا مدار ایسے سچے اعتقاد پر ہے جو کہ امور آخرت کے متعلق اپنی سمجھ کی نارسائی اور عقل کی مخالفت و انکار کے باوجود بھی اللہ و رسولؐ کے وعدہ پر ثابت پختہ رہے جیسے فنا کے بعد مُردوں کا زندہ کرنا۔

(۲) کافر و فاجر کے لیے عذاب قبر کا ہونا۔ باوصف اس کے کہ میت کا جسم سالم رہتا ہے اور بظاہر عذاب کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔

(۳) حشر و نشر کا ہونا۔

(۴) نیک و بد اعمال کا تولنا۔ حالانکہ اعمال اعراض ہیں جو تُلنے کے قابل نہیں۔

(۵) صراط کو تسلیم کرنا (اس سے مراد وہ پل ہے جو قیامت کے دن دوزخ پر رکھا جائے گا اور اس سے بُرے اور بھلے سب گزریں گے) حالانکہ وہ پل بال سے باریک اور تلوار کی دھار سے تیز ہوگا بعض لوگ اس سے اس قدر جلد گزر جائیں گے جیسے بجلی کوند جاتی ہے اور بعض تیز ہوا کی طرح گزر جائیں گے۔ بعض کی رفتار سوار کے برابر ہوگی بعض ایسا چلیں گے جیسے پاپیادہ آدمی چلتا ہے۔ اور بعض پیٹ کے بل کھسکتے ہوئے (جیسا کہ بچہ چلتا ہے) جائیں گے۔" اس کے بعد یا تو جنت کی نعمتیں اور راحتیں سامنے ہوں گی یا دوزخ کے عذاب و خواری سے پالا پڑے گا۔

ان سب امور اخرویہ کا وہ لوگ جن کے دل میں اپنی عقل ناقص کی پیروی کا مرض موجود ہے انکار کر بیٹھتے ہیں۔

اور ایمان کامل کے یہ معنی ہیں کہ "جو کچھ کلام مجید میں آچکا ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو امور احادیث صحیحہ میں ثابت ہو چکے ان پر پختہ یقین ہو۔" اگرچہ ہماری سمجھ میں وہ باتیں نہ سما سکتی ہوں اور "فی الحقیقت ہماری عقل امور غیب اور ان امور کو جو عادت مستمرہ کے خلاف واقع ہوتے ہوں پا بھی نہیں سکتی۔" ہم لوگوں کے نقصان عقل او ر کوتاہی پر یہی دلیل کافی ہے کہ آئے دن یورپ کے فلاسفروں کی نت نئی عجیب و غریب ایجادیں دیکھ کر ہماری عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ جیسے بھاری بوجھل چیزوں کو ہوا میں اڑانا (اشارہ ہے ہوائی جہاز کی طرف) دنوں میں مہینوں کی مسافت طے کر جانا۔

آواز[۳] کو فونوگراف میں بند کردینا اور اس کا بغیر کسی کمی بیشی کے اس آواز کو ادا کرنا۔ نہایت[۴] دور دراز ممالک سے بذریعہ ان نکیوں کے جن کو آج کل ایجاد کیا گیا ہے (اشارہ ہے ریڈیو (RADIO) کی طرف) آواز سننا۔

اور[۵] جیسے ہوائی ٹیلیگراف وغیرہ وہ چیزیں ہیں جن کو دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے اور جن کی کنہ و حقیقت تک اس شخص کے علاوہ جو ان ایجادات میں مہارت رکھتا ہو کسی کی پروازِ عقل نہیں پہنچتی۔

تو کیا ان عجائبات کے ایجاد سے پہلے اگلے اور پچھلے دانشمندان کے وجود کو تسلیم کرتے؟ بالکل اسی طرح سے وہ امورِ آخرت جو کلام مجید میں مذکور ہیں ضرور واقع ہونے والے ہیں۔ اگرچہ ہماری عقل اس کی مخالفت پر تلی رہے۔"

ایک ایسے شخص سے جس پر مجھے اعتماد ہے میں نے سنا ہے کہ سندھ کے رئیسوں میں سے ایک صاحب تقریباً ستر برس پہلے یورپ گئے تھے وہیں انہوں نے پہلے پہل ریل گاڑی دیکھی۔ جب لوٹ کر سندھ آئے تو اس حیرت افزا چیز کا تذکرہ کرنے لگے، اس بات پر سب لوگوں نے ان کو جھٹلایا۔ اور اس کو دیوانہ کہنے لگے۔ بیچارے نے سوائے اس کے چھٹکارہ نہ دیکھا کہ خاموشی اختیار کرے۔ پھر جبکہ سندھ میں بھی ریل چلنے لگی اور سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔ تب اس کے جھٹلانے پر پشیمان ہوئے اور جان گئے کہ واقعی اس کا کہنا ٹھیک تھا۔

یہ ساری خرابی ہماری کوتاہ بینی اور قصورِ عقل ہی کی وجہ سے ہوتی ہے کہ ہمارا فہم محسوسات سے آگے نہیں بڑھتا اور ہماری تصدیق معلومات اور مالوفات کے دائرہ کے اندر ہی بند رہتی ہے۔ پس نجات اسی میں ہے کہ جو کلام مجید میں آچکا ہے یا جو کچھ امین صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا ہے۔ اس پر ایمان لاکر تسلیم کریں۔ یہاں تک کہ اپنے پختہ یقین پر اطمینان قلب کا درجہ حاصل ہو جائے اور اس میں کسی قسم کے تردد یا حیلہ جوئی کی آمیزش نہ ہو اور پس و پیش یا تاویل کی گنجائش نہ رہے۔

حق تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:۔

الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (پ ۱ ع: ۱)

"یہ ایسی کتاب ہے جس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں۔ ان پرہیزگاروں کے لیے (اپنے اندر) ہدایت رکھتی ہے۔ جو (امور) غیب پر ایمان لاتے ہیں۔"

اور اکثر قرآن مجید کے قصے اسی قسم کے ہیں کہ عقل معاشی (دنیاوی سمجھ) ان کا انکار کر دیتی ہے۔ چنانچہ (مثال کے طور پر مختصراً کچھ قصے لکھے جاتے ہیں۔ تفصیل کلام مجید اور تفاسیر میں دیکھنا چاہیئے)

(۱) "بنی اسرائیل کے ایک مقتول کا جبکہ گائے کے بعض اجزا اس پر مارے گئے زندہ ہو جانا اور اپنے قاتل کا پتہ تبلانا۔" (پ ۱ ع ۹)

(۲) "حضرت عزیر علیہ السلام کا انتقال کر جانا۔ اور آپ کے گدھے کا مر جانا اور سو سال کے بعد زندہ ہونا۔" (پ ۳ ع ۳)

(۳) "حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چار پرندوں کو ذبح کر کے ان کے گوشت کو قیمہ بنا کر آپس میں خلط ملط کرنا اور تھوڑا تھوڑا حصہ متفرق پہاڑوں پر رکھ کر ان کو بلانا۔ اس پر سب کے اعضاء کا اصلی حالت پر آپس میں مل جانا اور پرندوں کا آپ کے پکارنے سے دوبارہ زندہ ہو جانا۔" (پ ۳ ع ۳)

(۴) "اصحاب کہف کا تین سو نو برس تک غار میں سونا اور پھر اتنی مدت کے بعد بحالت ہوش وحواس وسلامتیٔ بدن بیدار ہونا۔" (سورہ کہف، پارہ: ۱۵)

(۵) "حضرت موسیٰ کی حضرت خضر سے رفاقت اور اس قصے کے محیر العقول واقعات۔" (سورہ کہف)

(۶) "حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی امت پر منّ (ترنجبین) اور سلویٰ (بٹیریں) کا آسمان سے نازل ہونا۔" (سورہ بقرہ، سورہ مائدہ)

(۷) "حضرت موسیٰؑ کا اپنی قوم کے ساتھ دریا سے بسلامت گزر جانا اور فرعون اور اس کی قوم کا غرق اور ہلاک ہو جانا۔" (سورہ بقرہ پارہ اول، رکوع: ۶)

(۸) "لوط علیہ السلام کی قوم پر زمین کا الٹ پڑنا اور اس طرح سے ان کا ہلاک ہونا۔" (پ ۱۴ ع: ۵)

(۹) قوم ہود علیہ السلام کو تیز ہوا کے عذاب سے ہلاک کرنا۔" (پ ۲۷ ع ۸)

(۱۰) قوم صالح علیہ السلام کا جبرئیل علیہ السلام کی چیخ کی ہیبت سے ہلاک ہونا۔" (پ ۱۲ ع: ۶)

(۱۱) "حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کا نگل جانا اور تین یا زیادہ دنوں کے بعد اُگل دینا۔" (پ ۱۴ ع: ۶)

(۱۲) "حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جنوں کا باوصف اجسامِ لطیفہ (ناری مادہ سے مخلوق) ہونے کے محرابیں اور تصویریں بنانا اور حوض کے برابر لگن اور نہ ہلنے والی دیگیں تیار کرنا۔" (پ ۲۲ ع ۸)

(۱۳) "ملکۂ بلقیس کا تخت حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں عالم کتاب (یعنی آصف بن برخیا وزیر حضرت سلیمانؑ) کی دُعا سے پلک جھپکنے سے پہلے پہنچ جانا۔" (پ ۱۹ ع: ۱۸)

(۱۴) "حضرت صالح علیہ السلام کی دُعا سے پتھر کے ٹیلے سے اونٹنی کا نکلنا اور اس کی کونچیں کاٹنے کے بعد اس کے بچہ کا پھر اس ٹیلے کے اندر چلا جانا۔" (پ ع)

(۱۵) "ابرہہ (شاہ یمن) کے لشکر کا ابابیل پرندوں کے پختہ کنکریاں برسانے سے ہلاک ہونا۔" (پ ۳۰ سورہ ابابیل)

(۱۶) "حضرت عیسٰی علیہ السلام کا اسی جسد عنصری کیساتھ آسمان پر اٹھایا جانا اور ہزاروں برس تک ان کا زندہ رکھنا۔" (پ ۳ ع: ۱۴ پ ۶ ع: ۲)

(۱۷) "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی جسم اطہر عنصری کے ساتھ معراج کے قصے میں بلند آسمانوں تک جانا۔ پھر وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ پر تشریف لے جانا اور پھر وہاں سے آگے مقام قاب قوسین تک آپ کا پہنچنا اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ملاقات کرنا اور ایسے لمبے سفر سے اتنی دیر میں لوٹ آنا کہ آپ کی خوابگاہ ابھی ٹھنڈی نہ ہونے پائی تھی اور دروازے کا کنڈا ہل رہا تھا۔" (سورہ بنی اسرائیل۔ سورہ النجم اور احادیث)

یہ اور ان جیسے اور عجیب و غریب قصے جن کی خبر حق سبحانہ وتعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کلام پاک میں دی ہے ایسے ہیں کہ عقل ناقص ان کو صحیح تسلیم کرنے سے قاصر ہے۔

برخلاف اس کے وہ عقل کامل کہ جو معادی (اخروی) ہے ان کے قبول کرنے پر ہدایت یاب ہے اور انوارِ نبوت سے فیضیاب ہو کر ان پر پختہ یقین رکھتی ہے۔ اس لیے منادیٔ حق زبانِ حال سے پکار کر کہتا ہے کہ اے "فریب خوردہ"! اس عقل کو چھوڑو اور آگے بڑھو!"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پروردگار عالم سے یہ استدعا کی کہ:

رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ ؕ (پ۳ ع ۳)

"اے رب! مجھے دکھا دیجیے کہ تو کس طرح مُردے زندہ کرتا ہے؟ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابراہیم کیا (اس پر) تم ایمان نہیں لاتے۔ (ابراہیم علیہ السلام) نے عرض کیا کہ بیشک (اس پر میرا ایمان ہے) لیکن (یہ سوال اس لیے ہے) تاکہ میرا قلب مطمئن ہو جائے۔"

حضرت خلیل کو اگرچہ اس پر پختہ ایمان تھا لیکن چونکہ مُردوں کا بوسیدہ ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا خلافِ عقل تھا اس لیے وہ چاہتے تھے کہ مُردوں کے زندہ کرنے کی کیفیت میں خداوند تعالیٰ کی قدرت کا مشاہدہ کریں اور جس طرح سے کہ قلب اپنی نظر کی بنا پر ایمان کامل رکھتا ہے۔ آنکھیں بھی عجائبات قدرت کے کرشموں سے بہرہ اندوز ہوں اور چونکہ یہ سوال رموزِ خلّت و محبت کے قبیل سے تھا۔ اسی رمز کی بنا پر باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ "اے خلیل! کیا تو مُردوں کے زندہ کرنے پر ایمان نہیں رکھتا۔" اگرچہ حق سبحانہ وتعالیٰ کو حضرت ابراہیمؑ کے ایمان کا علم تھا لیکن پھر انہیں کی زبان سے کہلوانے کے لیے یہ ارشاد ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت خلیل نے صاف کہدیا کہ

بَلٰی یعنی بیشک اس قدرت پر مجھے قلبی پختہ یقین ہے لیکن بظاہر چونکہ یہ صورت عقل کے مخالف ہے اور عقل اس حالت میں سراسیمہ رہ جاتی ہے۔ اس لیے محض بلحاظ اطمینان قلب تاکہ تحیر عقل سے جو اضطراب قلب کو لاحق ہوا ہے۔ رائی العین یعنی مشاہدہ کی مدد سے اس کو زائل کرلیں اور ایمان بدیہی حاصل ہو جائے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ اچھا چار پرندوں کو پکڑو۔ آخر قصے تک ....

حضرت عزیر علیہ السلام نے (ایک اجڑی ہوئی بستی کو دیکھ کر) کہا تھا کہ:

اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا (پ ۳ ع ۳)

"ایسے ویرانے کو خداوند تعالیٰ کیونکر بسائے گا۔"

لفظ "کیونکر" صاف بتلا رہا ہے کہ مُردوں کے زندہ کرنے پر ایمان رکھنے کے ساتھ کیفیت زندگانی کا سوال ہے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ نے اس کی کیفیت انہیں دکھلا دی کہ:

فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ (پ ۳ ع ۳)

"سو سال تک ان کو مردہ رکھا اس کے بعد انہیں زندگی بخشی۔"

اور بطریق استخبار ان سے دریافت فرمایا کہ "تم (یہاں پر) کتنا زمانہ ٹھہرے ہو۔" عزیر علیہ السلام نے جواب دیا کہ "ایک دن کامل یا دن کا اکثر حصہ ٹھہرا ہوں۔" چونکہ حضرت عزیر کی موت صبح کے وقت واقع ہوئی تھی اور عصر کے وقت دوبارہ زندگی پائی تھی تو آپ یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ آج ہی کا واقعہ ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ

بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا (پ ۳ ع ۳)

"نہیں بلکہ تم سو برس تک ٹھہرے ہو۔ بس دیکھو اپنے کھانے اور پینے کی طرف کہ (ابھی) سڑا تک نہیں اور اپنے گدھے کی ہڈیوں کو دیکھو کہ کیونکر ہم ان کا ڈھانچ بناتے ہیں پھر ان کو گوشت پہنا دیتے ہیں۔"

جب اس سارے قصے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تو کہنے لگے کہ:

قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ (پ ۳ ع: ۳)

" بیشک! مجھے اب یقین کامل ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز پر قادر ہے۔"

حضرت موسیٰ کا یہ سوال کہ

رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ط (پ ۹ ع: ۷)

" اے رب! مجھے اپنے مشاہدہ سے ممتاز فرمایئے۔"

اسی طرح اطمینان قلب کی خاطر تھا اس لیے کہ آخرت میں جو دیدار الٰہی بلا کیف ہونے والا ہے اس پر آپ ایمان رکھتے تھے۔ لیکن چونکہ دیدار بلا کیف سے عقل منکر ہے۔ آپ یہ چاہتے تھے کہ یہ پردہ بھی اٹھ جائے اور ایک دفعہ اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیں۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو خطاب فرمایا کہ " اے کلیم! اس دنیائے فانی میں بھلا اس دیدار کی تاب کہاں لا سکتے ہو، جو آخرت کی پائدار نعمتوں میں اعلیٰ درجہ رکھتا ہے۔" اگر اس بات کی سمجھ میں دقت ہو رہی ہے تو پھر اچھا ہے! ایک جھلک پہاڑ پر ڈالی جاتی ہے اگر وہ اپنی بڑائی، سختی، صلابت، اور بے جان ہونے کے باوجود اس جھلک کو سنبھال سکا اور اپنے مکان پر ٹھہرا رہا تو

فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا (پ ۹ ع: ۷)

پھر تم بھی دیکھ سکو گے لیکن جب حضرت الوہیت نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا۔"

اور ہیبت خداوندی سے اس کے پراگندہ ٹکڑے تتر بتر ہو گئے اور حضرت کلیم اس تمام کی دہشت سے بیہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب آپ کو افاقہ ہوا تو اس بے جا سوال پر استغفار پڑھنے لگے اور کہنے لگے کہ تقدس و پاکی تمہیں ہی سزاوار ہے۔ اس دنیا میں دیدار کے طلب کرنے سے میں توبہ کرتا ہوں اور آخرت کے دیدار پر سب سے پہلے میں ایمان لاتا ہوں۔"

اگر غور کیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت خلیل یا حضرت کلیم اور حضرت عزیر علیہم السلام سب کا سوال ایک ہی ڈھب کا ہے یعنی وہ باتیں جو مخالف عقل ہیں۔ ان کے لیے اطمینانِ قلب کے اسباب طلب کرنا۔

لیکن ہمارے آقا و مولا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابتدا ہی سے اس قدر اطمینان رکھتے

ہیں کہ کبھی بھی اطمینان کے طالب نہ ہوئے اور نہ خداوند تعالیٰ نے انہیں اس کا محتاج بنایا[1] بلکہ فرمایا کہ

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ○

(پ ۵ ع ۱۴)

"جو کچھ تم نہیں جانتے تھے وہ سب تمہیں سکھا دیا ہے اور فی الواقع خداوند تعالیٰ کا تم پر بڑا احسان ہے۔"

منجملہ ان امور کے مُردوں کا زندہ کرنا۔

اور بلا کیف دیدارِ الٰہی سے (شبِ معراج شریف میں) مشرف ہونا ہے۔

اور اکثر وہ باتیں جو ہوگئی ہیں یا ہونے والی ہیں ــــــــ ان کا بھی آپ کو کامل علم عطا کیا گیا۔ یہاں تک کہ اولیائے امت کے ایک بزرگ کہتے ہیں کہ اگر یہ پردہ آنکھوں کے سامنے سے اُٹھ جائے تب بھی میرے علم و یقین میں اضافہ نہ ہو[2]۔"

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اگرچہ اطمینان کلی عطا فرما دیا گیا ہے مگر جبکہ بارگاہِ الٰہی سے ملتِ ابراہیمی کے اتباع (پیروی) کا حکم ہے اس لیے حضورؐ کی اُمّت کو جو خیر الامم کے خطاب سے ممتاز ہے یہ ارشاد ہوتا ہے کہ اگر تم قلبی اطمینان کے طلبگار رہو۔

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ (پ ۲ ع ۲)

"تو مجھے یاد کرو میں بھی تم کو یاد کروں گا۔"

---

[1] کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

موسیٰ ز ہوش رفت بیک جلوۂ صفات
تو عینِ ذات می نگری در تبسمی

[2] ولا يلزم من هذا افضلية غير النبي على النبي كما زعم لان الفضيلة الجزئية لا تصادم الفضل الكلي ۱۲ منه (ترجمہ) اس سے غیر نبی کی نبی پر افضلیت لازم نہیں آتی جیسے گمان ہوتا ہے کیونکہ جزوی فضیلت کلی فضیلت کا مقابلہ نہیں کر سکتی (ناشر)

اور فرمایا کہ

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝ (پ ۱۳ ع ۱۰)

" بیشک ذکرالٰہی سے ہی قلب کو اطمینان اور تسکین ہوتی ہے۔"

اسی لیے منادیٔ حق (فرشتۂ غیب) زبان حال سے پکار پکار کر کہتا ہے۔ کہ اے عاجز! اس عقل کو چھوڑ دو اور آگے بڑھو!

فصل

اے میرے عزیز بھائی! " حق تعالیٰ تمہارے قلب کو نور ایمان سے منور فرمائے۔"

جاننا چاہیئے کہ اس رسالے میں ہمارا روئے سخن ان لوگوں کی طرف ہے جو مدعی اسلام ہیں اور قرآن مجید اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کو حق تعالیٰ نے تمامی مخلوق کے لیے بشیر و نذیر (خوشخبری دینے والا۔ ڈرانے والا) کرکے بھیجا ہے ایمان لا چکے ہیں لیکن وہ لوگ جو دائرہ اسلامی سے خارج ہیں اور اپنی عقل ناقص کے دھوکے میں پھنس چکے ہیں۔ یہ ہماری گفتگو ان کے ساتھ نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ چوپایوں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہیئے کہ عقل دو قسموں پر ہے:

(۱) عقل معاش

(۲) عقل معاد

جبکہ حق تعالیٰ نے انسان کو بہترین صورت پر بنایا تو اس کی فطرت میں دونوں عقلوں کا مادہ تفویض فرمایا۔ پھر جس شخص نے دونوں کو اپنی کوشش سے روشن کیا تو جو نتائج اور ثمرات دونوں پر مرتب ہو سکتے ہیں۔ ان سب سے وہ بہرہ اندوز ہوا اور جس نے ایک ہی عقل کو اختیار کیا تو نتائج بھی اسی ایک پر محصور رہے۔"

شاید تمہیں یہ خدشہ ہو جائے کہ عقل کے روشن کرنے کی کوشش بھی تو عقل کے ذریعہ سے ہوگی۔ گویا ہدایت کی جا رہی ہے عقل کی جانب عقل ہی کے واسطہ سے

اس صورت میں اتحاد سبب اور مسبب لازم آتا ہے حالانکہ وہ باطل ہے ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ عقل کی طرف ہدایت عقل کے وسیلہ سے نہیں بلکہ بواسطہ تقدیر الٰہی ہوتی ہے۔ کلام مجید میں ہے :

فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیْلًا ۝ (پ ۲۹ ع ۱۳)

" جس شخص نے چاہا اپنے پروردگار کا راستہ پکڑا۔"

یہ فرما کر ارشاد ہوا کہ :

مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ (پ ۳۰ ع ۶)

" تم مشیت الٰہی کے بغیر کچھ بھی نہیں چاہ سکتے۔" (اسی سے یہ گتھی کھل جاتی ہے)

ہم نے جو کہا ہے کہ انسانی فطرت دونوں عقلوں کے قبول کرنے کی لیاقت رکھتی ہے، اس کی یہ وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ :

کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُّوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ (الی اخر الحدیث) (جامع صغیر)

" ہر بچہ فطرت ہی پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس کے والدین اسے یا یہودی کر لیتے ہیں یا مجوسی کر لیتے ہیں یا نصرانی بنا لیتے ہیں۔

(۱) پھر عقل معاش، مصالح جسمانی کی ہدایت کرتی ہے جیسے اسباب رزق فراہم کرنا راحات بذنیہ مکان، لباس اور نکاح کا حاصل کرنا اور اس کے ماسوا سب انسانی حوائج و لوازم اس کے تحت میں آجاتے ہیں۔

(۲) اور عقل معاد ملایمات روحانی کی طرف رہبری کرتی ہے جیسے اسباب راحت ابدی کو پالینا، جنت کی نعمتوں سے ہمیشہ کے لیے ہمکنار رہنا اور دردناک عذاب سے اپنے کو چھڑا لینا، یہ سارے امور اسی عقل کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔

ہم نے اسباب رزق کہا ہے نہ خود رزق۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ انسان کی منتہائی کوشش یہ ہے کہ اسباب فراہم کرے لیکن خود رزق کا حاصل کرنا یہ انسان کی طاقت سے خارج ہے اس لیے کہ یہ امور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ انسان کی

کوشش کو ان میں کچھ دخل نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بسا اوقات سبب رزق ..... پایا جاتا ہے لیکن تقدیر کی زد سے بنا بنایا کھیل بگڑ جاتا ہے۔

اور سبب سے بھی یہاں پر مراد علامت ہے نہ سبب حقیقی۔ اس لیے کہ وہ سبب سے متخلف (خلاف) نہیں ہوتا ہے اور یہی حال راحت ابدی (یعنی نجات اخروی) کا ہے کہ انسان محض اعمال میں کوشش کر سکتا ہے۔ ان پر نجات عطا فرمانا حق تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور عقل معاشی میں انسان کیسا تمام سب حیوانات شریک ہیں اس لیے کہ کل حیوانات جن کو حق سبحانہ و تعالےٰ نے پیدا کیا ہے اور ان کے انواع کا شمار اٹھارہ ہزار تک کیا گیا ہے۔ (اور انسان بھی ان میں سے ایک نوع ہے) یہ سب جو رزق ان کے لیے مناسب ہے۔ اس کی تحصیل میں نہایت اچھی طرح ہدایت یاب ہیں۔

ان میں سے بعض ایسے ہیں جو دانہ چگتے ہیں جیسے بعض پرندے یہ دانوں کے حاصل کرنے کے لیے ہدایت یاب ہیں۔

اور بعض ان حیوانات میں سے ایسے ہیں جو گوشت کھاتے ہیں جیسے بعض پرندے اور درندے وہ گوشت کے حصول پہ ہدایت یاب ہیں۔

اور ان میں سے بعض مچھلیاں اور دریائی کیڑے مکوڑے کھاتے ہیں۔ وہ بھی ان چیزوں کے حاصل کرنے کے لیے ہدایت پائے ہوئے ہیں۔

اور ایک جنس حیوانات میں سے ایسی ہے جن کے لیے نباتات (سبزی) مناسب ہے۔ وہ اپنے نباتی رزق حاصل کرنے پر ہدایت یافتہ ہیں۔

اور بعض ایسے ہیں جن کی غذا ہوا ہے ان کی ہدایت ہوا ہی کی طرف ہے۔ اور بعض پھر ایسے ہیں جن کو ہوا ضرر کرتی ہے جیسے دریائی جانور وہ ایسے مادہ کی طرف ہدایت یاب ہیں جو ان سے ہوا کو روکتا ہے۔

پس یہ سارے صبح کرتے ہیں اس حال میں کہ بھوکے ہوتے ہیں اور جب شام ہوتی ہے تو سیر ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ جو ان کا خالق ہے وہ رازق بھی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ :-

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا وَیَعْلَمُ مُسْتَقَرَّھَا وَمُسْتَوْدَعَھَا کُلٌّ فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ہ (پ ۱۲ ع ۱:۱)

کوئی جاندار ایسا زمین پر نہیں کہ جس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو اور سب کی قرارگاہ اور جائے بازگشت سے وہ خبردار ہے۔ یہ ساری باتیں ایسی کتاب میں ہیں جو واضح اور روشن ہے۔

اور سب حیوانات کو پانی سے زندگانی بخشی ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ط (پ ۱۷ ع ۳:۲)

اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے بنایا ہے۔

پس تقدیس و پاکی اُسی ذات کو سزاوار ہے جو پہاڑوں کے بوجھ (وزن) دریاؤں کے اندازے (پیمانے) بارش کی بوندوں کے عدد، درختوں کے پتوں کے شمار، اور رات دن کے یکے بعد دیگرے آنے کے حساب پر اس کا علم محیط ہے۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَۃٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّہٗ مِنْ بَعْدِہٖ سَبْعَۃُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ کَلِمٰتُ اللّٰہِ۔ (پ ۲۱ ع ۱۲:۳)

جس قدر زمین پر درخت ہیں اگر وہ سب کے سب قلم بن جائیں اور سمندر اسے مدد دے (روشنائی بنے) اس کے بعد سات دریا اسے مدد دیتے رہیں۔ تب بھی خداوند تعالیٰ کے کلمات تمام نہ ہوں۔ (کلمات سے مراد معلومات الٰہی ہیں)

پس یہ عقل ناقص جس میں تمہارے ساتھ سارے حیوانات شریک ہیں۔ تمہیں تصدیق امور آخرت کی طرف یا اُن گزشتہ اُمتوں کے قصوں کی طرف جو قرآن مجید میں مذکور ہیں یا معجزات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف کس طرح ہدایت کر سکتی ہے۔ اس لیے کہ انبیاء کرام کے معجزات حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے نبی خیرالبشر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک اس قدر ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتے۔ بلکہ خداوند تعالیٰ کے سوا کسی کے علم میں نہیں سما سکتے۔ اور درحقیقت معجزات کے ادراک سے عقل معاش عاجز ہی ہے اور معجزات انہیں کہا ہی اس لیے جاتا ہے کہ لوگوں کی عقل اس کی ماہیت

اور کیفیت کی سمجھ سے عاجز ہے۔

پس خود ہی سمجھ لو کہ عقلِ معاش جو دائرہ برہانِ عقلی میں محصور ہے۔ کیا امورِ ذیل کی تصدیق کر سکتی ہے۔ معجزہ شق القمر جو آپ کے اشارہ سے ہوا۔

تنہ خرما (استنِ حنانہ) کا آپ کی مفارقت کی وجہ سے رونا اور فریاد کرنا۔

آپ کی مبارک انگلیوں کے پوروں سے پانی کے چشمہ کا پھوٹ پڑنا۔

ہزاروں آدمیوں کا ایک صاع (چار سیر کا پیمانہ) جو سے سیر ہونا۔

اور کیا یہ عقل باور کر سکتی ہے کہ عصائے موسیٰ اژدہا بن جائے، اور سمندر کا پانی دیوار بنے اور حضرت کلیم کا ہاتھ سورج کی طرح چمکتا ہوا سفید ہو جائے اور بنی اسرائیل پر پہاڑ آسمان کی طرح سروں کے اوپر آ جائے۔

اور کیا ایسی عقل مان سکتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے مادرزاد اندھا اور کوڑھی تندرست ہو جائیں اور مُردوں کو قُم باذنِ اللہ کہہ کر زندہ کر دیں۔ اور مٹی سے ایک پرندے کی صورت بنا کر اس کو ہوا میں اڑائیں۔

اور کیا یہ عقل تسلیم کر سکتی ہے کہ خلیل کے لیے نمرود کی بھڑکتی ہوئی آگ ٹھنڈی اور باعث سلامتی بن جائے۔ وعلیٰ ہذا القیاس

نیز یہ عقلِ ناقص تمہیں کراماتِ اولیائے کرام کی تصدیق کی بھی ہدایت نہیں کر سکتی جو زیادتی شہرت کی وجہ سے حدِ تواتر کو پہنچ چکی ہیں۔ اس طرح پر کہ منکر کو بھی ان میں انکار کرنے کی گنجائش باقی نہیں۔ چہ جائیکہ سمجھدار آدمی کو۔

پس جبکہ یہ عقل قصص کلام مجید معجزات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام، کراماتِ اولیائے کرام کی طرف بھی جو عموم تواتر کی بناء پر بدیہیات میں شمار کیے جانے لگے ہیں۔ کچھ رہبری نہیں کرتی تو تمہیں کیسے ہدایت کرے گی۔ ان امور کی تصدیق کی طرف جو بعد میں واقع ہونے والے ہیں۔ مثلاً:۔

عذابِ قبر اور اس کی کشادگی

سوال جواب کے لیے فرشتوں کا داخل ہونا اور نکلنا

قبر کا میت کو بھینچ لینا۔
ستر گز تک اس کا فراخ ہو جانا۔
اور جسم کا فنا اور بوسیدہ ہونے بلکہ ہوا میں پراگندہ ہو جانے کے بعد اٹھانا۔
آیا اس عقل کے ذریعہ کوئی سبیل ہے کہ وہ حالات اور ہولناک واقعات جو قیامت کے دن پیش آنے والے ہیں معلوم کیے جا سکیں جیسے حساب، میزان، صراط، جنت اور اس کی نعمتوں کا ہمیشہ کے لیے پائدار رہنا، دوزخ اور اس کی عقوبتوں کا غیر منقطع ہونا۔
پس کیا خداوند ذوالجلال کے عذاب سے ایسی سقیم اور سبک عقل کے ذریعہ نجات کی امید کی جا سکتی ہے ؟ جب نہیں ! تو پھر اے سمجھ والو ! تمہیں اس عقل کی پیروی کرنی چاہیے جو اُخروی ہونے کے ساتھ انبیاء کرام علیہم السلام کے منور سینوں سے لی گئی ہے۔

فصل

شاید تم یہ کہہ دو کہ عقل معاشی اگرچہ امور اخرویہ و حکایات مرویہ کی تصدیق میں قاصر ہے لیکن جبکہ محسوسات کی سمجھ میں کمال رکھتی ہے۔ اس لیے ممکن ہے کہ اس کے درک میں ایسے سنجیدہ امور آ جائیں جو عاقبت میں نجات دہندہ ثابت ہو سکیں۔
اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات غیر ممکن ہے۔ کیا تم نے حکمائے یونان افلاطون اور ان جیسے اوروں کے قصے نہیں سنے ؟ اگرچہ وہ عقل معاشی میں ایسا اعلیٰ درجہ رکھتے تھے کہ لوگ انہیں حکمائے الٰہی کہتے تھے۔ انہوں نے اپنے اخلاق و اقوال کو نہایت مہذب و شائستہ بنا لیا تھا۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ افلاطون کی بیٹھک اکثر قبرستان میں ہوتی تھی۔ اور اس قدر روتے تھے کہ ان کے رونے کی آواز تقریباً ایک میل کی مسافت سے سُنی جاتی تھی اور ہمیشہ ان کی گفتگو حکمت و موعظت سے لبریز ہوتی تھی۔
لیکن ان سارے کمالات کے باوجود توحید اور قدرت الٰہی کے علم سے آخر تک قاصر رہے۔ ان کا قول تھا کہ ممکن نہیں کہ واحد (باری تعالیٰ) ایک آن (ساعت) میں ایک چیز کے علاوہ کچھ اور بھی پیدا کر سکے۔

اور کہتا تھا کہ پہلے پہل خداوند تعالیٰ نے عقل اول کو پیدا کیا پھر اس کی مدد سے فلک اطلس یعنی عرش کو پیدا کیا ہے۔ پھر دونوں کی مدد سے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔ اور اس نے حشر اجساد اور قیامت کے دن جنت اور دوزخ کے ہونے کا صاف انکار کر دیا ہے۔

اسی طرح سب حکمائے یونان عالم کو قدیم مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس پر فنا طاری نہیں ہو سکتی۔ ان میں سے بعض کو حضرت عیسٰی علیہ السلام کی دعوت ایمان بھی جب پہنچی تو کہنے لگے کہ "ہم تو پہلے ہی مہذب اور روشن خیال ہیں ہمیں ایسے شخص کی کوئی ضرورت نہیں جو ہمیں تہذیب سکھلائے۔ اس طرح سے وہ سعادت اخروی سے محروم رہے جو نبی کے قول پر یقین و تصدیق کرنے کے ساتھ وابستہ ہے۔

اسی طرح تمہارا یہ کہنا کہ عقل معاشی محسوسات کے ادراک میں کامل ہے۔ یہ بھی مخدوش ہے۔ اس لیے کہ ہم مثالوں سے واضح کر دیں گے کہ اس میں بھی عقل معاشی گم ہو جاتی ہے۔ مثلاً ستاروں کی تاثیرات محسوسات میں سے ہے لیکن عقل ہرگز اس بات کو نہیں جان سکتی کہ ان کے اثر کی وجہ کیا ہے اور ہر ایک کے ساتھ جو اثر مخصوص ہے یہ کیونکر ہے۔

اسی طرح سے معدنی دھاتیں اور نباتی جڑی بوٹیاں ہیں کہ عقل اگرچہ افلاطونی ہو۔ بچھناگ کی زہریت اور جدوار کی تریاقیت کی وجہ معلوم کرنے سے عاجز ہے۔

کیا تم اپنے عقل سے فلفل چینی اور چندن کی سردی اور سیاہ مرچ اور لونگ کی گرمی دریافت کر سکتے ہو؟

پھر نظر عقل کو ذرا اور آگے وسعت دو اور اس پتھر کو دیکھو کہ جب اس پر فولاد رگڑا جائے...... تو اس سے آگ کی چنگاریاں نکلنے لگتی ہیں جس کو چقماق کہتے ہیں اور سوچو کہ یہ آگ پتھر کی ہے یا فولاد کی یا دونوں کی۔ حالانکہ یہ سب صورتیں مخدوش ہیں اور پوچ، جن کو تجربہ کھلم کھلا باطل کر دیتا ہے۔

اور کیا عقل قطب شمالی کے ساتھ مقناطیس کو جو عشق ہے اس کا بھید کھول سکتی کہ یہ عشق اور چاہ، اس مقناطیسی پتھر کے طرف سے ہے یا قطب شمالی سے یا

دونوں اس میں گرفتار ہیں۔"

اور کیا وجہ ہے کہ مقناطیس کے ساتھ سوئی پھرتی رہتی ہے؟ اگر اس بات کا تجربہ چاہو تو ایک سوئی کو تانبے کی طشت میں رکھو اور مقناطیس کو طشت کے نیچے گھماتے رہو تو پھر یہ تماشہ دیکھ لوگے کہ سوئی کیسے ناچتی ہے اور کیسے مقناطیس کے گھمانے سے سوئی گھومتی رہتی ہے۔

اور کیا عقل جان سکتی ہے کہ تنکے اور خشک گھانس کو جو کہربا کھینچتی ہے اس کا سبب کیا ہے۔ اگر اس کو بھی آزمانا چاہو تو ایک تنکے کو کہربا کے سامنے رکھ دو تو یہ بھی دیکھ لوگے کہ کیسے تنکا اُڑ کر کہربا سے چمٹ جاتا ہے۔

اور کیا تمہاری عقل مان سکتی ہے کہ نر کھجور کے پیڑ کی طرف مادہ کھجور کے جھک جانے کا کیا سبب ہے؟ حالانکہ یہ سارے امور دیکھے ہوئے اور مشاہدات میں سے ہیں۔ اور کیا تم جان سکتے ہو کہ نظر بد لگ جانے اور سحر کے تاثیر کرنے کا کیا سبب ہے، حالانکہ یہ دونوں ثابت اور حق ہیں، جن کا نصوص میں بھی ذکر ہے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ فن ہیئت کے علماء نے اپنے دلائل و براہین سے زمین کی کرویّتہ (گول ہونا) ثابت کیا ہے۔ جغرافیہ کی کتابیں اور سیاح بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور سب سے قوی دلیل اس پر یہ ہے کہ جس وقت ہندوستان میں سورج کا طلوع ہوتا ہے اسی وقت امریکہ میں غروب ہوتا ہے اور وہاں کے طلوع کے وقت یہاں آفتاب غروب ہوتا ہے۔ (یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ جب زمین گول ہو)

اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ زمین ہوا میں معلق ہے اور آسمان اس کے چہار طرف سے پانسو برس کی مسافت پر دُور واقع ہے۔ جیسا کہ نصوص سے ثابت ہے۔ اب کیا عقل کے ذریعہ ایسی بھاری اور بوجھل اجسام ارضیہ کا بغیر کسی ستون کے ہوا میں لٹکا ہوا رہنا سمجھ میں آسکتا ہے؟" لیکن وہ دلیل جو فن ہیئت میں مذکور ہے کہ زمین کے درمیان ایک ایسا جاذب (کھینچنے والا) ہے جو سارے اجزائے زمین کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے تو وہ دلیل بیکار ہے۔ ہمارے مدعا سے سروکار نہیں رکھتی۔

ہم کہتے ہیں مان لیا کہ اس جاذب نے جمیع اجزائے ارضیہ کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ لیکن کل زمین اپنے جاذب اور مجذوب یعنی اتنے بڑے سمندروں اور بھاری پہاڑوں کے ساتھ بغیر ستون کے ہوا میں کیسے قائم رہ گئی ہے۔

اس کے جواب میں یہ کہنا کہ پوری زمین کو کواکب (تارے) سماویہ اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔ تو یہ دلیل ظنی ہے۔ مفید یقین نہیں۔ اس لیے کہ احتمال ہے کہ ان کواکب میں قوت دفاعیہ (دفع کرنے کی طاقت) ہو جو جہات ستہ (ہر طرف) سے روک رہے ہوں جس کی وجہ سے ہوا میں لٹک رہی ہو۔

اگر تم کہو کہ ایسا نہیں ہے۔ ہم کہیں گے اگر اندفاع صحیح نہیں ہے تو پھر انجذاب کی صحت کیونکر تسلیم کریں اور اگر اندفاع کو مان لو تو ہم کہیں گے کہ اس صورت میں احتمال آگیا اور اعتماد زائل ہوا۔

اور اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ زمین ہوا میں جذب کواکب یا ان کے دفع سے قائم ہے لیکن ذرا نظر آگے بڑھاؤ اور دیکھو کہ پوری زمین خود کواکب جاذبہ یا دافعہ کے ساتھ اور پھر ایک آسمان ان چیزوں کے ساتھ جو دوسرے آسمان تک اس میں ہیں۔ یونہی ساتوں آسمان کرسی تک، یہ سب کیسے قائم ہیں اور یہاں پر کون سا اندفاع ہے اور اس میں کیا انجذاب ہے۔

اس مقام پر پہنچ کر (بعد از خرابی بسیار) اگر ہوش سنبھال لیے اور کہہ دیا کہ اس پورے مجموعہ کا قائم رہنا حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے امر سے ہے۔

ہم کہیں گے صحیح ہے۔ لیکن ابتدائے کار سے اس کو کیوں نہیں مان لیا۔ تا کہ اس ساری دردسری سے چھٹکارا ہوتا۔

اور حقیقت میں یہی طریقہ اسلم اور استوار ہے۔ اس لیے وہ قادر جو ساتوں آسمانوں کو ہوا میں سنبھال سکے کیا وہ اتنی قدرت نہیں رکھتا کہ صرف زمین کو ہوا میں لٹکا رکھے۔ باوصف اس کے کہ زمین کی تین چوتھائیوں کو دریائے شور گھیرے ہوئے ہے۔ اور سمندر بھی زمین کی کرویت کی بنا پر گردی (گول) ہے اور پانی بالطبع سیال (بہنے والا) ہے

جو کروی شکل پر قائم نہیں رہ سکتا۔ تو اب بتایئے کہ پانی ہوا میں اس کروی شکل کے ساتھ کیسے ٹھہرا ہُوا ہے؟

جس شخص میں تفکر کا مادہ ہو اور وہ آسمان اور زمین پر ایک نظر نگاہ عبرت ڈالے تو وہ اس قسم کے بہت سے امثال پا سکتا ہے۔

سُبْحَانَکَ مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا ۝

"پاکی ہے تیرے لیے تُو نے ان چیزوں کو عبث (بیکار) پیدا نہیں کیا۔"

پس اس سے جو ہم نے ذکر کیا ثابت ہوتا ہے کہ عقل معاش جب محسوسات دنیویہ کی سمجھ سے عاجز ہے تو معقولاتِ اُخرویہ ایسی عقل کے ذریعہ کیسے دریافت کیے جا سکتے ہیں۔

اگر تم کہو کہ ستاروں کی تاثیرات، جڑی بوٹیوں اور دھاتوں کی خاصیتیں، پتھر سے آگ کا نکلنا۔ مقناطیس کا قطب شمالی اور لوہے سے عشق، کہربا کا تنکے کو کھینچنا، مادہ کھجور کا نر کھجور کی طرف جھک جانا، زمین کا ایسے بوجھل ہونے کے ساتھ ہوا میں قائم رہنا، غرضیکہ یہ ساری باتیں جو مذکور ہوئیں سب کی سب حق تعالیٰ کی تقدیر اور امر سے ہو رہی ہیں اور خداوند تعالیٰ نے ہی ان اشیاء میں یہ تاثیریں اور خاصیتیں رکھی ہیں۔ اگرچہ ہماری عقل ان کو سمجھ نہیں سکتی۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں۔ ٹھیک ہے۔ ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور تصدیق کرتے ہیں کہ ساری باتیں حق تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ اور حکمتِ کاملہ کے کرشمے ہیں اور یہی ہمارا مدعا و عین مقصود ہے۔ لیکن سوچنا چاہیے کہ خداوند تعالیٰ کی قدرت جب یہیں یہیں ایسے عجیب و غریب امور جن سے ہماری عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں دکھا رہی ہے تو کیا ایسی قدرت کاملہ ان اُمورِ آخرت کو جو ہماری عقل کے احاطہ سے باہر ہیں وجود میں نہیں لا سکتی؟

اگر اس بات کو مان لو تو بس نزاع اٹھ گیا اور مقصود حاصل ہُوا۔ اور اگر اس پر بھی نہ مانو تو اس کا کیا علاج ہے۔ یہ سراسر ہٹ دھرمی اور تعصب ہوگا بلکہ

نتیجہ جہالت وحماقت۔

فصل

برادرِ عزیز! جب اس عقل کے فساد اور قصور کو دیکھ چکے اور امورِ آخرت میں اس کی کم مائیگی کو جان چکے۔ تو اب اسے بے کار ہی رہنے دو اور کسی کام میں اس کی اطاعت نہ کرو۔ اور جب تمہیں اس کے قصور اور فتور کا یقین ہو گیا ہے تو خدارا اس کی پیروی کرنے سے پرہیز کرو اور اس کے مقدمات بنانے اور نتائج نکالنے کے داؤ سے بچے رہو۔ کیونکہ یہ تمہیں گمراہ کر کے قعرِ جہنم میں گھسیٹ لے جائے گی اور خدا و رسولؐ کے اوامر (احکام) اور وعدہ وعید کے مقابلہ میں کبھی اس عقلِ ناقص کے مقدمات کو مت لانا۔ اس لیے کہ کم بخت اور منحوس ہی غائب (آخرت) کو حاضر (دنیا) پر قیاس کیا کرتا ہے اور شیطان مردود کے دھوکوں سے تلقین پاتا ہے۔

دہرا دہرا کر بار بار کہتا ہوں کہ کہیں اس کے پھندے میں پھنس کر اس کی تابعداری نہ کر بیٹھنا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوَاہُ وَاَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰی سَمْعِہٖ وَقَلْبِہٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِہٖ غِشَاوَۃً فَمَنْ یَّھْدِیْہِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰہِ۔ (پ ۲۵ : ۱۹)

کیا تو نے اسے نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا لیا ہے اور اللہ نے اُسے علم ہی پر گمراہ کر دیا اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے۔ پس اسے اللہ کے چھوڑ دینے کے بعد کون رہنمائی کر سکتا ہے۔

اور عقلِ اخروی کی پیروی کرو کہ وہ تمہیں صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کرے گی۔ اس لیے کہ یہ عقل نورِ نبوت سے مستفاد ہے جو قلبِ مومن پر فیضِ الٰہی ہے اور یہی عقل اندھیرے میں چراغ کی طرح بیابان میں رہبر و رہنما کی طرح اور آڑے وقت میں مشکل کشا کے مانند ہے۔

پس ایسی عقل کی پیروی اپنے اوپر لازم کر رکھو اور جبتک کہ زندہ ہو کبھی اُسے ہاتھ سے نہ چھوڑو کہ یہی مہلکات میں نجات دہندہ، اور یہی باقیات صالحات اور صراط مستقیم کی طرف رہنما ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اصل میں اسلام کی بنا تسلیم و یقین کرنے، اور جن باتوں کی قرآن مجید نے خبر دی ہے ان کو بلا انکار و بلا طلب دلیل کے قبول کرنے پر ہے۔ اسی لیے انسان سے یہ سوال کیا جائے گا کہ یہ باتیں تم نے قبول کیں یا نہیں۔ اس کا سوال نہ ہوگا کہ تم نے اس پر دلیل بھی طلب کی یا نہیں۔

بنا بریں سمجھدار آدمی کو چاہیے کہ اسی بات کو مضبوط پکڑے جس کا سوال ہو۔ اور جس بات کا ذکر تک نہ آئے فضول اس میں زندگی گنوانے سے کیا حاصل۔

اور عقل اخروی اسی تسلیم اور یقین رکھنے کی پیروی و ہدایت کرتی ہے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی ارشاد فرمایا کہ:

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ۔ (پ ۱۲ ع ۱۰)

"استقامت کیجئے جیسا کہ آپ کو امر کیا گیا ہے۔"

یہ نہ فرمایا کہ استقامت کیجئے اور جن باتوں کا آپ کو امر ہے ان کی دلیل بھی طلب کیجئے۔

حقیقت میں خداوند تعالیٰ کے امر کے سامنے دلیل طلب کرنا شیطان کی سنت (روش) ہے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ نے جب اس کو حضرت آدم علیہ السلام کی طرف سجدہ کرنے کے لیے امر کیا تو اس نے جواب میں کہا کہ "بھلا میں اس کی تعظیم اور سجدہ کر سکتا ہوں حالانکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے۔" بیوقوف! اپنی جہالت سے یہ نہ سمجھا کہ مٹی منبع فیوض و برکات ہے اور آگ معدن نقص و مہلکات۔

پس جبکہ تمہیں کہا جائے کہ کہو اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ (ایمان لایا میں اللہ پر) تو بغیر تردد و تاخیر کے زبان اور قلب دونوں کے ساتھ کہہ دو کہ ایمان لایا میں اللہ پر درآنحالیکہ وہ تنہا ہے کوئی اس کا شریک نہیں۔ اسی کا ہے ملک اور اسی کو سزاوار ہے حمد۔ وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ ایک اور اکیلا اور ایسا بے نیاز ہے کہ نہ خود کسی سے پیدا ہوا ہے نہ اس سے کوئی پیدا ہوا۔ اور اس کا کوئی ہمجنس

نہیں ۔ وہ سننے والا، دیکھنے والا، جاننے والا، کلام کرنے والا، زندہ ہے، قائم رکھنے والا ہے وہ قادر ہے اور وہی اوّل و آخر ہے اور وہی ظاہر و باطن ہے۔ آخر اسمائے حسنیٰ تک ۔ وہ ازلی و ابدی ہے۔ اس کے ذات و صفات اور افعال میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ اس کے فرمان کی یہ شان ہے کہ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ہ (پ ۲۳، ۲) (جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا۔ پس وہ چیز موجود ہو جاتی ہے)۔

اور باری تعالیٰ کا جسم نہیں، اس لیے کہ جسمیّت کو ترکیب لازم ہے اور باری تعالےٰ ترکیب سے پاک ہے اور جوہر بھی نہیں اس لیے کہ جوہر جسم کا جزو ہے اور جبکہ وہ جسم نہیں تو جوہر کیسے ہو سکتا ہے ۔

اسی طرح سے باری تعالیٰ نہ کسی مکان میں ہے نہ کسی زمانہ میں اس لیے کہ مکان ضرور مکین کے ساتھ مماس ہوتا ہے اور مس بغیر جسمیت کے نہیں ہو سکتا۔ جس سے باری تعالیٰ منزّہ ہے۔

اور اس پر کوئی زمانہ نہیں گزرتا۔ کیونکہ زمانہ نام ہے رات دن کے یکے بعد دیگرے آنے کا۔ اور اس بارگاہ قدس میں رات و دن کا گزر نہیں بلکہ وہ خود زمانہ کا خالق ہے۔

لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَّھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ہ (پ ۲۵ ع ۳:۶)

اس کے مثل کوئی شے نہیں اور وہ شنوا اور بینا ہے۔

اور وہ ایسی ذات ہے کہ اس کے ذات و صفات اور اسرارِ افعال و احکام میں اوّلینُ آخرین کے عقول حیران و سراسیمہ ہیں۔

اور جب تمہیں کہا جائے کہ کہو اٰمَنْتُ بِمَلٰٓئِکَتِہٖ (میں ملائکہ پر ایمان لایا ہوں) تو اسی طرح سے کہہ دو کہ میں اللہ تعالیٰ کے ملائکہ پر ایمان رکھتا ہوں جس طرح سے کہ وہ اللہ کے علم میں ہیں خصوصاً ان میں سے مقربین اور حاملین عرش پر آسمانوں میں تسبیح کرنے والوں پر۔ اور یقین رکھو کہ ملائکہ گناہوں سے پاک ہیں۔ کھانے اور پینے اور نر و مادہ ہونے سے بری ہیں۔ لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ہ (پ ۲۸ ع ۱۹)

وہ حق تعالیٰ کی کبھی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں امر کیا گیا ہے۔

اور جب تمہیں کہا جائے کہ کہو اٰمَنْتُ بِکِتَابِ اللّٰہِ (میں اللہ کی کتابوں پر ایمان لایا ہوں) تو اسی طرح سے کہہ دو کہ میں ان سب کتابوں پر جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے انبیاء پر نازل ہوئی ہیں ایمان لایا اور اس پر کہ ساری کتابیں اس کلام قدیم ازلی کی تفصیل ہیں جو حروف اور آواز سے منزہ ہے اور یہ سب کتابیں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے نازل شدہ ہیں۔

اور جب تمہیں کہا جائے کہ کہو اٰمَنْتُ بِرُسُلِہٖ (ایمان لاتا ہوں میں رسولوں پر) تو کہہ دو کہ اسی طرح میں اللہ تعالیٰ کے کل رسولوں پر اول الانبیاء حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک ایمان لایا ہوں خصوصاً ان پر جو مقرب بارگاہ الٰہی ہیں۔ اور کل انبیاء معصوم ہیں یعنی ان سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں توبۂ مقبولہ کی توفیق دی ہے برتقدیر اگر ان سے کوئی لغزش صادر ہو جائے۔ اور وہ بہترین مخلوق اور اللہ کے بندوں میں برگزیدہ ہیں۔ انہوں نے تبلیغ رسالت میں کوتاہی نہ کی اور حق امانت ادا کر دیا۔ وہ راہ خدا میں شایانِ شان کوشش اور حقِ جانفشانی بخوبی بجا لائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ باوصف اس کے کہ نفس رسالت کے بارے میں ہم ان میں فرق نہیں کرتے۔ باری تعالیٰ نے اپنے پاک کلام اور پیارے خطاب سے ان کی عزت افزائی کی ہے اور اپنی تائید و نصرت سے ان کو غلبہ بخشا ہے۔ دنیا و آخرت میں ان کے مدارج بلند فرمائے اور اپنے گنہگارانِ امت میں ان کو حقِ شفاعت یعنی (سفارش) عطا کیا ہے۔ خاص کر اپنے فضل و کرم سے ہمارے آقا و مولا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو ان سب (انبیاء) میں زیادہ فضیلت و بزرگی اور بلندئ درجہ کے ساتھ خاص و ممتاز فرمایا ہے، یہاں تک کہ آپ کو اپنا خلیفہ بنایا اور آپ کے قول و فعل کو اپنے قول و فعل کا مظہر قرار دیا چنانچہ ارشاد ہے کہ:-

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی (پ ۹ ع ۱۶:۱)

آپ نے نہ پھینکی (خاک کی مٹی) جبکہ پھینکی بلکہ اللہ ہی نے پھینکی تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (پ۲۷ ع ۵)

(نہیں کہتے اپنی خواہش سے بلکہ وہ وحی ہی ہوتی ہے جو نازل کی جاتی ہے)

اور آپؐ کی متابعت کو اپنی محبت کا سبب گردانا ہے اور فرمایا کہ:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (پ۳ ع ۱۲)

"اے حبیب! ان سے (کفار قریش سے) کہدو کہ اگر اللہ کی محبت کا دعوٰے ہے تو میری متابعت میں ثابت قدم رہو تو اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت کرے گا"

اور آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا اور فرمایا کہ:

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (پ۵ ع ۸)

"جس نے رسول کی اطاعت کی تو درحقیقت اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

اور آپ کے نور کو سب مخلوقات سے اول پیدا کیا اور آپ ہی کے نور سے زمین و آسمان پیدا کیے۔

حضرت آدم اور اُن کے بعد جو انبیاء ہیں سب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے قیامت کے دن جگہ دی اور حضورؐ کو شفاعت عظمیٰ کا منصب عطا کیا۔ یہاں تک کہ انبیاء و مرسلین کو بھی آپ کی وسیع شفاعت میں داخل ہونے کا فخر بخشا اور آپ ہی کے اعزاز سے آپ کی اُمت کو خیر الامم کے لقب سے سرفراز فرمایا اور باوجود کثرت معاصی کے آپ کی اُمت کو مسخ ہونے اور دھنسنے سے محفوظ رکھا اور عام عذاب سے نجات بخشی۔

یہ محض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت و اعزاز کی وجہ سے آپ کی اُمت پر انعام ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (پ۹ ع ۱۸)

"اللہ ان کو عذاب میں گرفتار نہ کرے گا جب کہ آپ ان میں موجود ہیں۔"

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی پیاری عمر اور آپ کے پسندیدہ شہر کی قسم کھائی ہے کہ:
لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (پ ۱۴ ع ۵) اور لَآ
اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِۙ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِۙ (پ ۳۰ ع ۱۵)
"اے نبی محبوب! قسم ہے آپ کی جان عزیز کی کہ بیشک کفار اپنے نشے میں
بہکے ہوئے ہیں اور قسم کھاتا ہوں میں اس شہر (مکہ) کی درانحالیکہ آپ
اس میں موجود ہیں۔

اور آپ کو اسی دنیا میں اپنے دیدار سے محظوظ و مکرم کیا اور اپنے حضور میں قربت کا
درجہ عنایت فرمایا۔ قولہ تعالیٰ:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى۔ (پ ۲۷ ع ۵)
پھر قریب ہوئے پھر اتر آئے اور جھک گئے یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اس
سے بھی زیادہ نزدیک ہو گئے۔

اس کے علاوہ وہ وہ بلند درجے، اعلیٰ مقامات اور اعزاز آپ کو حاصل ہوئے جو حدود
حساب و شمار سے باہر ہیں۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

يَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَيَا سَيِّدَ الْبَشَرِ
مِنْ وَّجْهِكَ الْمُنِيْرِ لَقَدْ نُوِّرَ الْقَمَرُ
لَا يُمْكِنُ الثَّنَاءُ كَمَا كَانَ حَقُّهٗ
بَعْد اَزْ خُدَا بُزُرْگ تُوْئِیْ قِصَّہ مُخْتَصَرْ

"اے صاحب جمال اور اے انسانوں کے سردار! تیرے ہی منور چہرے سے
چاند روشن ہوا ہے۔ تیری شایان شان تعریف ممکن نہیں۔ قصہ مختصر یہ ہے
کہ خدا کے بعد بزرگی تمہیں ہی رکھتے ہو۔"

اور جب تمہیں کہا جائے کہ کہو اٰمَنْتُ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ تو بغیر شک و شبہ اسی
وقت بے تاخیر اور بغیر کسی پس و پیش کے کہدو کہ میں روز قیامت پر ایمان لایا اور قیامت
کے واقعات اور ہولناک مناظر پر یقین رکھتا ہوں اور اس بات پر کہ وہ دن پچاس ہزار

برس کے برابر ہوگا۔ اور حساب وکتاب اور صراط و میزان پر ایمان رکھتا ہوں۔ نیز جنت اور جنت کی نعمتوں پر جو ہمیشہ پائدار رہیں گی اور نہروں اور قصور (محلات) پر جو جنتیوں کو حسب مدارج اعمال محض اللہ کے فضل وکرم سے عطا کیے جائیں گے ایمان رکھتا ہوں۔ اسی طرح دوزخ کو مانتا ہوں اور دوزخ کی ان تکالیف و عذاب کی تصدیق کرتا ہوں۔ جس میں کفار ہمیشہ ابدالآباد تک اور فساق (گنہگار) اپنے گناہوں کی آلودگی سے پاک ہونے کے لیے مبتلا رہیں گے اگر کسی کی شفاعت سے ان کی دستگیری نہ ہوئی۔ اللہ تعالےٰ ہم کو اپنے فضل سے اس سے نجات بخشے۔ اور اس بات کو صحیح تسلیم کرتا ہوں کہ اللہ محض اپنے فضل وکرم سے اپنے بعض صالح بندوں کو قیامت کے ہولناک مواقع سے محفوظ رکھے گا اور عرش کے سایہ میں ان کو آرام کے لیے جگہ دے گا اور اتنا طویل دن ان کے لیے اتنے وقت کے برابر ہو جائے گا۔ جس میں دو رکعتیں نفل کی پڑھی جا سکیں۔ اس میں حیرت اور تعجب کی کیا بات ہے جبکہ باری تعالیٰ خود زمانے کا خالق ہے تو یہ بھی اس کے قبضۂ قدرت میں ہے کہ جس کے لیے چاہے اس کو لمبا بنائے اور جس کے لیے چاہے اسے کوتاہ کردے۔ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ (پ۳ع۱۴)

پس تم کو شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا چاہیے اور جب تمہیں کہا جائے کہ کہو اٰمَنْتُ بِالْقَدَرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى (ایمان لایا میں تقدیر پر کہ خیر و شر جملہ اللہ کی جانب سے ہے) تو تم کو اسی طرح سے کہنا چاہیے۔

اے راہ نجات کے طالبو! جاننا چاہیے کہ قدر کا مسئلہ علم کلام کے نہایت دقیق ترین اور پیچیدہ مسائل میں سے ہے۔ اور قدر پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے اسرار وحقیقت کی تلاش میں پڑنا بدعت ہے۔

اس لیے کہ عقل معاشی اس مسئلہ کی حقیقت پالینے سے قاصر ہے۔ اس لیے تم پر لازم ہے کہ اس بات کا پختہ یقین رکھو اور اس کو تسلیم کرو کہ خیر و شر کل اللہ کے قدر و ارادہ سے ہی ہوتا ہے جس کو تمہارے تولد سے پہلے ہی اللہ نے مقدر کر لیا ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :-

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۔ (پ ۲۳ ع ۷)

" اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا ہے اور تمہارے اعمال کو بھی۔"

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ :

اَرْبَعَةٌ تُكْتَبُ عَلٰى ابْنِ اٰدَمَ وَهُوَ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ اَلسَّعَادَةُ وَ الشَّقَاوَةُ وَالرِّزْقُ وَالْعُمْرُ (مشکوٰۃ بالفاظ مختلف)

" چار چیزیں ایسی ہیں جو ابن آدم پر اس وقت لکھی جاتی ہیں جبکہ وہ ماں کے پیٹ ہی میں ہوتا ہے ۔ سعادت، شقاوت، رزق، اور عمر۔"

لیکن اللہ تعالیٰ خیر سے راضی ہوتا ہے اور شر سے ناراض۔ یہی مقام ہے جہاں سے دلائل عقلیہ کے تابعین جو اللہ کی حکمتوں کے اسرار سے محروم ہیں ان کے پاؤں پھسل گئے ہیں اور کہہ بیٹھے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ شر کو پسند نہیں کرتا تو اس نے شر کو پیدا ہی کیوں کیا اور اس کا ارادہ کیوں فرمایا۔ اور اسی محل میں ملحدین کی (اپنے عقول فاسدہ و دلائل کاسدہ کے اتباع کے موافق) کئی شاخیں بن گئی ہیں۔

پس جن لوگوں نے کہ شریعت کے دامن میں چنگل مارا ہے اس طرح پر کہ اللہ کے اسرار اور حکمتوں کو جو اللہ کے ملک اور ملک میں ہیں اسی کو سونپ دیں اور اللہ کے قضا و قدر پر تسلیم و ایمان کا اقرار کیا ہے تو وہ نجات پا گئے اور جنہوں نے اس کو باطل قرار دیا وہ ٹوٹے میں رہے۔

اور اُن کا یہ کہنا کہ جب اللہ تعالیٰ شر سے ناراض ہے۔ تو اُسے کیوں اس نے پیدا کیا اور کیونکر اس کا ارادہ کیا ؟ یہ اعتراض نہایت بیہودہ اور بعید سفیہانہ ہے اس لیے کہ بندہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنے مالک سے اس کے اوامر و نواہی کے سبب دریافت کرنے لگ جائے۔ بلکہ اصل بندگی یہ ہے کہ اس کی ساری باتوں پر پختہ یقین رکھنے کے ساتھ اوامر پر نہایت مستعدی سے قائم رہ کر عمل درآمد کرتا رہے اور نواہی سے بچے اور سخت پرہیز کرتا رہے۔

اور درحقیقت اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو شر اس وقت شر اور بُرا ہے جب کہ

اس کا تعلق بندوں کے افعال سے ہو جاتا ہے لیکن اس تعلق کے قبل شر میں کوئی برائی نہیں۔ مثلاً بچھناک زہر قاتل ہے اور اس کا شر کھلا ہوا ہے لیکن اگر اس کی پیدائش پر نظر ڈالو تو اس میں کوئی شر نہیں۔ شر اور برائی جو اس سے نکلتی ہے وہ جب ہے کہ انسان اسے کھائے اور استعمال میں لائے لیکن جبتک کہ یہ جڑ زمین میں گڑی ہوئی ہے تو اس میں نہ کوئی شر ہے اور نہ کسی قسم کا ضرر۔

شاید تم کہہ دو کہ پھر اس کی پیدائش سے آخر کیا فائدہ برآمد ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں بہت فوائد ہیں۔ بعض بیماریوں کو اصلاح کے بعد نہایت فائدہ کرتا ہے اور بہت ممکن ہے کہ اس میں اور بھی فوائد ہوں جن کا اب تک تجربہ نہ ہوا ہو۔

پس جسطرح سے کہ بچھناک کی پیدائش کے بارے میں حق تعالیٰ پر اعتراض کرنا سفاہت اور حماقت ہے۔ بالکل اسی طرح کفر اور گناہ کی پیدائش میں نکتہ چینی نادانی اور جہالت ہے۔

اور دیکھو! سانپ کا زہر انسان کے لیے قاتل ہے لیکن خود ان سانپوں کے لیے سبب حیات ہے۔

ہوا انسان کے لیے سبب حیات ہے اور مچھلیوں کے لیے موجب ہلاک۔

اس کے بعد کوئی عاقل یہ نہیں کہہ سکتا کہ "اے پروردگار! تم نے ہوا کیوں پیدا کی۔ اس لیے کہ یہ ہوا تو مچھلیوں کے لیے ہلاکت کا سبب ہے؟"

اصل میں خالق سے یہ سوال نہیں کیا جا سکتا کہ تم نے یہ کام کیونکر کیا (اس لیے کہ وہ حکیم ہے) البتہ بندے موردِ سوال ہیں۔

اگر تم کہو کہ خیر! ہم نے تسلیم کیا کہ بچھناک اصلاح کے بعد فائدے دکھتا ہے اور سانپ کا زہر اگرچہ انسان کا قاتل ہے لیکن اسی سانپ کے لیے سبب حیات ہے۔ لیکن کفر و عصیان کا فائدہ پھر بھی سمجھ میں نہیں آتا۔

ہم کہیں گے کہ کفر و عصیان میں بھی بہت سے فوائد ہیں جن کو باری تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا لیکن باعتبار ظاہر جو ہماری سمجھ میں آ سکتے ہیں وہ گنائے

دیتے ہیں۔

(۱) ایک یہ ہے کہ کفر و عصیان اللہ کے حلم (بردباری) کی بڑائی کا (جو اعداء کے ساتھ ہے) پتہ دے کر سمجھ داروں کے لیے ایک درسِ عبرت کھول دیتے ہیں جس سے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس دنیا میں جب حق تعالیٰ کا حلم اپنے دشمنوں کے ساتھ اس حد تک ہے تو اپنے دوستوں اور خاص بندوں کے ساتھ آخرت میں کہاں تک ہو گا۔

(۲) دوسرا یہ ہے کہ مسلمانوں کا امتحان ہو جائے کہ وہ اس دنیا میں کفّار کی ثروت (آسودہ حالی) و نعمت اور مال و اولاد کو دیکھ کر کیا دل سے ان کے حال کی طرف مائل ہوتے ہیں؟ یا ثواب اُخروی کی خواہش میں جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مہیا کر رکھا ہے اور اپنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ کی زبانی اس کا وعدہ فرمایا ہے۔ دنیا کے چند روزہ مصائبؒ و تکالیف پر صبر و شکر کرتے ہیں۔ اور یہ ایسا فتنۂ عظیم ہے جس میں اکثر لوگ پھنسے ہوئے ہیں۔ حق تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ۔ (پ ۲۰ ع ۱۳)

"کیا لوگوں نے —— یہ خیال قائم کر لیا ہے کہ (محض) آمنّا کہنے کی وجہ سے چھوڑ دیئے جائیں گے اور وہ فتنہ میں مبتلا نہ کیے جائیں گے اور البتہ اس سے پہلے بھی ہم نے لوگوں کو فتنہ میں ڈالا۔ تاکہ اللہ تعالےٰ سچوں اور جھوٹوں کو جان لے۔"

(۳) تیسرا یہ کہ قیامت کے دن کفّار کو گنہگار مومنوں کے لیے فدیہ کر دیا جائے گا جیسا کہ احادیث میں وارد ہے اور یہ اللہ کا مومنین پر بڑا احسان ہے۔

(۴) چوتھا یہ کہ اس صورت سے مومنین کو امورِ آخرت کی طرف شوق اور رغبت دلائی گئی ہے اور ان کے جذبات و حسیات کو اس بات کی طرف برانگیختہ کیا اور ابھارا گیا ہے کہ دنیا کی نعمتیں اور سارے دنیاوی امور کفار و فساق کو سونپے گئے ہیں۔ تو جس

طرح سے کہ وہ کفار مشاغل دنیا میں منہمک اور محو ہیں اور اس معاملہ میں ہم (مومنین) ان کے ساتھ شریک نہیں۔ اس لیے مسلمانوں کی غیرت کا تقاضا یہ ہونا چاہیے اور ان کو سزاوار اور زیبا بھی یہ ہے کہ ہمہ تن امور آخرت میں مصروف اور منہمک ہوجائیں اور اس بات میں ان کو (کفار کو) اپنے ساتھ شریک نہ بنائیں۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ

اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ (جامع صغیر)

" دنیا مومن کے لیے جیل خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے ۔

(۵) پانچواں یہ کہ اسلام کا نور کفر و عصیان کی اندھیریوں کے مقابلہ میں اور زیادہ روشن ظاہر ہوجائے۔ اس لیے کہ سب چیزیں اپنی ضد ہی کے ساتھ مقابلہ کرنے سے جانی جاتی ہیں۔ اور مسلمان اس حقیقت کو جان کر شکر کو اپنے اوپر لازم کر رکھیں کہ ان کو حق سبحانہ وتعالےٰ نے کفر و سرکشی سے نجات دی اور اسلام و ایمان کی نعمت عطا کی۔ پس اگر کفر نہ پیدا کیا جاتا تو نہ اسلام کی قدر کو جانا جاسکتا اور نہ اس کا شکریہ ادا کیا جاسکتا۔

(۶) چھٹا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے غناء اور بے نیازی کا اظہار ہو کہ اس بے نیاز شہنشاہ کو مخلوق اور اس کے اعمال کی کوئی پرواہ نہیں۔ اس لیے کہ اگر اُسے بندوں کی اطاعت میں منفعت ہوتی اور کفر و معاصی میں مضرت تو ضرور وہ اپنے اکثر بندوں کو کفار نہ پیدا کرتا۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ (پ ۲۰ ۱۳۴)

" تحقیق اللہ کل مخلوقات سے غنی اور بے نیاز ہے۔"

(۷) ساتواں کفر کے پیدا کرنے سے یہ مقصد ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ انبیائے کرام کے دوستوں کو نعمتیں دے کر اور ان کے دشمنوں کو عذاب میں مبتلا کر کے انبیاء علیہم السلام کے بڑے مرتبے اور شرف کو ملائکہ اور باقی مخلوق پر ظاہر کرتا ہے۔ اور کیا اچھا کہا گیا ہے فارسی میں ؎

برائے دوستش جنت بنا دشمنش دوزخ ۔۔۔ خدائے او مقرر ساخت تا قدرو را دانی

کفر و عصیان میں اس کے علاوہ اور بھی منافع ہونگے جن کو ہم نہیں جانتے ۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (پ ۲۹ ع ۱۵)

"اللہ کے عساکرِ اسرار کو اللہ ہی جانتا ہے۔"

نوٹ: مسئلہ تقدیر کو "رسالۃ التنویر" کے نام سے آخر کتاب میں علیحدہ بیان کیا جائے گا

اور جب تمہیں کہا جائے کہ کہو اٰمَنْتُ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ (موت کے بعد دوبارہ بعث، زندہ ہونے پر ایمان لایا ہوں) تو اسی طرح بلا تردد اور بلا طلب دلیل صاف کہہ دو اور عقیدہ رکھو کہ موت کے بعد اٹھنا حق ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس بات پر ایمان لائے بغیر ایمان کامل نہیں۔

جاننا چاہیے کہ بعث بعد الموت کا مسئلہ ان مشہور مسائل میں سے ہے جو کفار اور مومنین کے درمیان مختلف فیہ ہیں۔ کفار پچھلے زمانے سے لے کر اب تک اس کا انکار کرتے چلے آئے ہیں۔ اس لیے کہ ان کی ناقص عقلیں عدم کے بعد وجود کا انکار کر دیتی ہیں۔ اور مسلمان بحمدہٖ تعالیٰ بعث بعد الموت کا بہ اتباع فرمودۂ الٰہی اعتراف کرتے ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

قَالَ مَنْ يُحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ○ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ○ (پ ۲۳ ع ۴)

"انسان کہتا ہے کہ ان ہڈیوں کو درآنحالیکہ وہ گل گئی ہوں کون زندہ کرے گا۔ کہہ دیجیے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہ وہی خدا اسے زندہ کر دے گا جس نے اسے پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر ایک چیز کی صنع کو جانتا ہے۔"

مسلمان کہتے ہیں کہ جس ذات کی یہ شان ہو کہ وہ پہلے پہل مخلوق کو عدم محض سے پیدا کر سکے وہ بطریق اولٰی اس بات پر قادر ہے کہ اسے دوبارہ پیدا کر دے۔

اگر بنا بر مذہب مادیین (نیچری یا دہریہ) یہ کہا جائے کہ ساری خلقت ابتداءً والدین کے نطفہ سے ہی پیدا ہوتی چلی آ رہی ہے۔ عدم محض سے پیدائش نہیں ہو سکتی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اچھا پھر تبلائیے کہ ہم سب کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کس نطفہ سے پیدا کیے گئے۔

اگر تم کہو مٹی سے۔ ہم کہیں گے ٹھیک ہے مُردوں کو بھی حق تعالیٰ مٹی سے اسی طرح پیدا کر دے گا۔

اچھا! ملائکہ، جن، اور عالم ارواح کس نطفے سے پیدا کیے گئے ہیں؟

اگر تم کہو گے کہ نور یا نار کے مادے سے۔ ہم جواب میں عرض کریں گے۔ صحیح فرمایا بالکل اسی طرح سے حق سبحانہ وتعالیٰ بلحاظ اعمال بعض مُردوں کو نور کے مادہ سے اور بعض کو آگ کے مادہ سے زندہ کرے گا۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ٥ (پ ۱ ع ۱۴)

"اللہ تعالیٰ ہر ایک شے پر قادر ہے"

مخلوقات کا بعث ان امور سے ہے جن کا خداوند تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے:

وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ (پ ۱ ع ۱۴)

"اور اللہ تعالیٰ ہرگز وعدہ خلافی نہیں کرتا۔"

اور بعث بعد الموت ان مسائل ضروریہ اسلامیہ سے ہے جس کا قرآن شاہد ہے اور جس کے بارے میں احادیث صحیحہ تواتر کی حد کو پہنچ چکی ہیں۔ اس لیے اس کا منکر اسلام کے دائرے سے خارج ہے۔ اس وجہ سے تمہیں چاہیے کہ ارشاد الٰہی اور فرمان مصطفوی کے اتباع میں نجات طلب کرو اور عقل افلاطونی کو چھوڑ دو کہ یہ تمہیں بھی ایسا ہی ہلاک کرے گی جیسا کہ خود اُسے ہلاک کیا تھا۔

فصل

ان امور میں سے جو تمہیں عذاب آخرت سے نجات دے سکتے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آل اور اصحاب کے شرف اور بزرگی کا پختہ اعتقاد رکھو اور ان کی محبت کی وجہ سے لازم جانو اس لیے کہ حضور اکرمؐ نے اپنی امت کو اپنی پاک وپسندیدہ آل اور پرہیزگار و برگزیدہ اصحاب کی محبت کے لیے نہایت شوق دلایا ہے اور برانگیختہ کیا ہے۔

ان کے شرف اور حقوقِ عظیمہ کے بارے میں نصوص قرآنیہ اور صحیح احادیث نبویہ اس کثرت سے وارد ہیں جن کا بیان نہیں کیا جا سکتا۔ گویا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علم الٰہی سے جان لیا تھا کہ امت کا ایک حصہ ان دونوں برگزیدہ جماعتوں میں سے ایک کے ساتھ بغض رکھے گا۔ جس کی بنا پر آپ نے اس قدر ترغیب فرمائی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایک فرقہ ایسا ہے، جو آل سے تو محبت کرتے ہیں۔ لیکن اصحاب کے ساتھ سخت بغض رکھتے ہیں۔ اور ان کی شان کو کم کر دیتے ہیں۔ اس گروہ نے اپنا نام شیعۂ علی (یعنی طرفدارانِ علیؓ) رکھ لیا ہے اور یہی روافض ہیں۔ یہ لوگ اصحابِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں اور ان پر بہت سی ایسی باتوں کی تہمت لگاتے ہیں۔ جن سے وہ فی الحقیقہ بری ہیں۔

ہم اہل سنت وجماعت ان کی براءت اور حسن عاقبت پر دو عادل گواہ پیش کر سکتے ہیں یعنی اللہ اور اللہ کا رسولؐ۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ (پ ۲۶ ع ۱۲)

"محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کفار کے حق میں سخت اور آپس میں نرم دل ہیں (اے مخاطب) تو ان کو رکوع اور سجدہ کی حالت میں ہی دیکھتا ہے۔ وہ اللہ کا فضل اور خوشنودی طلب کرتے ہیں۔ سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں پر نشانیاں ہیں۔"

اور ارشاد ہے کہ:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ۔ (پ ۲۶ ع ۱۱)

" تحقیق اللہ مسلمانوں سے راضی ہوا جبکہ وہ تم سے درخت کے تلے بیعت کر

رہے تھے۔ پس اس نے جو اُن کے دلوں میں ہے جان لیا۔ پھر ان پر اطمینان نازل فرمایا۔"

اور ارشاد ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ ط (پ ۱۱ ع ۲)

"اور پہلے پہل سبقت کرنے والے مہاجرین اور انصار اور جنہوں نے ان کی اخلاص کے ساتھ پیروی کی، اللہ ان سب سے راضی ہے اور وہ سب اللہ سے خوش اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے تلے نہریں بہتی ہیں۔"

جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی، مہاجرین، انصار اور ان کے باخلاص متبعین کے لیے ظاہر فرمائی ہے تو اس آیت نے اس بات پر صاف دلالت کی کہ اللہ کی خوشنودی صرف ان کے لیے ہے اور ان کے لیے ہے جو ان کے بعد بھلائی اور محبت کے ساتھ ان کے تابع ہوئے۔

لیکن وہ لوگ جو ان کے بعد ان کے ساتھ بغض اور ناشکری سے پیش آئے تو وہ کبھی اللہ کی خوشنودی کے مستحق نہیں ہو سکتے۔

ہمیں اللہ کی خوشنودی کافی ہے اعداءِ الٰہی کے غصہ کی ہمیں کوئی پرواہ نہیں۔

اور ارشادِ الٰہی ہے کہ:

"لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی ط (پ ۲۷ ع ۱۷)

"تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے فتح (مکہ) کے بعد خرچ اور قتال کیا ہے ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح کے پہلے خرچ اور قتال کیا ہے۔

یہ لوگ ازروئے درجہ و اجر بہت بڑے ہیں اور اللہ نے سب سے نیک وعدہ

کیا ہے۔"

انصاف کی نظر سے "وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى" کے جملہ کی طرف دیکھنا چاہیے۔ اس لیے کہ "حسنیٰ" باتفاقِ مفسرین "جنّت" ہے۔ اور "کلًّا" (سب) کا لفظ نہایت بلند آہنگی سے پکار کر کہتا ہے کہ "صحابہ رضی اللہ عنہم سب کے سب اہلِ جنّت سے ہیں۔"

اس آیت کریمہ سے وہ شبہ بھی دفع ہو جاتا ہے جس کو شیطان نے اپنے دوستوں کے دلوں میں آراستہ کر دکھایا ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم (اللہ تعالیٰ ان کی محبت پر ہمیں زندہ رکھے اور قیامت کے دن ان کی جماعت میں اٹھائے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سوا ایک چھوٹی جماعت کے جو کُل کے کُل شمار میں سات ہیں سب کے سب اسلام کے راستہ سے منحرف ہو گئے اور ایمان لانے کے بعد مرتد ہو گئے (معاذ اللہ) اس لیے کہ جن لوگوں کا مآل (انجام) ربّ العٰلمین کی شہادت سے جنّت قرار پائے تو ایک مسلمان یہ گمان کیونکر کر سکتا ہے کہ وہ عیاذاً باللہ مرتد ہو کر مریں۔

اور "وعد اللہ" کے لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اصحاب کو یہ بشارت وعدہ ہائے الٰہی سے ہے اور خود اللہ کا ارشاد ہے کہ:

وَعْدَ اللّٰهِ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ - (پ ۲۱ ع ۴)

"اللہ اپنے وعدوں کا خلاف نہیں کرتا۔"

اور باری تعالےٰ کا ارشاد ہے :-

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ

رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (پ ۲۸ ع ۴)

" (مالِ فے وغنیمت) ان محتاج مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکالے گئے ہیں جو اللہ کے فضل و رضا مندی کے طلبگار ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے ہیں۔ (اور نیز مالِ غنیمت) اُن کے لیے ہے جنھوں نے (مہاجرین کے آنے سے پہلے) مدینہ میں اور ایمان میں قرار پکڑا دوست رکھتے ہیں اس کو جو ان کی طرف ہجرت کرتا ہے اور نہیں پاتے اپنے دلوں میں کوئی غرض (یا کوئی خلش) اس شئی کی طرف جو مہاجرین کو دے دی جائے اور ان کو اپنی جانوں پر مقدم رکھتے ہیں۔ اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو۔ اور جو بچاتا ہے اپنے نفس کو بخل (یا حرص) سے تو وہی لوگ کامیاب اور فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو لوگ ان کے بعد آئے کہتے ہیں کہ اے رب ہمارے کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمان لانے والوں کی بابت ہمارے دلوں میں کینہ نہ ڈال۔ اے ہمارے رب تو بڑا شفیق و مہربان ہے۔"

حق تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کو تین فرقوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک فرقہ ان مہاجرین کا ہے جو اپنے وطن اور مال سے محض اس لیے نکالے گئے کہ وہ اللہ کے فضل و رضا مندی کے طلب گار تھے اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی مدد کے خواہاں۔ پس اللہ سبحانہ وتعالےٰ نے اس گروہ کا وصف اس طرح بیان فرمایا کہ یہ لوگ اپنے قول و فعل میں صادق ہیں اور انہیں کی طرف اس آیت پاک میں اشارہ ہے کہ:

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ (پ ۵ ع ۶)

" جو اللہ اور رسول کا کہا مانتے ہیں تو وہ ان کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء، صدیقین، شہدا اور صلحاء۔

تو ان کا درجہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے بعد ہی ہے۔

دوسرا فرقہ انصار کا ہے جنھوں نے مہاجرین کے آنے سے پہلے مدینہ میں قرار پکڑا

اور ایمان کو اپنے دل میں جگہ دی۔ اللہ نے ان کا وصف اس طرح بیان فرمایا کہ یہ گروہ مہاجرین سے محبت رکھتے ہیں۔

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ (پ ۲۸ ع ۴)

"اور ان کو اپنی جانوں پر مقدم سمجھتے ہیں۔ اگرچہ خود فقر و فاقہ میں ہی ہوں۔"

اللہ نے ان کو اپنے نفسوں کے حرص و بخل سے بچا لیا اور وہی لوگ کامیاب ہوئے جن کی طرف آیت مذکورہ میں "شہدا" کے لفظ سے اشارہ ہے اور ان کا درجہ صدیقین کے درجہ کے بعد ہے۔

تیسرا فرقہ ایسا ہے جو مہاجرین اور انصار میں سے نہیں ہے اور اُن دونوں جماعتوں کے بعد آیا ہے۔ جن کے لیے "حسنیٰ" (جنت) اور بلند مراتب نے آخرت میں سبقت کی ہے۔ لیکن یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں:۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ (پ ۲۸ ع ۴)

"اے ہمارے رب! ہم کو اور ان کو جنہوں نے ایمان میں ہم سے سبقت کی ہے بخش دے۔"

یہ جماعت اپنے لیے اور اپنے ان بھائیوں کے لیے جو ان سے پہلے ایمان لا چکے ہیں مغفرت طلب کرتے ہیں اور کہتے ہیں: "اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں میں مومنین کے لیے کینہ نہ ڈال۔"

پس اسی وجہ سے کہ یہ لوگ صالحین اوّلین سے محبت رکھتے ہیں اور ان کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں دعائیں مانگتے ہیں کہ "اے اللہ ہمارے قلوب میں ان کے بغض، کینہ، اور عداوت کو جگہ نہ دے" تو ان کا حق تعالیٰ نے یوں وصف کیا ہے کہ "اللہ ان پر رحیم اور نہایت مہربان ہے۔" اور انہیں کی طرف آیت مبارکہ میں صالحین کے لفظ سے اشارہ فرمایا ہے۔ ان کا درجہ شہداء کے درجہ کے بعد ہے۔

پس مہاجرین اوّلین اتنے بلند مراتب سے اسی وجہ سے ممتاز ہوئے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں مٹے ہوئے تھے اور انصار درجاتِ عالیہ سے جبھی سرفراز ہوئے کہ حضورِ اکرم اور مہاجرین کی محبت سے سرشار تھے۔ اور باقی اُمّتِ مرحومہ حق سبحانہ و تعالیٰ

کی رافت و رحمت کی اسی وقت مستحق ہوئی جبکہ ان سب کی محبت کو انہوں نے حرزِ جاں بنایا۔ اس لیے وارد ہے کہ:

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (ترمذی شریف)

"آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ وہ محبت رکھتا ہوگا۔"

لیکن وہ لوگ جو کہ نہ مہاجرین میں سے ہیں نہ انصار میں سے اور نہ ان لوگوں میں سے جو صحابۂ کرامؓ سے محبت رکھتے ہیں اور ان کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں بلکہ ایسے لوگ ہوں جنھوں نے کینہ، بغض اور عداوت کو اپنا دین اور طریقہ بنالیا ہو اور لعن و طعنِ اولیاء اللہ اور اصحاب رسول اللہ کو اپنی عادت و عبادت سمجھتے ہوں۔ پس تم ان کے بارے میں کیا خیال کرتے ہو؟ کیا آخرت میں ان کا کوئی حصہ ہو سکتا ہے؟ یا وہ دوزخ سے چھٹکارا پا سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں!!

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ۔ (پ ۳۰ ع ۸)

"بیشک وہ اپنے رب (کے دیدار) سے اس دن آڑ..... میں (یعنے محروم) ہوں گے۔ پھر وہ ضرور دوزخ میں داخل ہوں گے۔ پھر (ان کو) کہا جائے گا کہ یہی تو ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے۔"

دوسرے گواہ ان کی برأت اور بہتری عاقبت پر حضور اکرمؐ ہیں۔ حضورؐ کا ارشاد ہے:- اِنَّ اللّٰهَ اِخْتَارَنِيْ وَاخْتَارَلِيْ اَصْحَابًا فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ

"اللہ پاک نے پہلے مجھے منتخب فرمایا۔ اور میرے لیے میرے اصحاب منتخب فرمائے پس جو شخص ان سے محبت رکھتا ہے تو میری ہی محبت کی وجہ سے، اور جو اُن سے بغض رکھتا ہے وہ میرے ہی بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھتا ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کے بغض کو اپنے نفس کا بغض گردانا ہے اور تم خود ہی انصاف کرو کہ جو (بدبخت) حضورؐ سے بغض رکھے تو اسے کس طرح زیبا دعا تم

ہوسکتا ہے کہ وہ اسلام کا دعویٰ کرے۔

اور حضور اکرمؐ فرماتے ہیں کہ:

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمُ اهْتَدَیْتُمْ۔ (مشکوٰۃ شریف)

”میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں جس کی بھی تم پیروی کروگے ہدایت یاب ہوگے۔“

اور فرماتے ہیں:

اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِّنْ بَعْدِیْ فَلَوْ اَنْفَقَ اَحَدُکُمْ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِیْفَهٗ۔ (مشکوٰۃ شریف)

”ڈرو اللہ سے۔ ڈرو اللہ سے میرے اصحاب کے بارہ میں۔ تم ان کو اپنے اغراض کا آماجگاہ نہ بناؤ۔ اور اگر تم میں سے کوئی اُحد (پہاڑ) کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کردے تو بھی ان کے (صحابہ کے) ایک چھوٹے پیمانے بلکہ اس کے آدھے کے بھی برابری نہیں کرسکتا۔“

پس جبکہ ان کے آپس کی ”شفقت و رحمت“، ”اللہ کی ان سے رضامندی و خوشنودی“ .... ان پر ”سکینہ (اطمینان) کا نازل کرنا“ ان سے ”حسنیٰ یعنی جنت کا وعدہ کرنا یہاں تک کہ جو ان کی پیروی کرے وہ بھی اللہ کی رضامندی کو پائے۔ یہ سب باتیں جداگانہ قرآن مجید سے ثابت ہوں۔ اور حضورؐ اکرم نے اپنی اُمت کو ان کی شان میں خوض کرنے (دخل دینے سے) نہایت سختی سے روکا ہو۔ ان کی خیرات کو دوسروں کی خیرات سے ”چاہے وہ اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو“ بڑھ کر فرمایا ہو۔ ان کی محبت کو اپنی محبت اور ان کے بغض کو اپنا بغض گردانتا ہو۔ ان کو اُمت کے لیے ستارے قرار دیا ہو (کہ ان کی پیروی سے منزل مقصود کو پہنچیں) پس اے منصف! اس گروہ کے بارہ میں تیرا کیا خیال ہے جو ان کا منکر ہے اور اُن سے بغض رکھتا ہے اور ان کو گالیاں دیتا ہے بلکہ ان کے لعن و طعن اور سب وشتم و تبریٰ کو اس نے رات دن کا وظیفہ بنالیا ہے؟

قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ۔ ”مارے ان کو اللہ تعالیٰ کہاں جاگرے ہیں۔“

دوسرا ایک فرقہ ایسا ہے جو حضور اکرمؐ کی آل اطہار اور ذُریت مطہرہ سے بغض و عناد رکھتے ہیں اور یہ وہی ہیں جن کو خوارج اور نواصب کہا جاتا ہے۔

حالانکہ حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ:

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (پ۲۵ ع۴)

"کہہ دیجئے آپ کہ میں تم سے (کفار سے) تبلیغ رسالت پر کوئی اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی مودت (مانگتا ہوں)"۔

پس جبکہ عزیزوں اور قریبوں کی دوستی اور مودت کفار سے بھی مطلوب تھی تو کیا ایک پکے مومن اور متقی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کی مودت لائق و لازم نہیں؟

اور حضورؐ فرماتے ہیں کہ:

وَاللّٰهِ لَا يَدْخُلُ قَلْبَ رَجُلٍ الْاِيْمَانُ حَتّٰى يُحِبَّهُمْ لِلّٰهِ وَ لِقَرَابَتِهِمْ مِنِّيْ۔ (صواعق محرقہ)

"قسم ہے اللہ کی! کسی آدمی کے دل میں ایمان داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اہلبیت سے اللہ کی وجہ سے، اور میری قرابت کی وجہ سے محبت نہ رکھے"۔

اور حضورؐ نے حضرت حسنؓ کے بارہ میں فرمایا ہے کہ:۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُحِبُّهٗ فَاَحِبَّهٗ وَاَحِبَّ مَنْ يُّحِبُّهٗ

"اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ تو بھی اسے دوست رکھ۔ اور دوست رکھ اُسے جو اس سے محبت رکھتا ہے"۔ (مشکوٰۃ)

راوی کہتا ہے کہ یہ کہہ کر حضورؐ نے حضرت حسنؓ کو اپنے سینہ مبارک سے چمٹا لیا۔

اور حضورؐ فرماتے ہیں کہ:

مَنْ اَحَبَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ فَقَدْ اَحَبَّنِيْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمَا فَقَدْ اَبْغَضَنِيْ۔ (صواعق محرقہ)

"جس نے حسن اور حسین سے محبت رکھی بتحقیق اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا پس تحقیق اس نے مجھ سے بغض رکھا"۔

اور فرماتے ہیں:۔

حُسَیْنٌ مِّنِّیْ وَاَنَا مِنْ حُسَیْنٍ اَحَبَّ اللّٰہُ مَنْ اَحَبَّ حُسَیْنًا حُسَیْنٌ سِبْطٌ مِّنَ الْاَسْبَاطِ (مشکوٰۃ)

حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ دوست رکھے اس کو اللہ جو دوست رکھتا ہے حسین کو اور حسین فرزند ہے (میرے) فرزندوں میں سے"

اور حضورؐ فرماتے ہیں کہ:

اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ اَلْقُرْاٰنَ حَبْلُ اللّٰہِ مَمْدُوْدٌ مِّنَ السَّمَاءِ اِلَی الْاَرْضِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلُ بَیْتِیْ وَلَنْ یَّتَفَرَّقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ (مشکوٰۃ مختصراً)

"میں تم میں اے جن وانس دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ ایک قرآن جو اللہ کی رسی ہے وہ آسمان سے زمین تک کھنچی ہوئی ہے۔ دوسری اپنی اولاد یعنی اہل بیت کو اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ حوض (کوثر) پر وارد ہو جائیں"

پس جس طرح کہ قرآن کی محبت ایمان کے ترازو کا ایک پلہ ہے۔ اسی طرح اہل بیت کی محبت اس کا دوسرا پلہ ہے اور ایمان کا ترازو ان دونوں پلوں کی برابری کے بغیر ہرگز قائم نہیں رہ سکتا۔ اور حضورؐ نے فرمایا ہے کہ:۔

مَثَلُ اَھْلِ بَیْتِیْ کَسَفِیْنَۃِ نُوْحٍ مَنْ رَکِبَھَا نَجٰی وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا غَرَقَ (جامع صغیر)

"میری اہل بیت نوحؑ کی ناؤ کی طرح ہے جو اس پر سوار ہوا نجات پا گیا اور جس نے تخلف کیا وہ غرق ہوا۔"

تنبیہِ حسن: حضورؐ نے اپنے اصحاب کرام کو ستاروں سے تشبیہ دی ہے اور اہل بیت طاہرہ کو حضرت نوحؑ کی کشتی کے مانند قرار دیا ہے۔ اس میں یہ نکتہ ہے کہ کشتی ساحل مقصود کو جبھی پہنچ سکتی ہے کہ ستاروں سے ہدایت یاب ہو۔

گویا کہ حضورؐ نے نورِ نبوت سے جان لیا تھا کہ اُمت میں سے ایک قوم ایسی پیدا ہوگی جو اہل بیت کی محبت کا دعوے کرتی ہوگی۔ لیکن اصحاب سے بغض ان کا شیوہ ہوگا۔ اس لیے حضورؐ نے فرمایا کہ جو "محبت اہل بیت" کی کشتی میں سوار ہونا چاہتا ہے۔ اس پر پہلے لازم ہے کہ "ہدایت اصحاب" کے ستاروں کی رہنمائی حاصل کرے تاکہ اس کے ایمان کی کشتی ساحلِ نجات پر جا پہنچے اور درجات عالیہ کے کنارے جا لگے۔

اور جس نے ستاروں سے ہدایت یابی کو چھوڑ دیا۔ تو اس کی کشتی ڈوبنے اور ہلاکت کو جانا ہی ہے۔ اس لیے کہ اس سمندر کی موجیں بڑی ہی ہلاکت آفرین و مصائب آگین ہیں جن سے بہت ہی کم مسافر بچ کر نکلتے ہیں۔

"**معذرۃ**": آلِ اطہر کے فضائل کے بارہ میں ہم نے جو اختصار برتا ہے یہ اس وجہ سے نہیں کہ اہل سنت کو ان سے محبت کم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم ان کی محبت کو ایمان کا ایک جزو جانتے ہیں۔ جس طرح سے کہ اصحاب کی محبت کو دوسرا جزو سمجھتے ہیں اور ہمارے اعتقاد کا ترازو بحمدہٖ تعالیٰ آل و اصحاب دونوں کی محبت سے قائم و برابر ہے۔ اس قدر کہ کوئی ایک پلہ بھی جھکا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ اصل سبب اس کا یہ ہے کہ اس بیان کی ضرورت کم ہے۔ اس لیے کہ جو لوگ آلِ اطہر سے بغض رکھتے ہیں۔

اَحْیَانَا اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی مَحَبَّتِہِمْ وَ اَمَاتَنَا عَلٰی مَحَبَّتِہِمْ وَحَشَرَنَا فِیْ زُمْرَتِہِمْ

"(حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہمیں اہل بیت کی محبت پر زندہ رکھے اور انہیں کی محبت پر مارے اور انہیں کی جماعت میں ہمارا حشر ہو۔")

اُن خوارج کو حق تعالیٰ نے بفضلہ روئے زمین سے ہلاک کر کے اٹھا دیا ہے۔ صرف ایک تھوڑی سی جماعت اطراف یمن اور بحر فارس کے کناروں میں باقی ہے۔ برخلاف اس کے وہ لوگ جو اصحاب سے بغض رکھتے ہیں کل روئے زمین پر مشرق سے لے کر مغرب تک پھیلے ہوئے ہیں اور اپنے اس خاص نفاق کی وجہ سے جس کو وہ لوگ "تقیہ" کہتے ہیں۔ اہل السنۃ والجماعت سے مل گئے ہیں اور مختلط ہوگئے ہیں اور تقیہ ان کے

اصول مذہب میں سے ہے۔ در اصل یہی ان کے بکھر جانے اور انتشار کا قوی سبب ہے۔ اللہ انہیں ہدایت دے! اے میرے بھائی! خدا تمہیں ہدایت کی توفیق دے! جاننا چاہیے کہ آل و اصحاب سے بدگمان ہونا (اللہ ہمیں اس سے بچائے) خود حضور اکرمؐ سے بدگمانی ہے۔ اور اُن کی تنقیص خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص ہے (پناہ بخدا) یہ اس وجہ سے کہ جو شخص اپنے ایسے محبوب ترین آل و اصحاب کو (جو اسے سب لوگوں سے زیادہ پسندیدہ ہوں...... اور آپ کی موافقت اور اتباع کمال کے ساتھ موصوف ہوں ...... اور آپ کی محبت اور رضا مندی میں اپنی جانیں، اموال، اور اولاد بیدریغ خرچ کرتے ہوں) اللہ کے عذاب سے نجات دلانے پر قادر نہ ہو تو بھلا وہ اپنی امت کے تمام افراد اور تمامی مخلوق کی نجات دہی پر کیسے قدرت رکھ سکتا ہے؟ باوصف اس کے کہ وہ مخالفت اور بدعت میں کمال رکھتے ہوں۔

اس کے علاوہ حضورؐ نے آل و اصحابؓ کو بہشت بریں کی بشارت دی ہے۔ جو احادیث صحیحہ مشہورہ سے ثابت ہے جنکی مجموعی حیثیت حد تواتر کے لگ بھگ ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ "ابوبکرؓ جنت میں ہوں گے اور عمرؓ جنت میں ہوں گے یہاں تک کہ عشرہ مبشرہ پورے گن دیئے۔" (اللہ ان سب سے راضی ہو)

اَبُوْبَکْرٍ فِی الْجَنَّۃِ وَعُمَرُ فِی الْجَنَّۃِ اِلٰی اَنْ عَدَّ الْعَشَرَۃَ الْمُبَشَّرَۃَ رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ۔ (مشکوٰۃ مختصراً)

اس بارہ میں احادیث اس قدر کثرت سے وارد ہیں کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔ اور فرمایا کہ:

اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ وَاُمُّھُمَا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا وَعَنْھَا سَیِّدَۃُ نِسَآءِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ۔ (مشکوٰۃ مختصراً)

"حسن و حسین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں اور ان کی ماں جنت کی عورتوں کی سیدہ ہیں۔"

اس لیے کہ آل و اصحاب نے اپنی جانیں، اپنے مال اور وطن، اپنے اہل و اقارب

اپنے مددگار رب کے سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، مدد اور خدمت میں صرف کر دیئے تھے۔

پس جبکہ روافض کے خیال پر اصحاب عذاب الٰہی سے نجات یاب نہ ہوئے اور جبکہ خوارج کے گمان پر آل اطہر نے چھٹکارا نہ پایا تو پھر تمہیں سوچو کہ عوام امت جو بعد میں آئے اور جنہوں نے شریعت مطہرہ اور طریقہ پسندیدہ و نجات دہندہ کی مخالفت کی...... ان کا کیا حشر ہوگا۔

اگر کہو کہ یہ سب دوزخی ہیں "پناہ خدا"! تو پھر بنی ہاشم جو ساری مخلوق سے علی الاطلاق بہتر و برگزیدہ ہے اس کے بھیجنے سے کیا فائدہ ہوا۔

تعجب ہے! سارے انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں میں سے جتنوں کو خدا چاہے نجات دے دیں...... اور ہمارے نبی و مولا صلے اللہ علیہ وسلم اپنی محبوب ترین ہستیوں کو بھی عذاب الٰہی سے نہ بچا سکیں؟ تو حضور کے تقرب الی اللہ، بہتری و شرف کے آخر کیا معنی ہوئے۔

اور سنیئے! حق تعالیٰ حضور کی امت کو فرماتا ہے کہ:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (پ ۴ ع ۲)

"ان امتوں میں جو لوگوں کے لیے پیدا ہوئیں تم بہتر ہو۔"

اگر دوزخ میں جانا ہے اور خاتمہ بالخیر کی کوئی صورت نہیں تو پھر یہ اچھی بہتری ہوئی۔ (اللہ ہمیں اپنے فضل سے اس سے بچائے رکھے) اس کے علاوہ اس عقیدہ رکھنے سے حضور اکرم کو صاف صاف جھٹلایا جاتا ہے۔ اس لیے کہ حضور تو آل و اصحاب کے لیے یہ خبر دیں کہ وہ جنت میں داخل ہوں گے اور ہمیشہ وہیں رہیں گے اور وہ روافض و خوارج یہ اعتقاد رکھیں کہ وہ دوزخ میں داخل ہوں گے اور ہمیشہ دوزخی رہیں گے۔

سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔ (پ ۱۸ ع ۸)

"پاک ہے اے رب تجھے! یہ تو بڑا بھاری بہتان ہے۔"

فصل

ان چیزوں میں سے جو عذاب الہٰی سے نجات دلا سکتی ہیں ایک یہ ہے کہ ادلۂ اربعہ (جو قطعی اور یقینی ہیں) کی صحت پر پختہ اعتقاد رکھو، اور وہ چار یہ ہیں:

(۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسولؐ (۳) اجماع (۴) قیاس

کتاب سے مراد خداوند غالب و حکیم کی کتاب یعنی قرآن مجید ہے۔ اور سنت سے احادیث صحیحہ نبویہ (ان کے کہنے والے پر صلوٰۃ وسلام ہو) مراد ہیں۔ اور اجماع سے مراد اکثر امت کا وہ اتفاق ہے جو کتاب اور سنت کے مخالف نہ ہو (اور فی الحقیقت امت کا اکثر حصہ کتاب و سنت کا نہ کبھی مخالف ہوا ہے اور نہ کبھی ہو سکتا ہے! اس لیے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ:

لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃِ (مشکوٰۃ)

"میری امت گمراہی پر مجتمع نہ ہوگی۔"

اور قیاس سے مجتہدین کا کتاب، سنت اور اکثر یا کل صحابہ کے اجماع سے یا ان صحابہ سے جن کی دلیل زیادہ قوی ہو، استنباط اور اخذ مراد ہے۔

اور مجتہدین چار امام ہیں جن کے چار مذہب مشہور ہیں (اللہ ان سے راضی ہو) اور اس بات کی دلیل کہ مذہب چار میں کیوں منحصر ہیں اور ان مشہور ائمہ پر اجتہاد مطلق کی کیونکر تخصیص ہے۔ یہ سارے دلائل بڑی کتابوں میں مذکور ہیں۔ یہ جگہ ان کی تفصیل کی نہیں۔

نیچریہ ایک قوم ایسی ہے کہ انہوں نے ان سب دلیلوں کا انکار کیا ہے اور انہوں نے اپنا مذہب طبیعت کی اصلاح اور رعایت پر بنایا ہے۔ چاہے وہ امور شرعیہ میں ہو یا غیر شرعیہ میں۔ اگر طبیعت نماز کی خواہش کرے گی تو نماز پڑھیں گے اور اگر شرابنوشی کی آرزو کرے گی تو شراب پئیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔

وہ خداوند تعالیٰ اور ملائکہ اور جنّوں کا انکار کرتے ہیں اور جہان کے ازلی و ابدی ہونے

پر یقین رکھتے ہیں۔ اور حشر و نشر، حساب، میزان، صراط، جنت اور دوزخ کے منکر ہیں۔ ابتداء میں انہیں دہریہ کہا جاتا تھا۔ اس لیے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمیں دہر (زمانہ) ہی ہلاک کرتا ہے نہ کوئی اور۔ اور اب انہیں نیچری کہا جاتا ہے۔ اس مصیبت میں آج کل بہت سے سمجھ دار، امیر، حکام، اور معززین باوصف اسلام کے دعویٰ کے مبتلا ہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

اہلِ قرآن اور ایک قوم نے قرآن کا تو اقرار کر لیا کہ یہ کلام الٰہی ہے۔ لیکن احادیث، اجماع اور قیاس کے منکر بنے۔ انہوں نے اپنا نام اہلِ قرآن رکھا ہے۔ جو آج کل اطراف ہند میں پیدا ہوئے ہیں۔ اللہ ان کو رسوا کرے اور ان کی گردنوں میں ٹھوڑیوں تک طوق (طوق ملامت) ڈال دے۔

یہ لوگ اتنا نہیں جانتے کہ شریعت اسلامیہ کا قرآن مجید اجمال ہے اور احادیث نبی کریمؐ اس کی تفصیل ہیں اور شریعت بغیر تفصیل کے تام نہیں ہو سکتی مثلاً اللہ تعالیٰ نے کلام مجید میں نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا امر فرمایا ہے لیکن یہ بیان نہ فرمایا کہ نماز کس طرح اور کتنی رکعتیں ہر وقت میں پڑھی جائیں۔

اور یہ بھی نہیں فرمایا کہ زکوٰۃ کس طرح اور [illegible] دی جائے اور نقود اور چوپایوں کا کیا نصاب ہے۔ یہ سار[illegible] ہیں احادیث نبی اکرمؐ نے تفصیل سے بیان فرما دی ہیں جن کو ہم قرآن پاک سے نہ جان سکتے تھے۔

اگر یہ احادیث نہ ہوتیں تو البتہ لوگ سخت پریشانی اور مصیبت میں پڑ جاتے۔

اور اللہ تعالیٰ کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (پ ۲۸ ع ۴)

"جو تمہارے پاس رسول لائے اس کو لو (اس پر عمل کرو) اور جن چیزوں سے منع کرے اُن سے رک جاؤ۔"

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (پ ۵ ع ۸)

"جس نے رسولؐ کی اطاعت کی پس بہ تحقیق اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی ہے۔"

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کو یکساں نہیں سمجھتا۔ حق تعالیٰ اس کے حق میں فرمایا:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ (پ ۶ ع ۱)

"بیشک وہ لوگ جو انکار کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کا اور چاہتے ہیں کہ فرق نکالیں اللہ اور اس کے رسولوں میں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور وہ چاہتے ہیں کہ نکالیں کفر و ایمان کے بیچ بیچ ایک راہ ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں اور ہم نے تیار کر رکھا ہے۔ کافروں کے لیے ذلت کا عذاب۔

ایک منصف کو ان رسوا لوگوں کے لیے یہی آیت کافی ہے۔

رافضیہ، خارجیہ، اور معتزلہ وغیرہ اور ایک قوم کتاب اور سنت کا اقرار کرتی ہے لیکن صحابہ اور تابعین اور امت کے اجماع کی منکر ہے۔ یہ لوگ قرآن و حدیث کی اپنے خیالات فاسدہ سے تاویلیں کرتے ہیں اور ان مومنین مقبولین کے راستہ پر نہیں چلتے جن کا حق تعالیٰ نے اپنی کتاب مبین میں ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہے کہ:

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا۔ (پ ۵ ع ۱۴)

"جو چلے گا مسلمانوں کے راستہ کے سوا (دوسرا راستہ) چلاتے رہیں گے۔ ہم اُسے اُسی راستہ پر جس پر وہ چلا اور اس کو دوزخ میں جھونک دیں گے اور وہ بُری جگہ ہے۔"

اور اُن کی یہ جماعتیں ہیں، رافضیہ، خارجیہ، معتزلہ، قدریہ، جبریہ وغیرہم وہ گمراہ فرقے جن کو حضور اکرم نے اپنے قول مبارک میں یوں ذکر فرمایا ہے کہ:

سَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلَاثٍ وَّسَبْعِیْنَ فِرْقَةً کُلُّهُمْ فِی النَّارِ اِلَّا وَاحِدَةً الحدیث۔ (مشکوٰۃ باب الاعتصام)

"میری امت تہتر (۷۳) فرقے ہو گی وہ سب دوزخی ہوں گے مگر ایک فرقہ۔"

اور انہوں نے نہ جانا کہ شریعت مطہرہ کے بہت سے احکام اجمال ہی پر باقی تھے۔ یہاں تک کہ صحابہؓ اور تابعین کے زمانہ میں ان کی وضاحت اور تفصیل ہوئی۔

حضورؐ سے حدیث صحیح میں ثابت ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ مِنْ بَعْدِیْ وَقَالَ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ۔ (مشکوٰۃ باب الاعتصام و باب المناقب، مختصراً)

"تم اپنے اوپر میری سنت (طریقہ) کو لازم رکھو اور ان خلفاء کی سنت کو جو میرے بعد فیض رساں اور ہدایت یاب ہیں۔" اور فرمایا۔ "میرے اصحابؓ ستاروں کی طرح ہیں جس کی ان میں سے پیروی کرو گے ہدایت یاب ہو گے۔"

پس اگر شرع شریف میں صحابہؓ کے دور تک اجمال نہ ہوتا۔ تو البتہ شارع علیہ السلام خلفائے راشدین اور باقی اصحاب کی سنت کی پیروی کا امر نہ فرماتے۔

اور ایک قوم نے کتاب اور سنت اور اجماع صحابہؓ اور تابعین کا اقرار کیا لیکن قیاس مجتہدین کے منکر ہوئے اور اس زمانے میں یہ لوگ ہندوستان میں اہلحدیث کہلاتے ہیں جو وہابیہ کے ساتھ زیادہ مشہور ہیں۔

اور وہابی کی نسبت محمد بن عبدالوہاب نجدی کی طرف ہے جس کو خداوند تعالےٰ نے علم کی بنا پر گمراہ کر دیا تھا۔

یہ شخص ۱۲۲۰ھ (بارہ سو بیس) ہجری میں ظاہر ہوا اور حرمین شریفین پر چڑھائی کر کے متغلب ہوا۔

اس نے اس لڑائی میں علمائے کرام اور مجاورین حرمین شریفین کی بہت بڑی جماعت کو قتل کر دیا اور ان کے مالوں کو لوٹ لیا۔

پھر حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان کو محمد علی پاشا مصری کی ہمت وجوانمردی سے (جس کو سلاطین ترکیہ عثمانیہ نے اس مہم پر مامور کیا تھا) لڑائیوں کے بعد ہلاک کیا۔ اور ذلتوں سے نکلوایا۔ جس کا ذکر موجب طوالت ہے اور جس کو شیخ احمد دحلان مکی نے اپنی کتاب تاریخ اسلامیہ میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

پھر دوبارہ یہی نجدی ۱۳۴۴ھ (تیرہ سو چوالیس) ہجری میں حرمین شریفین پر متغلب ہوئے اور پہلے سے بڑھ کر افعال شنیعہ کے مرتکب ہوئے اور طائف میں قتل و خونریزی اور مار دھاڑ اور لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کر دیا اور سارے ممالک حجاز میں مساجد، اور یادگار عمارات اور صحابہ وصالحین کے قبوں کو گرا دیا اور وہ تا دم تحریر بلادِ مقدسہ کو دابے بیٹھے ہیں۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی صورت نکالے۔

آمدم برسر سخن، ان لوگوں کے عقائد جو ہندوستان میں اپنا نام اہلحدیث رکھے ہوئے ہیں یہ ہیں۔ یہ لوگ مجتہدین کے مستنبط (برآوردہ) احکام کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ ہم سب قرآن اور حدیث کو سمجھ سکتے ہیں۔ ہمیں علماء میں سے کسی ایک کی تقلید (پیروی) کی حاجت نہیں۔ کاش وہ اسی بات پر اکتفا کرتے، وہ تو یہاں تک بڑھ کر کہنے لگے کہ مجتہدین کی تقلید شرک ہے، یا بدعت، یا فسق (یہ ان کے خیالات کا اختلاف ہے جو ان کی کتابوں میں مذکور ہے)

وہ اتنا نہ جانے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۔ (پ ۵ ع ۸)

"اگر اس کو (کسی بات کو) پہنچا دیتے رسولؐ اور اپنے اولی الامر تک تو اس کی مصلحت معلوم کر لیتے۔ ان میں سے وہ جو مصلحت معلوم کر سکتے ہیں۔"

اور مراد اولی الامر سے علمائے مجتہدین ہیں۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ :

لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃِ

"میری اُمت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔" (مشکوٰۃ باب الاعتصام)

اور امت محمدیہ میں سے اہل السنۃ والجماعت نے خیر القرون سے لے کر آج تک انہیں چار مذہب کے اتباع پر اجماع اور اتفاق کیا ہے۔

اور حضورؐ فرماتے ہیں کہ :

اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ وَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ (مشکوٰۃ باب الاعتصام)

"بڑی جماعت کی پیروی کرو اور جو جماعت سے علیحدہ ہوگا۔ دوزخ کے لیے بھی علیحدہ کیا جائے گا۔"

اور بڑی جماعت مقلدین ہی کی ہے جو چار مذاہب مدونہ میں سے کسی نہ کسی کی پیروی کرتے ہیں۔

اس باب میں بہت سے سوال وجواب ہو سکتے ہیں۔ اگر تم پوری تفصیل چاہو تو ہمارا رسالہ اصول اربعہ دیکھو، جو وہابیہ کی تردید میں لکھا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ تم اس کو سارے سوال اور جواب میں کافی اور شافی پاؤ گے۔

فائدہ مہمہ

شائد تمہارے دل میں یہ خدشہ گزرے کہ ہم پران مذاہب کی تقلید کیونکر لازم ہو سکتی ہے جبکہ صراط مستقیم کو قرآن عظیم نے روشن اور مبین کر دیا ہے، اور اگر کسی قدر قرآن میں اجمال ہے تو اس کو نبی مختار صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث نے واضح بیان کر دیا ہے۔

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ایک تو خود قرآن مجید اور احادیث نبی کریم نے ہمیں تقلید کا حکم دیا ہے صراحۃً یا دلالۃً۔

قرآن حکیم کا صراحۃً حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ :

وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِہٖ جَہَنَّمَ

وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۔ (پ ۵ ع ۱۴)

" جو مسلمانوں کے راستے کے سوا دوسرا راستہ چلے گا ہم اسے چلاتے رہیں گے جس پر وہ چل رہا ہے۔ یہاں تک کہ پہنچا دیں گے اسے جہنم تک اور وہ بڑا ٹھکانا ہے۔"

سمجھ دار لوگ جانتے ہیں کہ امت مرحومہ میں سے اکثر مومنین نے انہیں مشہور چار مذاہب کی تقلید ہی کو اختیار کیا ہے! اور قرآن پاک کا دلالۃً حکم یہ ہے کہ خداوند پاک اپنے بندوں کو صراط مستقیم کے طلب کی یوں تعلیم دیتا ہے کہ کہو۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۔ (سورہ فاتحہ)

" اے رب! ہمیں ان لوگوں کے صراط مستقیم (سیدھے رستے) پر چلا جن پر تو نے فضل و انعام کیا ہے۔"

پس اصل مطلوب دعا میں صراط مستقیم ہی ہے اور صراط مستقیم بھی انہی لوگوں کی راہ ہے جن پر اللہ کا انعام ہے یعنی نبیین، صدیقین، شہداء و صالحین۔

اور نمازی کو امر کیا گیا ہے کہ دعا میں جن پر انعام کیا گیا ہے۔ انہی کی تقلید (پیروی) کا سوال کرے جن کو " صراط الذین انعمت علیہم " سے تعبیر کیا گیا ہے اور سب کے نزدیک یہ بات مانی ہوئی ہے۔ کہ چار امام مذاہب مشہورہ والے (اللہ ان سے راضی ہو) صالحین میں سے تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جن پر خداوند تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے۔

سوال: صلحاء ان کے علاوہ اور بھی بہت سے پائے جاتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ بس انہی چار کی تقلید کی جائے نہ دوسروں کی؟

جواب: امت مرحومہ نے انہی کی تقلید پر اتفاق کیا ہے نہ دوسروں کی تقلید پر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت باطل پر اتفاق نہیں کر سکتی (و نیز ان مذاہب اربعہ کے علاوہ کسی کا مذہب بالتفصیل مدوّن بھی نہیں ہوا۔ بعض بعض مسائل میں اقوال منقول ہیں۔ کل امور دین کے مسائل انہیں مذاہب میں مدوّن ہیں) اس کے علاوہ یہ اللہ کا فضل

ہے جسے چاہے دے۔ اس پر کسی کا دینا آتا ہے؟

اور حدیث شریف کا صراحۃً حکم یہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں:

اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ (مشکوٰۃ باب الاعتصام)

"بڑی جماعت کی پیروی کرو اور جو اس سے جُدا ہوگا وہ جہنم میں جدا کیا جائیگا۔"

اور اُمت مرحومہ میں "بڑی جماعت" انہی چار مشہور مذاہب کے مقلدین ہی کی ہے۔

اور حدیث شریف کا دلالۃً امر یہ ہے کہ آپ ابوسعید خدری (ایک صحابی) کو فرماتے ہیں:

اِنَّ النَّاسَ لَكُمْ تَبَعٌ وَاِنَّهُمْ سَيَأْتُوْنَكُمْ مِنْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ يَتَفَقَّهُوْنَ فِي الدِّيْنِ فَاِذَا جَاءُوْكُمْ فَاسْتَوْصُوْا بِهِمْ خَيْرًا

"لوگ تمہارے تابع ہیں اور وہ تمہارے پاس اطراف روئے زمین سے کھچے ہوئے آئیں گے تاکہ دین میں فقاہت (سمجھ) حاصل کریں تو تم ان سے اچھی طرح پیش آنا۔" (مشکوٰۃ کتاب العلم)

اور آپ فرماتے ہیں کہ:

لَوْ كَانَ الْعِلْمُ بِالثُّرَيَّا لَتَنَاوَلَهٗ رِجَالٌ مِنْ هٰؤُلَاءِ وَاَشَارَ اِلٰى سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ وَفِي رِوَايَةٍ مِنْ اَبْنَاءِ فَارِسَ (تبییض الصحیفہ)[1]

"اگر علم ثریا کو بھی پہنچ جائے تب بھی اس قوم کے لوگ اُسے پالیں گے اور سلمان فارسی کی طرف اشارہ فرمایا اور ایک روایت میں صاف اس طرح سے وارد ہوا ہے کہ "ابنائے فارس" میں سے اس علم کو پالیں گے۔"

دوسرا جواب یہ ہے کہ قرآن عظیم جو خدائے غالب و دانا کا کلام ہے خداوند تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے تیئس برس میں نازل فرمایا ہے۔ اس کے احکام اوامر اور نواہی اختلاف و اقعات زمانہ کے لحاظ سے جداگانہ نازل ہوتے

---

[1] اس حدیث کی بشارت سے سب محدثین امام اعظم ابوحنیفہ مراد لیتے ہیں اس لیے کہ آپ اصل میں فارسی ہیں۔ ۱۲ منہ

رہے ہیں (یہی وجہ ہے کہ بظاہر بعض آپس میں متباین نظر آتے ہیں) پس بعض ان میں سے ناسخ اور منسوخ ہیں اور بعض محکم و متشابہ ہیں اور بعض مقدم و مؤخر ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ اٰيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتَابِ وَاُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاْوِيْلِهٖ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ۔ (پ ۳ ع ۹)

"وہی (ذات) ہے جس نے اتاری تم پر کتاب جس کی بعض آیتیں محکم ہیں اور وہی اصل ہیں کتاب کی اور بعض دوسری متشابہ ہیں۔ (کئی معنی دینے والی جن کی حقیقت تک رسائی نہ ہو سکے) پس وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے، وہ پیچھے پڑے رہتے ہیں ان آیتوں کے جو متشابہ ہیں۔ فتنہ و فساد کے ارادہ سے اور ان کے اصل مطلب جاننے کے قصد سے حالانکہ ان کا اصل مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔"

تیسرا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید محب اور محبوب کی آپس میں گفتگو ہے۔ کبھی تو رموز سے خطاب کیا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے الٓمٓ و الٓمٓصٓ و حٰمٓ عٓسٓقٓ و طٰسٓ و طٰسٓمٓ اور کبھی اشارات سے پس کہا جاتا ہے کہ

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (پ ۱۶ ع ۱۰)

"رحمان عرش پر قائم ہوا۔"

اور معراج کے قصہ میں فرمایا جاتا ہے کہ:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى (پ ۲۷ ع ۵)

"پھر نزدیک ہوا اور اتر آیا پس فاصلہ رہ گیا دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی قریب تر"

اور یہ کہ:

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ (پ ۲۹ ع ۴)

"جس دن ساق (پنڈلی) کھول جائے گی۔

اور یہ کہ

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ (پ ۲۶ ع ۹)

"جو آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کر رہے ہیں۔"

پس محب اور محبوب کے درمیانی اشارات اور رموز کو ان کے سوا دوسرا جان بھی کیا سکتا ہے؟

اسی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِنَّ لِلْقُرْاٰنِ ظَہْرًا وَّ بَطْنًا وَّ لِلْبَطْنِ بَطْنٌ اِلٰی سَبْعَۃِ بُطُوْنٍ

"قرآن کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور اس باطن کا ایک باطن ہے اسی طرح سات باطنوں تک۔"

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مفسرین کا منتہائے کلام قرآن مجید کے بطن اول تک ہی محدود ہے اور باقی باطنوں کو عارفین بمقدار اپنے مراتب کے ہی جانتے ہیں اور بس۔

اسی طرح سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث واقعات زمانہ کے اختلاف کے لحاظ سے متبائن اور مخالف واقع ہوئی ہیں۔ ان میں بھی ناسخ اور منسوخ ہیں اور مقدم و مؤخر اور راجح و مرجوح۔

ان امور کو ان لوگوں کے علاوہ جو علم حدیث میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ کوئی نہیں جانتا ان کی (محدثین کی) منتہائے کوشش اور غایت مقصد یہاں تک ہے کہ حدیث کی تصحیح باعتبار متن حدیث کے کرلیں اور اس کو جانچ اور پرکھ لیں۔ پس وہ اپنی صحیح نیت کی برکت سے اپنے غایت مقصود کو پہنچ گئے ہیں اور انہوں نے اس بارہ میں نہایت مفید اور معتبر کتابیں تصنیف کیں جو مشہور ہیں۔ اور انہوں نے اس کے لیے اصول و قواعد وضع کیے تاکہ راویوں کے مراتب کی تمیز ہو سکے اور انہوں نے صحیح کو سقیم سے اور قوی کو ضعیف سے الگ کر کے رکھ دیا (اللہ پاک ان کو جزائے خیر دے)

لیکن آیات اور احادیث سے احکام کا استنباط کرنا تو یہ مجتہدین کا کام ہے

اس لیے کہ ہر ایک فن کے علیحدہ ماہر ہیں ؎ ہر کسے را بہر کارے ساختند۔
اس بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (پ۵ ع ۸)

"اگر اس کو (کسی بات کو) پہنچا دیتے رسول اور اپنے اولی الامر تک تو البتہ معلوم کر لیتے اس کو وہ لوگ جو تحقیق کرتے ہیں اور اگر اللہ کا تم پر کرم نہ ہوتا اور اس کی مہربانی، تو سوائے چند کے تم سب شیطان کی پیروی کرتے۔"

"مراد اولی الامر سے علماء ہیں۔"

اور اگر استنباط کی ضرورت نہ ہوتی تو حق تعالیٰ رسولؐ کے بعد قرآن میں اس کا ذکر ہی کیوں کرتا۔ پس صحت حدیث ایک کام ہے اور اس سے حکم نکالنا (استنباط) دوسرا کام۔ جس طرح سے کہ نحو کے علماء خلیل وسیبویہ وغیرہ ہیں جنہوں نے نحو کی کتابیں تالیف کی ہیں اور عربی کے قواعد کو لغات سے تلاش کر کے نکالا ہے۔ تو ان کے متعلق یہ کسی نے بیان نہ کیا کہ وہ فقہی مسائل کے بھی فتوے دیا کرتے تھے اس لیے کہ یہ ان کا کام نہ تھا۔ اگر "نادر" کوئی صورت واقع ہوئی ہو تو اس کا اعتبار نہیں جیسا کہ کہتے ہیں کہ کسائی نحوی سے کسی نے پوچھا کہ جس شخص کو سجدۂ سہو میں سہو ہو جائے تو کیا وہ دوبارہ سجدۂ سہو کرے گا۔ اس پر اس نے کہا کہ میرا گمان ہے کہ دوبارہ سجدہ کی ضرورت نہیں۔ سائل نے کہا کیوں؟ کہنے لگے کہ مصغر کی پھر تصغیر نہیں ہوتی۔

خوارزمی نے اپنی کتاب مسند کبیر میں اپنی سند سے جو امام ابو یوسف کو پہنچتی ہے بیان کیا ہے کہ امام ابو یوسف نے کہا کہ مجھے اعمش ملے اور انہوں نے کہا کہ تمہارے صاحب (ابو حنیفہؒ) عبداللہ ابن مسعودؓ کی مخالفت کرتے ہیں۔ امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ میں نے کہا کس بات میں مخالفت کی ہے تو اعمش نے کہا عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ باندی کے بیچ دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے اور تمہارے صاحب

کہتے ہیں کہ نہیں ہوتی۔" امام ابو یوسف کہتے ہیں میں نے کہا کہ تمہیں نے تو ہم سے یہ حدیث بیان کی تھی کہ باندی کے بیچ دینے سے طلاق نہیں ہوتی۔ اعمش نے کہا کہ میں نے یہ کب کہا ہے۔ ابو یوسف نے کہا کہ تم نے ہم سے حدیث اس سند سے بیان کی تھی کہ آپ روایت کرتے ہیں ابراہیم سے اور وہ اسود سے اور وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہ

عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيَّرَ الْبَرِيْرَةَ۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ (ایک باندی کا نام ہے) کو (نکاح کے باقی رکھنے کا) اختیار دیا تھا۔"

اس پر ابو یوسف نے کہا کہ اگر باندی کی بیع طلاق ہی ہوتی تو پھر اس اختیار کے کیا معنی تھے۔ اس لیے کہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ نے اُسے خرید لیا تھا۔ پس اگر اس کی بیع طلاق ہی ہوتی تو البتہ حضور اکرم اسے کیونکر اختیار دیتے۔ پھر اعمش نے کہا کہ اے ابو یوسف! کیا یہ اسی سے ثابت ہوتا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں اسی سے تو ہوتا ہے۔

امام محمد کہتے ہیں کہ ایک روایت میں ہے کہ اعمش کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ فقہ کی دقیق باتوں کو خوب جانتے ہیں اور پوشیدہ علوم کے باریک نکتوں کو غوامض کی اندھیریوں میں بھی اپنے چراغ قلب کی روشنی سے دیکھ لیتے ہیں۔ انتہٰی۔

پس اگر قرآن مجید کلی اور جزئی سارے احکام اسلام میں کافی ہوتا تو اللہ تعالےٰ یہ نہ فرماتا کہ :۔

مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (پ ۲۸ ع ۴)۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (پ ۵ ع ۸) وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ (پ ۴ ع ۵)

"جن باتوں کا تمہیں رسول امر کریں ان پر عمل کرو اور جن سے نہی فرمائیں ان سے رک جاؤ۔ اور جس نے رسول کی اطاعت کی تو تحقیق اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی۔"

اس سے صاف معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی احادیث نبویہ ہی تفصیل تفسیر اور

توضیح ہیں۔ اور اگر احادیث ہی اسلام کے سب احکام جزئیہ کے لیے کافی ہوتیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے کہ:

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ مِنْ بَعْدِيْ (مشکوۃ)

اَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ بِاَيِّهِمْ اِقْتَدَيْتُمْ (مشکوۃ)

"تم میرے طریقے اور میرے خلفاء راشدین کے طریقے کو (جو میرے بعد ہیں) لازم پکڑو۔" اور یہ کہ "میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں جس کی بھی ان میں سے پیروی کروگے ہدایت پاؤگے۔

اور اگر صرف خلفائے راشدین اور باقی اصحاب کی ہی سنت سارے واقعات جزئیہ اسلامیہ میں (جو خاص خاص اوقات میں پائے جاتے ہیں) کافی ہوتی تو البتہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے کہ:

لَا يَجْتَمِعُ اُمَّتِيْ عَلَى الضَّلَالَةِ — وَ — عَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْاَعْظَمِ فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ۔ (مشکوۃ)

میری اُمت گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی اور (یہ کہ) بڑی جماعت کی پیروی کرو جو اس سے جُدا ہوگا وہ آگ میں جدا کیا جائے گا۔

یہ اور اس کے علاوہ اور احادیث جن میں اکثر امت کی پیروی کی طرف رغبت دلائی گئی ہے مثلاً حدیث حضرت معاذؓ کے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

اِنَّ الشَّيْطَانَ ذِئْبُ الْاِنْسَانِ كَذِئْبِ الْغَنَمِ يَاْخُذُ الشَّاذَّةَ وَالْقَاصِيَةَ وَالنَّاحِيَةَ وَاِيَّاكُمْ وَالشِّعَابَ عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالْعَامَّةِ (مشکوۃ)

"شیطان انسان کا بھیڑیا ہے جیسے بکریوں کے بھیڑیے کی طرح کہ بھٹکی ہوئی اور اکیلی بکری کو پکڑلیتا ہے اس لیے تم گھاٹیوں سے الگ ہو اور بٹے ہوئے نہ ہو بلکہ جماعت اور عموم اُمت کے ساتھ رہنا لازم پکڑو۔" (روایت کی اس حدیث کی احمد نے)

اور مثل حدیث ابوہریرہؓ کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ عَنْ عُنُقِہٖ (رواہ
احمد و ابوداؤد، مشکوٰۃ شریف)

"جو جماعت سے ایک بالشت بھر بھی جدا ہوا تو اسلام کی رسی اس کی گردن سے کھل گئی۔" (روایت کی ہے اس کی احمد اور ابوداؤد نے" مشکوٰۃ شریف)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ۠ (پ ۵ ۱۴۴)

"جو شخص مسلمانوں کے راستے کے سوا دوسرا راستہ چلے گا ہم اُسے چلاتے رہیں گے جس پر وہ چل رہا ہے اور پہنچا دیں گے اس کو جہنم تک اور وہ بری جائے بازگشت ہے۔"

پس شریعتِ مطہرہ انہی چاروں قطعی اور یقینی دلیلوں کا نام ہے ان کو اپنے اوپر لازم رکھو اور ایک بالشت بھی ان سے جدا نہ ہو۔ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ عَنْ عُنُقِہٖ۔

"جو جماعت سے ایک بالشت بھی جُدا ہوا تو اسلام کی رسی اس کی گردن سے کھل جائے گی۔" (مشکوٰۃ)

پس دین کا تمام اور کمال ان ہی اَدِلّۂ مذکورہ کے التزام سے ہے۔ اور دین کا نقصان ان کے ترک یا بعض کے چھوڑ دینے میں ہے۔

دین ایک گھر کی مثال ہے اور یہ چار دلیلیں اس کی دیواریں ہیں اور توحید اس کی چھت ہے پس جس طرح سے کہ گھر سے مراد چھت ہی ہوتی ہے لیکن چھت بغیر دیواروں کے قائم نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح دین اسلام کی چھت اگرچہ توحید اور رسالت ہے لیکن یہ دونوں بغیر ان دیواروں اور ستونوں کے استوار و قائم نہیں رہ سکتے۔ اگر تم کہو کہ دینِ اسلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں کامل ہو چکا اس کی دلیل یہ ہے کہ خلفاء نے

فرماتا ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ۔ (پ۶ ع ۵)

"آج میں کامل کر چکا تمہارے لیے تمہارا دین اور پورا کیا تم پر اپنا احسان اور پسند کیا اسلام کو تمہارے دین بننے کے لیے۔"

پس کمال کے بعد پھر کیا نقصان ہو سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ کہ آیت مذکورہ کمال دین پر بیشک دلالت کرتی ہے لیکن باعتبار امور کلیہ کے نہ بلحاظ امور جزئیہ کے۔ یعنی دین پورے جزیرۃ العرب میں شائع ہو گیا اور مکہ فتح ہو چکا اور اسلام کا غلبہ کفر اور ادیان باطلہ پر ظاہر ہو گیا اور ارکان اسلام روزہ و نماز، زکوٰۃ و حج سب پر واضح ہو چکے۔ یہ اس طرح ہے جیسا کہ حضور فرماتے ہیں کہ "اَلْحَجُّ عَرَفَةٌ" (حج عرفہ ہے) حالانکہ یہ سب لوگ جانتے ہیں کہ عرفہ کے علاوہ حج کے اور بھی ارکان ہیں لیکن چونکہ عرفہ حج کے بڑے ارکان میں سے تھا۔ اس لیے پورے حج کو عرفہ سے تعبیر کیا گیا۔

اور جس طرح سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ فَمَنْ اَقَامَھَا اَقَامَ الدِّیْنَ وَمَنْ تَرَکَھَا فَقَدْ ھَدَمَ الدِّیْنَ۔

"نماز دین کا ستون ہے جس نے نماز کو قائم رکھا اس نے دین کو قائم رکھا اور جس نے اسے چھوڑ دیا تو اس نے دین کو گرا دیا۔"

اور یہ بات معلوم ہے کہ دین کا قائم رہنا محض نماز ہی پر نہیں ہے بلکہ اس کے اور بھی ارکان ہیں۔ جیسے روزہ، حج، اور زکوٰۃ وغیرہ۔ لیکن نماز چونکہ ان ارکان دین میں زیادہ ضروری تھی۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ستون دین فرمایا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم آیت مذکورہ کے نزول کے بعد تقریباً تین مہینے اس دنیائے فانی میں رونق افروز رہے اور اس زمانے میں آپ نے امر بھی

کیے اور نہی بھی فرمائی ہے اور لیا اور دیا بھی ہے۔ تو اگر دین جزئیات کے اعتبار سے بھی تام اور کامل ہو چکا تھا تو پھر آپ کے اوامر اور نواہی کے لیے کوئی موقع نہیں رہتا اور آپ کے اس ارشاد کے لیے کہ :

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِيْ (مشکوٰۃ، باب الاعتصام، مختصراً)

"میرے بعد میری سُنّت اور خلفائے راشدین مہدیین کی سُنّت کو مضبوط پکڑو"

کوئی محمل نہیں نکلتا۔

اور اگر تم کہو کہ خیر القرون کے اکثر لوگ اور سلف صالح اجماع اور قیاس کے انعقاد کے قبل ہی گزر گئے۔ جن کو آپ ارکان دین اور پیشوایان امت سے کہتے ہیں۔ حالانکہ ان کا دین کامل تھا اور بے حد کامل۔

اس کا جواب یہ ہے کہ لوگوں کے چار مرتبے ہیں۔ پہلا مرتبہ ہمارے سردار آقا و مولا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور آپ تمامی لوگوں میں فرد اکمل ہیں اور آپ ایسے مبارک اور برگزیدہ قطب اور مرکز ہیں جس پر پورے اسلام کی چکی گھوم رہی ہے۔ جن کا سینۂ مبارک اللہ تعالیٰ نے کھول دیا تھا اور جن کے ذکر کو بلند فرما دیا ہے۔ اور جن کو ساری خلقت سے اپنے لیے چن لیا ہے۔

اور جن کو علوم اور اسرار سے اس قدر عطا فرمایا ہے کہ سارے جہان میں کسی کو نہیں عطا کیا تو آپ کو اَدِلّہ اَرْبعہ (چار دلیلوں) میں سے صرف قرآن ہی کافی ہے۔ جو آپ پر نازل ہوا آپ کو اس کے علاوہ اور کسی چیز کی حاجت نہیں۔

دوسرا مرتبہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے۔ ان کا زمانہ زمانوں میں بہترین ہے اور وہ وہی ہیں جن کو خداوند تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور رفاقت کے لیے پسند فرمایا اور ان کے سینوں سے اللہ تعالیٰ نے کھوٹ، اور کینہ، اور حسد، اور دنیا کی محبت، اور نفس اور شیطان کی خواہشیں اور لذتیں نکال دی تھیں۔ صورتاً بنی آدم لیکن سیرتاً ملائکہ تھے۔ ان کے سینے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت

سے قرآن مجید اور سنتِ رسول اللہ کے علوم کے خزانے بن گئے تھے۔ ان کو ادلہ اربعہ میں سے صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کافی ہیں اور کسی چیز کی ان کو ضرورت نہیں۔

تیسرا مرتبہ صحابہ کے تابعین رضی اللہ عنہم کا ہے اور زمانہ بھی ان کا خیر القرون میں سے ہے۔ ان کو صحبت اصحاب رضی اللہ عنہم کی برکت سے حق تعالیٰ نے علوم کی اشاعت اور کتاب و سنت کے احکام کے تصفیہ کے لیے انتخاب فرمایا تھا...... اور یہ اصحاب کے درمیانی مختلف مسائل میں ان کو ترجیح دیتے تھے جس پر اکثر صحابہ مجتہدین نے اتفاق اور اجماع کیا ہو۔

ان کو ادلہ اربعہ میں سے کتاب، اور سنت اور اجماع کافی ہیں کسی اور چیز کی ان کو حاجت نہیں۔

چوتھا مرتبہ ان لوگوں کا ہے جو بعد میں پیدا ہوئے۔ ان کے زمانے کی بہتری میں اختلاف ہے اور اکثر ان میں سے نفس امارہ کے خطروں سے بھی بچے ہوئے نہیں۔ اور مسائل دین میں ان کے درمیان بہت اختلاف ہوئے ہیں۔ جیسا کہ عمران بن حصین روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

خَيْرُ اُمَّتِیْ الْقَرْنُ الَّذِیْ بُعِثْتُ فِیْهِمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ وَلَا اَعْلَمُ اَذَکَرَ الثَّالِثَ اَمْ لَا ثُمَّ یَنْشَاءُ اَقْوَامٌ یَشْهَدُوْنَ وَلَا یُسْتَشْهَدُوْنَ وَیَخُوْنُوْنَ وَلَا یُؤْتَمَنُوْنَ وَیَفْشُوْ فِیْهِمُ السِّمَنُ۔

" سب سے بہتر اور افضل زمانہ وہ ہے جس میں میں مبعوث ہوا ہوں پھر وہ زمانہ جو اس سے ملا ہوا ہے (عمران ابن حصین کہتے ہیں مجھے یاد نہیں کہ تیسرے زمانے کے لیے بھی آپ نے فرمایا یا نہیں) پھر فرمایا کہ پھر ایسی قومیں پیدا ہوں گی جو بغیر گواہی طلب کیے گواہیاں دیں گی اور خیانت ان کا شیوہ ہوگا اور انہیں کوئی امین نہ بنائے گا اور ان میں موٹاپا بڑھ جائے گا۔" (روایت کی ترمذی نے)

اس زمانے میں لوگ ان اختلافات کی وجہ سے بڑی مصیبت میں پڑ گئے۔ پھر

اللہ تعالیٰ نے جب مملکت اسلام کی حفاظت چاہی تو ان میں بڑے ماہر علماء اور بڑے پرہیزگار و متقی بھیجے جن کو آیات اور احادیث اور اجماع صحابہ و تابعین سے استنباط (مسائل نکالنے) کی قوت عطا کی۔ اور جنہوں نے ناسخ کو منسوخ سے اور محکم کو ماؤل سے مؤخر کو مقدم سے پرکھ لیا۔۔۔۔۔۔

ان علمائے متقین میں سے پھر رحمت الٰہی نے مجتہدین مذاہب اربعہ مشہورہ کو چُن لیا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (پ۲۸ع۱۱)

"یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے۔"

ان کے مذاہب کو ساری اُمت نے بڑے فخر اور مسرت سے قبول کیا اور انہوں نے پھر فقہ کی کتابیں باب باب اور فصل فصل کرکے جمع کیں۔ مقصد یہ کہ دین اسلام کے راستے کو لوگوں کے لیے نہایت آسان کر دیا۔ اللہ ان کو جزائے خیر دے۔

بعض مسائل فرعیہ کے علاوہ ان کا آپس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور اس سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ کی تصدیق ہوتی ہے کہ:

اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَةٌ (جامع صغیر)

"میری اُمت کا درمیانی اختلاف رحمت ہے۔"

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ

"اگر وہ رجوع کرتے رسول اور اولی الامر کی طرف تو یقیناً جان لیتے ان میں سے وہ لوگ جو مستنبطین (مصلحت شناس) ہیں۔" (پ۵ع۸)

اور قرن ثالث (تیسرے زمانے) میں مستنبطین یہی مجتہدین ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَى الضَّلَالَةِ (مشکوٰۃ)

"میری اُمت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔"

اس لیے اے مسلمانو! ہم پر اس زمانے میں انہی کی پیروی اور تقلید لازم ہے۔ یہ

ہے حقیقت اجماع اور قیاس کی۔

فائدہ مہمہ: بسا اوقات دیکھا جاتا ہے کہ غیر مقلدین (جو ان مذاہب مذکورہ کی پیروی نہیں کرتے) مشائخ کے اطوار پر اعتراض کرتے ہیں اور ان کے طریقے کا انکار کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ترتیب وار اذکار" اور وقت کی پابندیوں کے ساتھ مراقبے" اور "اورادِ مقررہ" "مخترعہ ریاضتیں" ان سب کا کوئی اصل نہیں بلکہ یہ ساری بنائی ہوئی بدعتیں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں ان کا کوئی وجود نہ تھا۔ اور اس حدیث سے دلیل لاتے ہیں کہ:

اِنَّ کُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَکُلَّ ضَلَالَةٍ فِی النَّارِ

"ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں ہے۔"

ہم کہتے ہیں کہ اس مبحث میں دو طرح سے کلام کیا جا سکتا ہے۔ اول بدعت کے معنی اور اس کے اقسام کے بیان میں۔

دوسرا یہ کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث مذکورہ میں بدعت سے کیا مراد ہے۔

وجہ اول بدعت کے معنی کے بیان میں:-

جاننا چاہیے کہ بدعت لغت میں ہر اس نو پیدا چیز کو کہتے ہیں جس کا کوئی نظیر پہلے نہ ہو۔ اور اسی معنی کے مطابق باری تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (پ ۱ ع ۱۴)

"اللہ تعالیٰ بدیع (موجد) ہے آسمانوں اور زمینوں کا۔"

اور شرع میں بدعت اس چیز کو کہتے ہیں کہ جو امور دین میں نو پیدا کردہ ہو یعنی جس کا وجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں نہ ہوا اور وہ سنت کی مخالف اور معارض ہو۔

ہم نے جو یہ قید لگائی ہے کہ سنت کے مخالف اور معارض ہو۔ یہ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے بعد اتنے نئے امور پیدا ہوئے ہیں اور وہ اس زمانے میں بھی اور اس سے پہلے بھی اس قدر عام اور شائع ہو گئے ہیں کہ ان سے نہ متعلق کچھ

سکتا ہے اور نہ غیر مقلد۔ یہاں تک کہ خیر القرون کا آخری حصہ بھی ان امور کی زد سے نہ بچ سکا۔ جس پر تاریخ کی کتابیں شاہد ہیں۔

عالم اسلامی ہی میں اگر کوئی نظرِ انصاف کو وسعت دے کر دیکھیے تو کھانے، پینے، پہننے، اور اوڑھنے، اور مکانات میں اس کے علاوہ اور دنیوی اور معاشی امور میں اکثر امور ایسے دیکھے گا جو نو پیدا کردہ ہیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کا کوئی وجود نہ تھا۔

حاصلِ کلام یہ کہ مراد بدعت سے حدیث شریف میں وہ بدعت ہے جس کو سیئہ (بری) کہا جاتا ہے اور جو سنت کے مخالف اور مقابل ہے لیکن وہ نو پیدا امور جو سنت کے معارض اور مقابل نہیں۔ وہ مباحات شرعیہ میں داخل ہیں اس لیے کہ ہمارے مذہب میں سب اشیاء در اصل مباح ہیں (حرمت بعد میں نص شارع سے ہوتی ہے)

سوال: لفظ "کل" کو کیوں آپ نے نظر انداز کر دیا اور کہنے لگے کہ بعض بدعتیں مباحات شرعیہ میں داخل ہیں حالانکہ متنِ حدیث شریف میں "کل" کا لفظ آچکا ہے۔ یعنی ہر ایک بدعت گمراہی ہے۔

جواب: شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مراد لفظ کل فرمانے سے یہ نہیں کہ یہ سب اقسام بدعت کے مطلقاً حسنہ ہو یا سیئہ (بھلی ہو یا بری) سب ضلالت اور گمراہی ہیں بلکہ لفظ "کل" سے یہ مراد ہے کہ بدعت سیئہ کے سارے اقسام جو سنت سے ٹکر کھائیں اور مخالف ہوں گمراہی ہیں۔ اس بات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا وہ قول دلیل ہے جو صحاح میں وارد ہو چکا ہے کہ:

عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ مِنْ بَعْدِیْ

"میری سنت کو اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو جو میرے بعد ہیں اپنے اوپر لازم پکڑو۔" (مشکوٰۃ)

اور خلفائے راشدین کی سنت عین سنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم تو ہو نہیں سکتی اس لیے کہ عطف مغایرت کو چاہتا ہے تو اگر "کل" کا لفظ علی الاطلاق لیا جائے

تو سُنّت خلفائے راشدین کے اتباع کا کوئی موقعہ نہیں رہتا اور حضرت سیدنا فاروق رضی اللہ عنہٗ کے اس قول کا کہ " بیس رکعتیں تراویح نعمۃ البدعۃ " بڑی اچھی بدعت ہے" کوئی محل نہیں نکلتا۔

لفظ کل کا اس حدیث میں ایسا ہے جیسا کہ کلام پاک میں حضرت ابراہیم کے قِصّہ میں مذکور ہے کہ :

ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ

" پھر رکھ دو ہر ایک پہاڑ پر (کُلِّ جَبَلٍ) ایک ایک حصہ پرندوں کا پھر بلاؤ ان کو وہ آئیں گے دوڑتے ہوئے۔" (پ۳ ع ۴)

یہاں لفظ " کُلِّ جَبَلٍ " سے ساری دُنیا کے سب پہاڑ تو مراد ہو ہی نہیں سکتے بلکہ مراد یہ ہے کہ ہر ایک پہاڑ پر جو حاضر ہیں چار ہوں وہ پہاڑ یا سات (جیسا کہ بیضاوی نے بیان کیا) ان پرندوں کا گوشت رکھ دو۔

پس معلوم ہُوا کہ مراد شارع صلی اللہ علیہ وسلم کی لفظ " کل " سے ہر ایک بدعت سیئہ ہی ہے۔

علمائے کرام کہتے ہیں کہ بدعت کی بہت سی قسمیں ہیں بعض ان میں سے تو اس زمانے میں واجب ہیں مثلاً علوم کی اشاعت کرنا، مدرسے، اور مسافر خانے بنانا وغیرہ۔ اور بعض سنتِ حسنہ ہیں جیسے بیسؔ رکعتیں تراویح پڑھنا اور حکومت کے لیے دفتر اور کچہریاں بنانا (یہ سُنّت عمریہؓ ہیں) اور مساجد کو منقش پتھر اور ساگوان کی لکڑی سے تعمیر کرنا اور قرآن مجید کو مصحف میں جمع کرنا (یہ سُنّت عثمانیؓ ہیں) اور باغیوں وغیرہ سے جنگ کرنا۔ (یہ سُنّت مرتضوی ہے)

اور بعض بدعتیں مستحب یا مباح ہیں جیسے آجکل کے زمانے کے اکثر اوضاع اور رسوم۔ دو وجوہ مذکور ہیں سے یہ دوسری وجہ ہے۔

پس مشائخ رحمۃ اللہ علیہم کے اطوار اور اذکار مرتبہ، اور مراقبات موقتہ، اس بدعت حسنہ (اچھی) میں داخل ہیں جن کو نامور اور جید علماء اسلام نے قبول کیا ہے

اور ان کو اچھا سمجھا ہے اور لوگوں کو ان باتوں کی طرف ترغیب دی ہے۔ اور خود ان کاموں میں مشغول رہے ہیں بلکہ ان امور کو وہ بدعت ہی نہیں سمجھتے اور اس بات پر رضامند ہی نہیں کہ ان پر بدعت کا لفظ استعمال کیا جائے، جیسا کہ ہمارے مرشد اعظم امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا مشرب ہے۔

ہم نے اس باب میں کلام کو طول دیا ہے اس لیے کہ بات سے بات نکلتی رہی ہے لیکن پھر بھی یہ طول فائدوں سے خالی نہیں ہے۔ انصاف پسند دل ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

فصل

اعمالِ بدنیہ

اے بھائی! (اللہ تمہیں ان کاموں کی توفیق دے جن کو وہ پسند کرتا ہے اور جن سے راضی ہوتا ہے) جاننا چاہیے کہ اعتقاد صحیح کر لینے کے بعد تم مسئول اور مکلف ہو۔ اعمالِ بدنیہ روزہ اور نماز اور حج و زکوٰۃ پر اور تمامی اوامرِ الٰہی پر خواہ وہ اعمالِ قلبیہ ہوں یا افعالِ جوارح اور محرمات و مکروہات شرعیہ کے ترک کرنے پر خواہ وہ بھی قلبیہ ہوں یا بدنیہ۔

علم الفقہ اعمال بدنیہ کی تفصیل کا کفیل ہے اور علم اخلاق اعمال قلبیہ کی توضیح کا ضامن ہے۔ پس جس طرح کہ ظاہر کی اصلاح اعمال بدنیہ پر موقوف ہے۔ اسی طرح باطن کی اصلاح کا مدار اعمالِ قلب پر ہے۔ یہ مقام ان دونوں کی تفصیل کا نہیں ہے، اس لیے کہ وہ دو جاری چشمے ہیں بلکہ دو سمندر ہیں جو آپس میں ملتے ہیں ان دونوں کے درمیان پردہ حائل ہے کہ ایک دوسرے سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ اور یہ دونوں چشمے یا سمندر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس سینہ سے پھوٹ کر نکلتے ہیں اور اُمت کے سینوں تک پہنچتے ہیں تم پر لازم ہے کہ ان دونوں پاکیزہ علموں کی کشتی میں سوار ہو جاؤ تاکہ یہ تمہیں سلامتی سے ساحل مقصود تک پہنچا دیں۔ جس کی وجہ سے موت کے

بعد اپنے مالک معبود کے مہیا کردہ باغوں میں گلگشت کرتے رہو گے۔

ہم ابھی تمہیں بعض ضروری باتیں اعمالِ قلب اور اعمالِ بدن کی مختصراً بتلا دیتے ہیں۔ تم پر یہ لازم ہے کہ انہیں قبول کرو اور ان پر عمل پیرا ہو جاؤ تاکہ مقاماتِ عالیہ پر فائز ہو سکو۔ کہیں ان کو فضول سمجھ کر نہ چھوڑ دینا کہ اس سے بے نیازی برتنے میں گھاٹا پاؤ گے اور نقصان اٹھاؤ گے۔

مقصود کے شروع کرنے سے پہلے ہم تمہیں سب اعمال کی روح اور جوہر اور مغز بتلا دیتا ہے اور وہ کیا ہے؟ "اخلاص اور نیت صحیح کرنا" تھوڑا سا عملِ خیر بھی اخلاص اور صحتِ نیت کے ساتھ اس عملِ خیر سے جو اگرچہ بہت بڑا ہے لیکن اخلاص سے نہیں بلکہ فسادِ نیت کے ساتھ ہے۔ بہت ہی اچھا ہے۔ اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَلِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَىٰ۔

"سب اعمال کا مدار نیت پر ہے اور ہر ایک آدمی وہی پائے گا جو اس نے نیت کی ہو" (حدیث طویل متواتر)

اسی وجہ سے صحابہ کرام کا ایک "مد" (یعنی دو رطل) یا اس کا بھی نصف اللہ کے راہ میں خرچ کرنا دوسروں کے جبلِ اُحد کے برابر سونا صرف کرنے سے بہتر اور افضل تھا۔

اگر تم کہو کہ اخلاص کیا ہے؟ تو اس کی بھی ہم تمہیں حقیقت بتلائے دیتے ہیں۔ اخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہایت عاجزی اور نہایت سچائی سے محض اس کی فرمانبرداری اور غلامی کے لیے کی جائے۔ یہ نہ ہو کہ دل میں جنت کی طمع کیے ہوئے ہو یا دوزخ کے خوف سے یا جو نفس کی خواہشیں اور لذتیں ہو سکتی ہیں۔ ان کے لیے ادا کی جائے۔

اس لیے کہ اگر ایک مٹھی بھر گیہوں اللہ کی رضامندی کے لیے اخلاص کے ساتھ خرچ کی جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ مٹھی بھر موتی بغیر اخلاص کے نفس کی رضامندی میں لٹا ڈالو۔ جب تم نے اپنے عمل کو محض اللہ ہی کے لیے خالص کر دیا اور پورا اخلاص

اس میں پایا گیا تو سمجھ لو کہ یہی عمل قابلِ قبول بلکہ قبول شدہ ہے۔ ایسا عمل دس گنا بڑھا کے لکھا جائے گا اور یونہی سات سو تک وہ عمل بڑھ سکتا ہے (یعنی ایک باخلاص عمل سات سو گنا ہو جائے گا) اور یہ عمل تمہارے لیے قیامت کے دن تک نشو و نما پاتا رہے گا، اس دانے کی طرح جس کو نہایت اچھی زمین میں بویا جائے تو وہ اُگتا اور بڑھتا ہے یہاں تک کہ کچھ زمانے کے بعد ایک تناور اور پھلدار اور خوش نما درخت بن جاتا ہے۔ اور اگر کسی نے بغیر نیت صالح اور اخلاص کے عمل کیا ہے تو وہ نہ زیادہ ہوتا ہے اور نہ بڑھتا ہے بلکہ اس شخص کا فرض اور نفل کبھی رتبۂ قبولیت نہیں پاتا۔ اللہ پاک فرماتا ہے کہ :-

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ (پ۳ ع ٦)

"اللہ تعالیٰ سود کو محو کرتا ہے اور گھٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا رہتا ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ :

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (پ٦ ع ۹)

"اللہ متقین ہی سے قبول کرتا ہے"

اور متقین وہی باخلاص لوگ ہیں۔

جب تم اس کو جان چکے تو اب جانو کہ نماز دین کا ستون ہے اور طاعات کا مخزن اور عبادات کا مغز ہے۔ اور سب اعمال میں اللہ اور رسول پر ایمان کے بعد اس سے کوئی اور عمل افضل نہیں۔ اور یہ عبادت بدنیہ ہر ایک مکلف مسلم پر مرد ہو یا عورت آزاد ہو یا غلام، غنی ہو یا فقیر، مسافر ہو یا مقیم، تندرست ہو یا بیمار سب پر فرض ہے۔

اب صبح سے لے کر سارے اعمال کی ترتیب ہم تمہیں بتلائے دیتے ہیں۔ صبح سویرے اٹھتے ہی یہ دعا پڑھو :

"اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ

ہم نے اور تمام ملک (کائنات) نے اللہ واحد قہار کے لیے صبح کی۔

اور اپنے ایمان کی تجدید اس قول سے کرو۔

أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ، اَللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبِّيْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ خَلَقْتَنِيْ وَأَنَا عَبْدُكَ وَ أَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ أَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَأَبُوْءُ بِذَنْبِيْ، فَاغْفِرْلِيْ فَإِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ۔ (حصن حصین)

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ خدایا! تو ہی میرا پروردگار ہے تیرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تیرے عہد پیمان پر جتنا مجھ سے بن پڑا قائم ہوں اور تیری جو بھی نعمت مجھ پر ہے میں اس کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہوں پس میرے گناہ بخش دے اس لیے کہ تیرے سوا اور کوئی گناہ نہیں بخش سکتا۔"

اور خاص اللہ ہی کے لیے جلدی سے اٹھ بیٹھو اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہو اور آداب و سنن کی رعایت رکھتے ہوئے بالاسباغ (یعنی اچھی طرح) وضو کرو۔ اسباغ سے یہ مراد نہیں کہ زیادہ پانی ڈالو یا تین مرتبے سے زیادہ اعضاء کو دھوؤ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ دھوئے جانے والے اعضاء کو دھونے میں اچھی طرح گھیر لو۔ جیسے کہنیاں اور ٹخنے اور چہرہ کے اطراف اور ڈاڑھی کے بالوں کی جڑ تک پانی پہنچانے میں کمی واقع نہ ہو۔

اور وضو کرنے سے یہ نیت کرو کہ بے وضوئی زائل ہو اور نماز ادا کرنا مباح ہو جائے۔ پھر دو رکعتیں صبح کی سنتیں اپنے گھر میں مخفف (ہلکی) ادا کرو۔ "مخفف" سے یہ مقصد نہیں کہ تعدیل ارکان (رکوع سجدہ وغیرہ) میں جلد بازی کرو بلکہ مراد یہ ہے کہ قرأت اس میں کم ہو۔ پھر فوراً تڑکے اپنے قریب ترین مسجد میں جاؤ چاہے اس مسجد کو لوگوں نے چھوڑ دیا ہو، اور راستے میں تسبیح اور استغفار پڑھتے جاؤ۔ اس طرح سے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِكَ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ (پاک ہے اللہ اور تیرے لیے ہی حمد و ثنا ہے، پاک ہے اللہ عظمت والا اور تیری بارگاہ میں میں توبہ کرتا ہوں)

اور مسجد میں اس طرح سے داخل ہو کہ اللہ کے غضب سے ڈرتا ہو اور اس کی رحمتوں کا امیدوار ہو اور پہلے اپنا دایاں پیر مسجد میں رکھو اور یہ کہو:

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ○ (پ ۱۵ ع ۹) "اے میرے رب مجھے سچی طرح داخل کر اور سچی طرح باہر لے جا (جہاں بھی میں داخل ہوں اور جہاں بھی میں باہر آؤں) اور مجھے اپنی طرف سے مددگار غلبہ دے۔"

اور صبح کی دو رکعتیں فرض جماعت کے ساتھ نہایت اطمینان اور وقار سے ادا کرو اور اگر وقت فراخ ہے۔ تو جس قدر قرأت کو طول دے سکو تو بہتر ہے۔ قرأت کے بعد رکوع کرو۔ اور رکوع میں اپنی پیٹھ سیدھی رکھو اور کم از کم تین بار سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ (پاک ہے میرا رب عظمت والا) کہو اور اکثر کے لیے کوئی حد نہیں۔ پھر سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ (اللہ نے سن لی جس نے اس کی تعریف کی) کہو اگر تم امام ہو تو اسی پر کفایت کرو اور مقتدی ہو تو امام کے سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ (اے ہمارے رب سب تعریف تیرے ہی لیے ہے) کہو۔ اور اگر نماز تنہا پڑھ رہے ہو تو دونوں جملے کہو۔ اور تین تسبیحوں کے قدر اس حال میں ٹھہرے رہو۔

پھر سجدہ کرنے کے لیے نیچے جھکو اور اپنے چہرہ کو دونوں ہاتھوں کے درمیان زمین پر یا مصلے پر رکھو اور سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی (پاک ہے میرا رب بہت بلند) کم از کم تین بار کہو اگر اس سے زیادہ پڑھ سکو تو زیادہ بہتر ہے۔

پھر اپنے دائیں پیر کو کھڑا رکھ کر بائیں پیر پر بیٹھ جاؤ اور تین تسبیحوں کے قدر ٹھہرے رہو۔ پھر دوسری مرتبہ اسی طرح سے سجدہ کرو اور پھر دوسری رکعت کے لیے اٹھو اور انتقالات (اٹھنے بیٹھنے) کی تکبیریں نہ بھول جاؤ۔

اور پوری نماز میں اپنے تئیں ایک گریختہ خائن اور خائف غلام تصور کرو جو نہایت ڈرتا ہوا اپنے مالک کے سامنے کھڑا ہوا ہو، اور اس کے حکم کا انتظار کر رہا ہو کہ گرفتاری و عقوبت کا فرمان صادر ہوتا ہے یا عفو اور بخشش سے کام لیا جاتا ہے۔

اور جبکہ دوسری رکعت بھی ختم کر چکے تو التحیات پڑھو۔ التحیات یہ ہے:

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ "تمام زبانی عبادتیں اور تمام بدنی عبادتیں اور تمام مالی عبادتیں اللہ ہی کے لیے ہیں، سلام ہو تم پر اے نبی اور اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں، سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔"

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود ابراہیمی بھیجو اور یہ دعائیں پڑھو:۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (پ ۲ ع ۹)

"اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں بھی بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا"

اور

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْمَاْثَمِ وَالْمَغْرَمِ۔ (حصن حصین) "اے اللہ میں تیری پناہ لیتا ہوں قبر کے عذاب سے اور تیری پناہ لیتا ہوں کانے دجال کے فتنہ سے اور تیری پناہ لیتا ہوں زندگی اور موت کے فتنوں سے، اے اللہ میں تیری پناہ لیتا ہوں ہر گناہ اور قرض سے۔"

اور

رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَّلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ فَاغْفِرْ لِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ[له] رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ

"اے میرے پروردگار بے شک میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا ہے اور تیرے سوا کوئی گناہ نہیں بخش سکتا تو اپنی مغفرت سے میرے سب گناہ بخش دے اور رحم فرما مجھ پر بے شک تو ہی بہت بخشش کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اے میرے رب مجھے بخش دے اور میرے والدین اور تمام مومنوں کو بھی جس دن حساب قائم ہو۔"

اور اپنے دائیں اور بائیں سلام پھیرو۔

له (حصن حصین ۱۲)

بہتر یہ ہے کہ اجرت کی طمع پر تم امام، موذن، مکبر اور مدرس نہ ہو۔ اور اگر اللہ ہی کے لیے بغیر اجرت کے یہ خدمات انجام دے رہے ہو تو بڑے ثواب کے مستحق ہو۔

پس جبکہ نماز کو آداب اور سنتوں کی رعایت رکھتے ہوئے جیسا کہ علم فقہ میں مفصل مذکور ہے۔ تم نے ادا کر دیا تو بہتر یہ ہے کہ اسی جگہ پر بیٹھے جاؤ اور تسبیحیں پڑھنے میں مشغول ہو جاؤ۔ یعنی ۳۳ بار سُبْحَانَ اللّٰہِ اور ۳۳ بار اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور ۳۴ بار اَللّٰہُ اَکْبَرُ پڑھو، پھر آیۃ الکرسی پڑھو اور ذکر قلبی یا لسانی کے ساتھ مشغول ہو جاؤ یا اللہ پاک کی نعمتوں اور عنایتوں میں جو تم پر اور ساری مخلوقات پر ہیں، بیٹھے فکر و شکر کیا کرو۔ یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہو جائے۔ طلوع[1] کے بعد چار رکعتیں نفل کی دو دو کر کے پڑھے اور قرآن مجید سے جو تمہیں آسان معلوم ہو، ان میں قرآت کرو۔ پھر دعا کے لیے دونوں ہاتھ اٹھاؤ اور نہایت اخلاص اور تضرع اور زاری کے ساتھ یہ دعا کرو۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَعْلَمُ سِرِّیْ وَعَلَانِیَتِیْ فَاقْبَلْ مَعْذِرَتِیْ وَتَعْلَمُ حَاجَتِیْ فَاَعْطِنِیْ سُؤْلِیْ وَتَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ اِیْمَانًا یُّبَاشِرُ قَلْبِیْ وَیَقِیْنًا صَادِقًا حَتّٰی اَعْلَمَ اَنَّہٗ لَا یُصِیْبُنِیْ اِلَّا مَا کَتَبْتَ لِیْ وَرِضًی بِمَا قَسَمْتَ لِیْ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔

"اے اللہ! تو بے شک میرے ظاہر اور باطن کو جانتا ہے، میری معذرت قبول فرما اور تو میری حاجت کو جانتا ہے میرا سوال پورا فرما اور تو جانتا ہے جو میرے دل میں ہے میرے گناہ بخش دے۔ اے اللہ بے شک میں تجھ سے وہ ایمان مانگتا ہوں جو میرے دل میں پیوست ہو اور وہ سچا یقین کہ مجھے وہی ملے گا جو آپ نے میرے لیے لکھ دیا ہے اور معاش میں اپنی قسمت پر راضی ہونا مانگتا ہوں۔ اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔

پھر دوبارہ آنے کا ارادہ رکھتے ہوئے مسجد سے نکلو اور ظاہری طور پر اپنے دھندے اور روزگار میں مشغول ہو جاؤ۔ لیکن تمہارا قلب اللہ پاک کے ذکر اور مسجد کی طرف لوٹنے

---

[1] جس وقت سورج کی ٹکیا ظاہر ہوتی ہے اس کے بعد بیس منٹ ٹھہر کر یہ نفل پڑھیں کیونکہ اتنا وقت طلوع میں داخل ہے۔ (ناشر)

کے خیال میں لگا ہوا ہے پھر جبکہ ظہر کی اذان سنو تو جلدی سے اٹھو اور اپنے پروردگار کے بلاوے کی اجابت کرو۔ اور نیا وضو کر کے مسجد کی طرف چل دو۔ جس طرح کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

اور چار رکعتیں سُنّت کی جو پہلے پڑھی جاتی ہیں۔ حضور قلب اور اخلاص سے پڑھ کر اسی جگہ بیٹھے رہو۔ یہاں تک کہ مکبّر قد قامت الصلوٰۃ کہے۔ پھر پہلی صف میں داخل ہو بشرطیکہ وہاں جگہ ہو اور دائیں بائیں کسی کو تمہاری وجہ سے تکلیف اور تنگی نہ ہوتی ہو۔ اور نماز شروع کرنے سے پہلے یہ دعا پڑھو:-

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۝ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۝ "میں نے اپنا منہ اس ذات کے سامنے کیا جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا، ایک طرف کا ہو کر اور میں شرکوں میں سے نہیں ہوں بیشک میری نماز میری قربانی میرا جینا، میرا مرنا اللہ جہانوں کے پروردگار کے لیے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے یہی حکم کیا گیا ہے اور میں حکم ماننے والوں میں سے پہلا ہوں"؛

پس جب کہ تم امام کے ساتھ نماز پڑھ چکے اور سلام پھیر چکے تو یہ دعا پڑھو:-

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ وَاِلَیْکَ یَرْجِعُ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ۔

"اے اللہ! تو ہی سلامتی دینے والا ہے اور سلامتی تیری ہی طرف سے ہے اور سلامتی تیری ہی طرف لوٹتی ہے، بڑی برکت والا ہے تو اے ہمارے پروردگار اور بہت بلند ہے تو اے جلال اور بزرگی والے۔"

پھر اٹھ کر دو رکعتیں سُنّت کی اسی طرح سے پڑھو اور پھر تسبیحات مذکورہ اور آیت الکرسی پڑھو۔ پھر اللہ پاک سے وہ دعائیں مانگو جو مسنون ہیں۔ اور مسجد سے اسی حال میں نکلو کہ پھر وہیں لوٹنے کی نیت رکھتے ہو۔ پھر آ کر اپنی حرفت اور کسب میں لگ جاؤ عصر کے وقت تک۔ اور عصر کی اذان سن کر نہایت جلدی خوشی اور بشارت پائے ہوئے کی طرح اللہ پاک کے بلاوے کی طرف لپکو جو اپنے حضور کی تمہیں دعوت دے رہا ہے۔ اچھا یہ ہے کہ اگرچہ تمہیں وضو ہو مگر پھر نئے سرے وضو کرو

اور مسجد کی طرف اسی طرح جاؤ جیسا کہ مذکور ہؤا۔ اور نماز میں کھڑے ہونے کی حالت میں اپنی نظر سجدے کی جگہ پر اور رکوع میں اپنے قدموں کی پیٹھ پر اور سجدے میں اپنے نتھنوں پر جمائے رکھو۔

عصر کے فرض سے پہلے اگر وقت کافی ہو تو چار رکعتیں نفل کی بھی پڑھ لو پھر امام کے ساتھ فرض ادا کرو۔ اگر دنیا کے ضروری کام کاج سے فارغ ہو تو بہتر یہ ہے کہ اسی جگہ مغرب تک بیٹھ کر ذکر اور فکر میں مشغول رہو۔

اور احتیاط کی بات یہ ہے کہ ظہر ایک مثل[۱] سے پہلے اور عصر دو مثلوں کے بعد آفتاب کے زرد ہونے کے قبل پڑھا کرو۔ اور جب امام کے پیچھے نماز مغرب پڑھ کر فارغ ہوئے تو دو رکعتیں سنت پڑھو۔ اس کے بعد دو رکعتیں یا چار رکعتیں نفل کی دو سلاموں کے ساتھ پڑھو۔ تو اور بہتر ہے۔ پھر اسی لوٹنے کی نیت کے ساتھ مسجد سے نکلو اور اپنے گھر آکر رات کا کھانا اپنے عیال یا مہمان کے ساتھ (اگر کوئی ہو) تناول کرو۔ اور کچھ دیر آرام لے کر جب عشاء کی اذان سنو تو مسجد کی طرف جاؤ اور چار رکعتیں نفل کی فرض سے پہلے پڑھو۔ اور عشاء کی نماز امام کے پیچھے پڑھ کر دو رکعتیں سنت کی اور تین رکعتیں وتر کی پڑھو اگر تمہیں اخیر رات میں جاگ جانے کا یقین نہ ہو ـــــ اور اگر جاگ اٹھنے کا یقین رکھتے ہو تو بہتر یہ ہے کہ وتر تہجد کے بعد اخیر شب میں پڑھے جائیں۔ اور بہتر یہ ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد سورۂ تبارک (الملک) اور آلم سجدہ پڑھو۔

پھر خواب گاہ پر آکر یہ دعائیں پڑھو :-

بِاسْمِكَ رَبِّيْ وَضَعْتُ جَنْبِيْ وَبِكَ اَرْفَعُهٗ اِنْ اَمْسَكْتَ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لَهَا وَارْحَمْهَا وَاِنْ رَدَدْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهٖ عِبَادَكَ الصَّالِحِيْنَ۔ بِسْمِ اللّٰهِ

۱۔ اصطلاح فقہ میں مثل سے مراد یہ ہے کہ ہر ایک چیز کا سایہ علاوہ اصل سایہ کے اس کے قد کے برابر ہو جائے۔ (مترجم)

عَلٰی نَفْسِیْ وَعَلٰی دِیْنِیْ وَعَلٰی مَالِیْ وَعَلٰی اَھْلِیْ وَعَلٰی اِیْمَانِیْ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِہٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۔ اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّآمَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَءَ وَبَرَءَ وَمِنْ شَرِّ مَا یَخْرُجُ مِنَ الْاَرْضِ وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمِنْ شَرِّ طَوَارِقِ اللَّیْلِ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۔

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ اِعْتَصَمْتُ بِاللّٰہِ مَا شَآءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ۔ (تیرے ہی نام کے ساتھ میں نے (بستر پر) اپنا پہلو رکھا ہے اور تیرے ہی نام سے اٹھاؤں گا۔ اگر تو میری جان کو روک لے تو اس کی مغفرت کر دیجیو اور اس پر رحم فرمائیو اور اگر تو اس کو لوٹا دے تو اس کی ایسی ہی حفاظت کیجیو جیسے تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔ اللہ کے نام پاک کے ساتھ میں اپنی جان، مال، اہل و عیال اور ایمان کی حفاظت چاہتا ہوں)۔ اللہ کے نام کے ساتھ جس کے نام کی برکت سے زمین اور آسمان میں کوئی چیز نقصان نہیں دے سکتی اور وہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔ میں پناہ چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ کے ساتھ ہر اس چیز کے شر سے جس کو اس نے پیدا فرمایا۔ میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی اور پھیلائی اور عدم سے وجود بخشا اور ہر اس چیز کے شر سے جو زمین سے نکلتی ہے اور اس چیز کے شر سے جو آسمان سے نازل ہوتی ہے اور مجھے پناہ دیجیے رات کے وقت آنے والی چیزوں کے شر سے اور گرہوں میں پھونکنے والی عورتوں کے شر سے اور پناہ میں رکھیے حاسد کے شر سے جب حسد کرے۔ میں اللہ پر ایمان لایا اس پر بھروسہ کرتے ہوئے یعنی اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیا ہے۔ وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہے۔ اللہ تعالیٰ

پھر اپنے دائیں پہلو پر کعبے کی طرف رخ کر کے جیسا کہ قبر میں تمہیں سونا پڑے گا سو جاؤ۔ پھر اگر تم نے آخر شب میں اٹھ کر وضو کیا اور تہجد کی نماز پڑھی اور درود شریف حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر سو دفعہ بھیجا اور سو دفعہ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَعَافِنِیْ وَاعْفُ عَنِّیْ (اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور عافیت عطا فرما اور مجھے معاف کر دے) اور سو مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ (پاک ہے اللہ اور اسی کے لیے ہی تعریف ہے۔ پاک ہے عظمت والا اور اسی کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں) پڑھا تو یہ تمہارے لیے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ اور تہجد کی نماز کم از کم دو رکعتیں ہیں اور

زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں جس قدر تم بآسانی پڑھ سکو پڑھو۔

اور اگر ان میں سورہ "یٰسٓ" پڑھ سکو تو یہ بہت بہتر ہے۔ اور اس میں بڑا اجر ہے۔

اے عزیز! جاننا چاہیے کہ جب تم نے نماز شروع کی اور اپنے ہاتھوں کو کانوں کے قریب لاکر تم نے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا تو گویا تم نے ماسوی اللہ کو پس پشت ڈال دیا اور تم اپنے مولا و آقا کے سامنے اس حال میں کھڑے ہو کہ اس کی پکڑ اور گرفت سے ڈر رہے ہو اور تم اس کی عفو و رحمت کے امیدوار ہو۔ اور جب تم اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھے ہوئے ہو تو اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تم ایک مجرم غلام کی حیثیت میں اپنے مولا کے حضور میں حاضر ہو اور تمہارے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور تم اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (سب تعریفیں اللہ کے لیے جو پروردگار ہے سارے جہانوں کا) کہہ کر اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی نعمتوں کا اظہار کر رہے ہو اور اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا) کہہ کر (اس کی رحمت کی طرف غایت احتیاج کی وجہ سے) اس سے رحمت طلب کر رہے ہو۔ اور مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ (مالک ہے روزِ جزا کا) کے قول سے اس کے الطاف و عنایات کے خواہاں ہو کر اس کی ثنا اور تعریف کر رہے ہو۔ اور اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ (تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں) کے کہنے سے اپنی عبادتوں کا اسے ہی مستحق بناتے ہو اور امداد طلب کرنے کے لیے اسے ہی خاص کرتے ہو اور اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ (چلا ہم کو سیدھے راستہ پر) کے کہنے سے دین پر استقامت کا سوال کر رہے ہو۔ اور صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ (راستہ ان کا جن پر تو نے انعام فرمایا) کے کہنے سے صالحین کی اتباع اور جن پر خداوند تعالیٰ نے نعمتیں برسائی ہیں یعنی انبیاء، صدیقین اور شہداء کی تقلید کا سوال کر رہے ہو اور غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ اٰمِیْن (نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا ۔ اس دعا کو قبول فرما) کہتے وقت اس کے غضب اور اپنی گمراہی سے پناہ مانگ رہے ہو۔

پس جبکہ تم فاتحہ اور قرأت پڑھ چکے تو گویا اب تمہیں کہا جا رہا ہے کہ اب اپنے رب کے سامنے جھک جاؤ اور اس کی تعظیم زبان اور تن سے بجا لاؤ تا کہ وہ تم پر رحم کرے اور تمہاری دعاؤں کو شرفِ قبولیت بخشے۔ پس تم جھک پڑتے ہو۔ اور رکوع کرتے ہوئے دوہرے ہو جاتے ہو اور کہتے ہو سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ (پاک ہے میرا پروردگار عظمت والا) اس میں اشارہ ہے پروردگار کی بڑائی اور بندے کی ذلت کی طرف۔

اب گویا تمہیں کہا جاتا ہے کہ اپنے سر کو اٹھاؤ کہ تمہارا رب تم پر مہربان ہوا ہے اور تمہاری دعا اور تسبیح کو اس نے سن لیا ہے اور قبول فرمایا ہے۔ پس تم اس حال میں کھڑے ہو جاتے ہو کہ تمہارے بندھے ہوئے ہاتھ بھی کھول دیئے جاتے ہیں اور تم کہتے ہو سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ، رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ (اللہ نے اس کی سن لی جس نے اس کی تعریف کی۔ اے ہمارے پروردگار سب تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں) کہ تم نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔

پھر جبکہ تمہیں قبول کی بشارت مل جاتی ہے تو تم اس شکرانہ میں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عفو فرما دیا ہے۔ اس کے سامنے سجدے میں گر پڑتے ہو اور اس طریقہ سے اپنے تئیں ذلیل کرتے ہو اور اپنے رب جل شانہٗ کی بڑائی اور پاکی کے ساتھ تسبیح یعنی سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی (پاک ہے میرا پروردگار بہت بلند) پڑھتے ہو اور سجدہ کو پھر دوہراتے ہو یہ اس لیے کہ یہ دو سجدے تمہاری ذلت اور اللہ پاک کی تقدیس پر تمہارے دو گواہ ہیں۔

اور یہی دوسری رکعت کی کیفیت اور حقیقت ہے۔ پھر جبکہ دونوں رکعتیں پڑھ چکے تو اب تمہیں اپنے رب کی مجلس انس میں بیٹھنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ اس وقت تم اپنے پروردگار پر سلام کہتے ہو اس قول سے کہ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبَاتُ (تمام قولی عبادتیں اور تمام فعلی عبادتیں اور تمام مالی عبادتیں اللہ کے لیے ہیں) اس وقت گویا تمہیں کہا جاتا ہے کہ جو کچھ یہ فضیلت اور کرامت تمہیں عطا ہوئی ہے۔ یہ محض حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور طفیل سے ہے اس لیے کہ اسی مقدس ہستی ہی نے تمہیں اس ترتیب کے ساتھ نماز سکھائی ہے تو تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو حاضر سمجھ کر

یہ کہتے ہو کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ (سلام ہو تم پر اے نبی اور اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں) تو تمہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح جواب دیتے ہیں کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ (سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تمہارے سلام کو محض اپنے نفس مبارک کے لیے خاص نہ فرمایا۔ بلکہ سب صالح بندگان خدا کو اس میں شامل فرما لیا۔ اس لیے کہ آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا گیا ہے جبکہ صلحاء کے ارواح نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عام عنایت کو سنا تو سب پکار کر کہنے لگے کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں) اب تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کو سن کر کہتے ہو اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ (الٰہی ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیج) آخر صلوٰۃ تک۔

اب تمہیں کہا جاتا ہے کہ سلام پھیرو کہ سلامتی سے فائز ہوئے تو تم دائیں اور بائیں کہتے ہو اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ (تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت) اور کہتے ہو کہ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ وَاِلَیْكَ یَرْجِعُ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ (اے اللہ تو ہی سلامتی دینے والا ہے اور سلامتی تیری ہی طرف سے ہے اور سلامتی تیری ہی طرف لوٹتی ہے تو بڑی برکت والا ہے تو اے ہمارے پروردگار اور بہت بلند ہے تو اے جلال اور بزرگی والے)

جاننا چاہیے کہ روزہ آگ (دوزخ) کے لیے ایک سپر (ڈھال) ہے اور سب عبادات میں نفس پر زیادہ شاق اور ریا و نمائش سے دور تر روزہ سے کوئی چیز نہیں۔ اور یہ بدنی عبادت ہے جو ہر ایک مکلف پر نماز کی طرح فرض ہے مگر مسافر (و مریض وغیرہ) کو کہ اسے قضاء کی نیت اور ارادہ کے ساتھ افطار (روزہ نہ رکھنا) جائز ہے۔

حدیث قدسی میں ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ "روزہ خاص میرے ہی لیے ہے اور میں

اس کی بہت بڑی جزا دیتا ہوں۔" (مشکوٰۃ)

اور روزہ کی فضیلت میں قیامت کے دن حق تعالیٰ کا یہ فرمانا کافی ہے کہ:

کُلُوۡا وَ اشۡرَبُوۡا ہَنِیۡٓـئًۢا بِمَاۤ اَسۡلَفۡتُمۡ فِی الۡاَیَّامِ الۡخَالِیَۃِ (پ ۲۹ ع ۵)

"کھاؤ اور پیو مزے سے اس صلہ میں جو تم ایام گزشتہ میں بھیج چکے ہو۔"

روزے کی تین قسمیں ہیں۔ فرض[۱]۔ واجب[۲] اور نفل[۳] رمضان کے روزے تو ہر ایک مکلف تندرست مقیم پر فرض ہیں۔

اور جانو کہ روزہ محض اس سے عبارت نہیں کہ مفطرات ثلثہ (تین روزہ توڑنے والی چیزوں یعنی کھانے پینے اور جماع) سے رک جاؤ بلکہ اس کے پانچ اور بھی مفطرات ہیں اور وہ یہ ہیں جھوٹ، غیبت، چغلی، جھوٹی قسم کھانا اور نظر بد۔ اگر تم نے روزے کو ان سب مفطرات سے بچا لیا تو تمہارا روزہ بیشک آگ کے سامنے سپر ہوگا۔ اور قیامت کے دن کے لیے تمہارا توشہ بن جائے گا اور اگر تم نے ان امور سے حفاظت کا خیال نہ رکھا تو تمہیں روزے سے بھوک اور پیاس کے سوا کیا حاصل ہوا؟

تو اے عزیز! کوشش کرو کہ تمہارا روزہ ان سب مفطرات مذکورہ سے سلامت رہے اور تمہارے روزے کا ثواب اس قابل و لائق ہو کہ اسے اپنے رب کی بارگاہ میں ہدیہ بنا کر بھیج سکو، اور کفارات اور نذروں اور نسک کے روزے واجب ہیں۔

اور شوال کے چھ روزے اور عاشورا کے دن کا روزہ اور ایک دن پہلے اس سے یا ایک دن اس کے بعد روزہ رکھنا اور ایام بیض (۱۳-۱۴-۱۵ ہر ماہ) کے روزے نوافل میں سے ہیں۔ اگر یہ روزے رکھ سکو تو ان میں بڑی فضیلت ہے اور اگر اتنی طاقت نہ ہو

وَمَا جَعَلَ عَلَیۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ مِنۡ حَرَجٍ (پ ۱۷ ع ۱۷)

"تو اللہ تعالیٰ نے دین کے بارہ میں تم پر کوئی تکلیف لازم نہیں کی ہے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَاَتْبَعَہٗ بِسِتٍّ مِّنْ شَوَّالٍ کَانَ کَصِیَامِ الدَّھْرِ

(رواہ مسلم۔ مشکوٰۃ)

"جس نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد شوال کے چھ روزے بھی رکھے تو گویا اس نے ہمیشہ روزے رکھے۔"

اس لیے کہ ہر نیکی کا بدلہ دس گنا دیا جاتا ہے تو رمضان کا ایک مہینہ دس مہینے کے برابر ہُوا۔ اور چھ دن اس حساب سے ساٹھ دن ہوئے۔ کل حال ملا کر ایک سال کامل ہو گیا۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ (پ۲۸ ع۱۱)

"یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے دے۔"

اور بہتر یہ ہے کہ رمضان کی راتوں میں اتنا نہ کھاؤ کہ دن کے کھانے کی کسر نکل جائے اور اپنے پیٹ کو کھانے کا برتن سمجھ کر حلق تک نہ ٹھونس دو بلکہ کچھ بھوکے رہنے دو۔ تاکہ روزے کے اسرار تم پر کھلیں اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ فقرا اور مساکین کی بھوک کا تمہیں احساس اور قدر ہو اور سب سے بہتر تو یہ ہے کہ اپنے دن کا بچا ہُوا کھانا فقراء پر صدقہ کر دو۔

اور رمضان کی راتوں میں عشاء کے فرض اور سُنّت کے بعد مسنون ہے (مراد سُنّت سے خلفائے راشدین کی سُنّت ہے) کہ نماز تراویح کی بیس رکعت پڑھو اور افضل یہ ہے کہ ان میں قرآن مجید کا ختم تم پڑھو یا کسی حافظ کے پیچھے سنو۔ اس لیے کہ جس نے رمضان کے دنوں میں روزے رکھے اور راتوں کو تراویح میں کھڑا رہا۔ تو اس کا نام صائمین اور قائمین کی فہرست میں لکھا جائے گا۔ باقی روزے کے مفصل احکام وغیرہ فقہ کی کتابوں[۱] میں مذکور ہیں اگر چاہو تو ان کی طرف رجوع کرو۔

حقیقت کتاب الصیام

[۱] "روزہ کے فضائل و مسائل پر بڑی جامع اور مستند کتاب "رکن دین" کا اس موضوع پر عمدہ کتاب ہے ۱۲۔" (ناشر)

حج کا بیان : ارکانِ اسلام سے تیسرا رکن حج ہے اور حج عبادتِ بدنیہ بھی ہے اور مالیہ بھی۔ ہر اس شخص پر جس کو جانے کی قدرت ہو، فرض ہے اور حج اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تقرب کا بڑا وسیلہ ہے اور حج مبرور (جس میں بھلائیاں کی گئی ہوں) کی جزا جنت ہی ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ۝ (پ۴ ع۱)

"اللہ کے لیے لوگوں پر بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے۔ اس شخص پر جس کو مقدور ہو اور جو شخص کفر (انکار) کرے تو اللہ دنیا جہان والوں سے بےشک بے پرواہ ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر جو استطاعت ہوتے ہوئے بھی روگردانی کرتا ہے، کفر کا لفظ اطلاق کیا ہے۔ یعنی جس شخص نے باوصف قدرت کے حج ادا نہ کیا تو گویا وہ کافر ہوا۔ عیاذاً باللہ (اللہ پناہ میں رکھے)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ :

مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ۔ (متفق علیہ مشکوٰۃ)

"جس نے اللہ کے لیے (خانہ کعبہ) کا حج کیا اور عدول حکمی نہ کی اور اس میں عورت سے باز رہا تو گناہوں سے پاک ہو کر اس طرح لوٹے گا۔ گویا کہ اس کو اس دن ماں نے جنا ہے۔" (یعنی گناہوں سے پاک)

تو اگر تمہیں استطاعت ہے تو اپنے رب کی بارگاہ کی حاضری اور گناہوں کی مغفرت کی جگہوں کی زیارت میں غفلت نہ کرو اور ڈھیل نہ دو۔ تمہیں کیا خبر ہے کہ آئندہ سال تک تمہیں زندہ رہنے کی مہلت دی جائے گی یا نہیں۔ پس جبکہ تم اپنے گھر سے نکلنے کا قصد کر چکے اور اپنے اہل و عیال کو رہنے کا مکان اور کھانے پینے کا نفقہ اور لباس آشنا دے چکے جو تمہاری واپسی تک ان کو کافی ہو سکے تو اپنے نفس کو نفسی اور مالی تاوانوں اور حقوق سے آزاد کر لو۔ اور شناسا لوگوں سے وداعی رخصت

لے لو اور حج کے سفر کو آخرت کا سفر سمجھو اور واپس لوٹنے کا خیال اور طمع دل سے نکال لو۔ اور صالح لوگوں کی رفاقت اختیار کرو۔ اور رفیقوں کے ساتھ سفر میں نرمی سے پیش آؤ۔ اور ان کے ساتھ بھلائی کرو اور ان کی پہنچائی ہوئی تکلیف جہاں تک ہو سکے برداشت کرو۔

پس جب میقات[1] پر پہنچو تو

فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ط (پ ۱۶ ع ۱۰)

" اپنے جوتے اتار ڈالو اس لیے کہ تم وادیٔ مقدس طوی میں ہو۔"

یعنی اپنے نفس کی خواہشات اور آرزوؤں کی جوتیاں اتار ڈالو۔ اور اپنے معمولی اور مانوس کپڑے اتار کر کفن پہن لو جس کو احرام کہا جاتا ہے اور اپنے سر کو ننگا کر دو۔ اس لیے کہ حرم رب کی طرف متوجہ ہو اور اپنے گناہوں کی بخشش کی جگہ حاضر ہو رہے ہو اور پوری پاکی کے بعد دو رکعتیں احرام کی پڑھو اور زبان حال اور قال سے کہو:

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ ط

" اے اللہ میں حاضر ہوں (ہاں) میں حاضر ہوں آپ کا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، سب تعریفیں اور ساری نعمتیں آپ ہی کیلئے ہیں اور بادشاہی بھی آپ ہی کی ہے، آپ کا کوئی شریک اور ساتھی نہیں۔"

گویا کہ تم اپنے پروردگار کے بلانے والے حضرت ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت پر لبیک کہہ رہے ہو کہ وہ تمہیں اپنے رب کے گھر میں حاضری کے لیے پکار رہے تھے۔ جبکہ انہیں اللہ تعالیٰ نے امر فرمایا تھا کہ:

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۙ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ ۔ (پ ۱۷ ع ۱۱)

" لوگوں میں حج کا اعلان کر دو۔ آئیں گے وہ تمہارے پاس پیدل اور سوار ہو کر دبلی اونٹنیوں پر دور دراز راستے سے تاکہ حاضر ہو جائیں اپنے فائدے کے لیے

---

[1] وہ مقررہ جگہ جہاں سے احرام باندھا جاتا ہے (ہامش)

اور اللہ کا نام لیں چند معلوم دنوں تک ۔"

تو گویا اب تم ان کے بلاوے کی اس طرح اجابت کر رہے ہو کہ " لبیک ! غلام حضور میں حاضر ہے !

پس جبکہ تمہاری نظر کعبۂ معظمہ پر پڑ جائے تو اللہ تعالیٰ سے ایمان اور نفس و شیطان کی شرارتوں سے امان کا سوال کرو اور بیت اللہ کا سات مرتبہ نہایت عجز اور اپنی ذلت کے اظہار کے ساتھ طریقۂ مسنونہ پر طواف کرو ۔ اور ماثورہ دعائیں پڑھو اور ملتزم سے چپٹ جاؤ اور دامن (غلاف) کعبۂ مکرم پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت کی خیر اور بہتری کی دعائیں مانگو اور اپنے گناہوں کو اپنے دل میں یاد کر کے ان پر آنسو بہاؤ اور دو رکعتیں طواف کے مقام (ابراہیم) کے پیچھے پڑھو ۔ اور صفا کی طرف قلب کی صفائی کے ساتھ نکلو اور دونوں مروؤں پر[1] مروت اور اطمینان اور وقار سے دوڑو اور کسی کو اپنی دوڑ میں تکلیف نہ پہنچاؤ ۔ اور اگر تمہیں کوئی ایذا پہنچے تو اس پر صبر کرو ۔

اگر تم مفرد یا قارن ہو تو احرام باندھے ہی رہو اور عرفات کی طرف ننگے سر اور ننگے پاؤں نکل جاؤ ۔ بہتر یہ ہے کہ پا پیادہ چل کر جاؤ ۔ اس دوران میں لبیک اور دعا اور زاری کے ساتھ ہر وقت مشغول رہو اور جانو کہ عرفات عرصات قیامت کے مثال ہے ۔ جہاں پر سب لوگ ایک میدان میں جمع ہوتے ہیں ۔ بعض ان میں سے ناجی ہیں اور بعض ہلاکت میں پڑے ہوتے ہیں جو ناجی ہے وہ مقبول ہے ۔ اور جو مخذول (رسوا) ہے ۔ وہی ہلاکت میں پڑا ہوا ہے ۔

اور غروب آفتاب کے بعد مزدلفہ کی طرف اسی طرح جیسا کہ مذکور ہوا لوٹو اور مزدلفہ میزان (ترازو) اعمال کی طرح ہے ۔ جو قیامت کے دن ہوگا ۔ اور منیٰ میں کنکریاں پھینکنا پلصراط کی مثال ہیں ۔ اگر صراط پر سلامتی سے گزر گئے تو جنت یعنی بیت اللہ الحرام میں امن کی حالت اور طرح طرح کی عزتوں سے معزز ہو کر داخل ہو

---

[1] صفا اور مروہ دو پہاڑیوں کے نام ہیں ۱۲ منہ

گئے، پھر منیٰ میں تین دن ٹھہرو اور کنکریاں پھینکنے کے بعد اگر استطاعت ہے تو پہلے دن ایک بکرا ذبح کرو اور سر کے بال منڈاؤ۔ اور اپنے معمولی کپڑے پہن لو، اس میں اپنے نفس امارہ (جو بری باتوں کا امر کرتا ہے) کے ذبح کی طرف اشارہ ہے۔ پس اس کا گلا اچھی طرح کاٹ دینا اور اس کو زیادہ تیار اور موٹا نہ بنانا کہ جب تم واپس لوٹو تو یہ نفس کہیں پہلے سے بھی زیادہ موٹا اور خبیث ہو کر نہ لوٹے۔

زیارتِ مدینہ :۔ جب تمہیں ارکان حج سے فراغت ہوئی تو طیبہ طاہرہ (مدینہ منورہ) جانے کے لیے تیار ہو جاؤ اور اس مبارک سفر سے قصد و نیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پاک اور آپ کی معطر و مصفٰے خوابگاہ کی زیارت ہی ہو۔ اور جاتے وقت سارے راستہ میں ادب کو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بہت بہت پڑھتے رہنا اور وہ پہاڑ جو حرمین شریفین کے درمیان واقع ہیں۔ ان کو نہایت عزت اور شرف کی نگاہ سے دیکھنا۔ اس لیے کہ ان پر حضور انور کی نظر مبارک پڑی تھی اور ان کو بے جان اور جامد نہ سمجھنا بلکہ یہ بھی تمہارے ساتھ بادلوں کی طرح سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے چل رہے ہیں اور ادب اس میں ہے کہ مدینہ منورہ میں پا پیادہ ننگے پاؤں اپنی نظر کو قدموں پر جما کر داخل ہو جاؤ۔

اور جب مسجد مکرم نبوی کے قریب پہنچو تو طہارت کاملہ اور خوشبو لگانے کے بعد اس میں داخل ہو۔ اور مواجہہ شریف یعنی آنحضرتؐ کے چہرہ شریف کی طرف رُخ کر کے دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر کھڑے رہو اور کہیں یہ خیال نہ کر بیٹھنا کہ میں حضور انور کی موت کی حالت میں زیارت کر رہا ہوں۔ بلکہ آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ تمہیں پہچانتے ہیں اور تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں تو خشوع و خضوع اور ادب میں تمہیں نہایت کوشش کرنی چاہیئے۔ اور حضورؐ سے تمہارا سب سے اہم سوال آپ کی شفاعت کا ہی ہونا چاہیے پس کہو اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صلوٰۃ وسلام ہو آپ پر اے اللہ کے رسول) حضور! میں آپ کی زیارت کے لیے اس حال میں حاضر ہوا ہوں کہ اپنے آپ پر ظلم کیے ہوئے ہوں۔ تو آپ میرے رب

سے میرے لیے مغفرت وبخشش طلب کیجئے۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں آپ ہی کی زبان مبارک سے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (پ ۵ ع ۶)

"اگر یہ لوگ جب انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا تھا۔ تمہارے پاس آجاتے اور اللہ سے معافی چاہتے۔ اور معافی چاہتے ان کے لیے رسولؐ تو ضرور پاتے اللہ کو توبہ قبول فرمانیوالا بڑا مہربان۔

تو حضور دیکھیے میں بھی آپ کے پاس اپنے گناہوں کی بخشش اور معافی چاہنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ آپ مجھے معافی دلوا دیجئے۔

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اَعْظُمُهٗ - فَطَابَ مِنْ طِيْبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْاَكَمُ

نَفْسِى الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاكِنُهٗ - فِيْهِ الْعَفَافُ وَفِيْهِ الْجُوْدُ وَالْكَرَمُ

"اے ان سب لوگوں سے بہترین! جن کی ہڈیاں مٹی میں دفن کی گئی ہیں جن کی خوشبو سے چٹیل میدان اور ٹیلے سب خوشبودار ہو گئے ہیں۔ میری روح اس قبر پر قربان ہو۔ جس میں آپ استراحت فرما ہیں۔ اس میں بڑی نفاست اور پاکیزگی ہے اور اس میں جود و کرم کا دریا امنڈ رہا ہے۔

اور اپنی نظر کو مسجد کی زیب و زینت اور اس کے طلائی نقوش اور اس کی آراستگی میں نہ لگا دو بلکہ اپنے قلب کی نظر ان انوار اور پھولوں میں گاڑ دو جو آپ کے حرم محترم پر برس رہے ہیں۔

اسی طرح آپ کے ہمخواب صاحبین اور دنیا و برزخ و آخرت کے رفیق سیدنا صدیق و سیدنا فاروق رضی اللہ عنہما پر سلام کہو۔

اور ایک بات ادب کی یہ ہے کہ اپنے جسم کو ان محترم جالیوں سے نہ چپٹا دو اس لیے کہ وہ مقربین ملائکہ اور عبادِ صالحین کے حاضری کی جگہ ہے۔ اور طیبہ طاہرہ

(مدینہ منورہ) کے ہمسائگی کے مبارک ایام کو نہایت غنیمت سمجھو اور اس زمانہ میں عبادت اور راتوں کے جاگنے میں بہت کوشش کرو۔

اور دوسرے یادگار مقامات اور قبرستانوں کی زیارت کرو خصوصاً جنت البقیع کے مقابر کی اور اس میں حضرت عثمان ذی النورین کی زیارت اور آل اطہر اور اولاد مطہر اور امہات المؤمنین اور باقی عبادِ صالحین کی زیارت کو بہت غنیمت جانو۔

بقیع میں ایسے خزانے مدفون ہیں جن کی قدر کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور احد اور قبا کے مآثر و مقابر کی زیارت کے لیے بھی جاؤ۔ احد ایسا پہاڑ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کیا کرتا تھا اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم بھی اس سے محبت رکھتے تھے اسی احد میں سید الشہداء (حضرت حمزہؓ) کی تربت ایک خزانہ بے بہا ہے۔ اور اس میں اور شہیدوں کی بھی تربتیں ہیں۔ جن کے قدر اور مرتبے کو اللہ ہی جانتا ہے۔

اسلام کا چوتھا رکن زکوٰۃ ہے اور زکوٰۃ عبادت مالیہ ہے جس کی فرضیت قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اس کا ترک گناہ کبیرہ ہے اور اس سے انکار کرنا بھی مثل اور ارکان کے ارتداد (مرتد ہونا) ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝ ”جو لوگ جمع کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو خوشخبری سنا دیجیے دردناک عذاب کی۔ جس دن وہ (سونا چاندی) دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے داغے جائیں گے ان کے ماتھے اور کروٹیں پہلو اور پیٹھیں (اور کہا جائے گا کہ یہ ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا۔ اب مزا چکھو اپنے جمع کرنے کا۔“ (پ۱۰ ع۱۱)

لہ حج و زیارت کے مفصل فضائل، مسائل و اسرار و احکام کتاب الحج (مصنفہ حضرت مولانا مفتی محمد محمود صاحب الوری مدظلہ) میں پڑھیے۔ اس موضوع پر بہترین کتاب ہے۔ (ناشر)

اور حضرت ابابکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

لَاُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ الصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ۔ (مشکوٰۃ)

"قسم ہے خدا کی البتہ میں اُس سے لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرتا ہے"

اور زکوٰۃ اسی پر ہوتی ہے۔ جو مالک نصاب ہو اور نصاب نقد اور زیور اور چوپایوں کا فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

اور اے عزیز جانو! کہ مال حقیقت میں سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے تم تو ماذون (اذن دیئے گئے) غلام کی طرح سے ہو۔ ماذون غلام کو اسی قدر مال میں تصرف جائز ہے جہاں تک کہ اس کے آقا نے اسے اجازت دے رکھی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں تصرف کی اتنی اجازت دی ہے کہ مال کو شرعی طور پر حاصل کرو اور شرعی طور پر خرچ کرو اور یہ بھی اس کا حکم ہے کہ ایک حصہ اس مال میں سے فقراء اور مساکین اور اہل حاجت کو دے دو۔ تو پھر تم اس میں بخل کیوں کرتے ہو تمہیں نہایت خوشی اور فراخدلی سے دے دینا چاہیئے۔

بلکہ اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھو کہ وہ تم سے قبول کرتا ہے اس لیے کہ قریب ہی ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں کوئی کسی سے کچھ نہ لے گا۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَیْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ (پ ۴ ع ۹)

"نہ سمجھیں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس مال پر جو اللہ نے ان کو دیا ہے اپنی مہربانی سے کہ یہ ان کے حق میں بہتر ہے۔ بلکہ یہ ان کے لیے بُرا ہے۔ قریب ہے کہ قیامت کے دن طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا اُس چیز کا جس پر انہوں نے بخل کیا تھا۔"

لہ زکوٰۃ کے موضوع پر کتاب "الزکوٰۃ رکن دین کا حصہ" بہترین کتاب ہے۔ (ناشر)

جب مال اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ اور اس نے اپنے فضل سے بغیر تمہاری کسی حقداری کے تم کو اس سے فائدہ اٹھانے کا حق دیا ہے اور تمہیں ایک مقررہ مدت تک اس پر امین بنایا ہے تو تم اس میں خیانت اور بخل نہ کرو۔ اس لیے کہ بہت ممکن ہے کہ وہ اسے تم سے چھین کے دوسرے کو دے دے جیسا کہ دوسرے سے لے کے تمہیں دے دیا۔

اور جانو کہ زکوٰۃ کے حکم میں یہ راز ہے کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنے صادق اور کاذب بندوں کا امتحان لیتا ہے اس لیے کہ دنیا ایک فتنہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ ؕ (پ ۲۸ ع ۱۶)

"تمہارے اموال اور اولاد فتنہ ہیں۔"

اور اموال اور اولاد کی محبت انسان کے لیے ایک طبعی بات ہے۔ پس جس شخص نے اپنی طبیعت کی مخالفت کی اور مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف کر دیا اور اپنے مال کی زکوٰۃ فقراء کو دے دی تو وہ بڑی کامیابی کو پہنچا۔

اور جس نے اپنی طبع لئیم کی موافقت کی اور اللہ پاک کی دی ہوئی چیزوں میں بخل کرنے لگا۔ اور اللہ نے جو اس پر فرض کیا تھا اس کو ادا نہ کیا تو وہ بڑے گھاٹے میں رہا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ ○ (پ ۲۰ ع ۱۳)

"کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ چھوٹ جائیں گے اتنا کہہ کر کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا۔ اور ہم نے آزمایا تھا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے تھے۔ پس اللہ معلوم کرے گا ان لوگوں کو جو سچے ہیں اور معلوم کریگا جھوٹوں کو۔"

نفلی صدقہ: اور ان چیزوں میں سے جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور غضب سے نجات دے سکتی ہیں۔ ایک نفلی صدقہ بھی ہے جو محتاج لوگوں کو دیا جاتا ہے اور نجات دہندہ امور میں سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر رحم کرنا بھی ہے۔ چھوٹا ہو چاہے بڑا، فقیر ہو یا غنی، مسلمان ہو یا کافر، انسان ہو چاہے حیوان۔ یہاں تک کہ کیڑے مکوڑے پر بھی۔ اور جن

موذی جانوروں کے مارنے کی شرع شریف نے اجازت دی ہے۔ ان کو قتل کیا جائے گا لیکن کسی طرح بھی عذاب دینا یا آگ میں جلانا بالکل روا نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

إِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ (مشکوٰۃ)

"صدقہ پروردگار کی آتشِ غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے۔"

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ۔ (مشکوٰۃ، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

"رحم کرنیوالوں پر رحمان بھی رحم کرتا ہے تم زمین کے لینے والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔"

اور صدقہ کے آداب میں سے یہ ہے کہ صدقہ دل کی خوشی کے ساتھ بغیر احسان جتلانے کے اپنے دائیں ہاتھ سے دو۔ اور دینے کے بعد اس شخص کو کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ۔ اور روپیہ پیسہ فقیر کو پھینک کر نہ دو بلکہ اپنے ہاتھ پر رکھ کر اس کے سامنے کر دو۔ تاکہ وہ تمہارے ہاتھ سے لے لے، اور فقیر کا ہاتھ اونچا رہے۔ اس لیے کہ فقیر کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس بھیجا ہے تاکہ تمہیں اس بار سے سبکدوش کر دے جس کا تمہیں خداوند تعالیٰ نے حکم دیا ہے تو اپنے رب کے بھیجے ہوئے کو حقیر نہ بناؤ۔

اگر اس نے خوشی سے لے لیا تو اس کا تم پر احسان ثابت ہوا۔ اور اگر اس نے رد کر دیا اور سوال میں سختی کرنے لگا۔ تو اس کو اپنے کسی قول و فعل سے ایذا نہ پہنچاؤ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ۔

"معقول بات (کرنا) اور (خطا سے) درگزر کرنا بہتر ہے ایسی خیرات سے جس کے بعد ستانا ہو اور اللہ غنی و حلیم ہے۔" (پ۳ ع۴)

اللہ تعالیٰ نے غنی اور حلیم کے کہنے سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ

کے اخلاق کے ساتھ متخلق ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ باوجود اپنی غنا کے ایسا حلیم ہے جو دوست رکھتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے تو اغنیاء پر لازم ہے کہ فقراء کے ساتھ حلم سے پیش آئیں۔

یہ اسلام کے چار ارکان جو ہم نے مختصراً بیان کر دیئے ان کا خوب خیال رکھو اور بیکار سمجھ کر نہ چھوڑ دو۔ کہ ان کے گرنے سے اسلام کی عمارت گر جائے گی۔ عیاذاً باللہ (پناہ بخدا)

اور ان ارکان میں سے ہر ایک کے حدود اور واجبات اور سنتیں اور مکروہات اور مفسدات علم فقہ میں مفصل مذکور ہیں۔ ان کی تعلیم اپنے اوپر لازم رکھو۔ اللہ تمہیں علم نافع اور عمل مقبول نصیب فرمائے۔

فصل

(اعمال قلب اور روح کے بیان میں)

یہ باب ایسا وسیع بحر ہے کہ اس کے ساحل تک توفیق کی رہنمائی کے بغیر کوئی ہدایت یاب نہیں ہو سکتا۔

جاننا چاہیئے کہ قلب اور روح دو ایسے نام ہیں جو اس باب میں بہت مستعمل ہوتے ہیں اور شاذ و نادر ہی ایسا شخص پایا جائے گا۔ جو ان کے معانی اور حدود پر محیط ہو اور اکثر غلطیوں کا منشا ان کے معانی سے ناواقف ہونا ہی ہے۔ جو معنی علمائے ربانیین کے نزدیک ثابت ہے وہ میں تمہیں کھول کر بتا دیتا ہوں۔

اور جو میں بیان کروں گا۔ اس کا اکثر حصہ کتاب "احیاء العلوم" سے مختصر کر کے لیا گیا ہے جس کے مصنف حجۃ الاسلام ابو حامد محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اور احیاء العلوم اپنی خوبیوں کی وجہ سے ہماری توصیف سے مستغنی ہے اور علماء نے اس کی تعریف میں کلام کو بہت طول دیا ہے۔ یہاں تک کہ شیخ محی الدین نووی کہتے ہیں کہ قریب ہے کہ احیاء العلوم قرآن ہوتا اور شیخ سقاف عبدالرحمٰن بن محمد علوی کہتے ہیں کہ جس نے احیاء العلوم کا مطالعہ نہیں کیا تو اس میں حیات ہی نہیں۔ اور شیخ عیدروس عبداللہ علوی

کہتے ہیں کہ اگر مُردے بولنے لگیں تو وہ بھی احیاء العلوم کے پڑھنے ہی کا امر کریں۔ اور شیخ علی بن ابی بکر بن عبدالرحمٰن العلوی کہتے ہیں کہ بسبب اس پوشیدہ راز کے جو احیاء العلوم میں مضمر ہے جو دلوں کو حق تعالیٰ کی طرف کھینچ لیتا ہے۔ اگر ایک کافر بھی اس کے اوراق الٹے گا تو مسلمان ہو جائے گا۔

امام غزالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فرماتے ہیں کہ پہلا لفظ قلب ہے اور اس کا اطلاق دو معنی پر ہوتا ہے۔ ایک اس صنوبری شکل گوشت کو کہتے ہیں جو بائیں جانب سینہ میں رکھا ہوا ہے اور وہ ایک خاص گوشت کا ٹکڑا ہے جس کا اندر خالی ہے اور اس خالی جگہ میں سیاہ خون بھرا ہوا ہے اور وہی روح کا منبع اور معدن ہے۔ یہ قلب تو چوپایوں بلکہ مردوں میں بھی موجود ہے اور ہم جبکہ قلب کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے ہماری مراد یہ نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ وہ تو ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جس کی کوئی قدر نہیں اور یہ عالم ملک شہادت (عالم دنیا) سے ہے۔

دوسرے معنی اس کے یہ ہیں کہ وہ ایک ربانی اور روحانی لطیفہ ہے۔ اس کو اس قلب جسمانی کے ساتھ تعلق ہے اور یہی لطیفہ انسان کی حقیقت ہے اور یہی انسان میں مدرک اور عالم اور عارف ہے اور یہی مخاطب اور مورد عقاب و عتاب و مطالبہ ہے۔ اس کو اس قلب جسمانی کے ساتھ علاقہ تو ہے لیکن اکثر لوگوں کی عقلیں اس علاقہ کی وجہ کے سمجھنے میں حیران ہیں۔ اس لیے کہ اس کا تعلق قلب جسمانی کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اس کی شرح کو ہم دو وجہ سے محفوظ رکھتے ہیں۔

اوّل تو یہ کہ علوم مکاشفہ سے متعلق ہے اور ہماری غرض اس کتاب میں یہ علوم نہیں۔ دوسرے یہ کہ اس کی تحقیق اس امر کی خواہاں ہے کہ روح کے راز کو افشا کیا جائے اور وہ ایسا ہے کہ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کلام کرنے سے کنارہ کشی فرمائی تو دوسرے کو کیا حق پہنچتا ہے کہ اس میں گفتگو کرے۔

مقصود یہ ہے کہ جب ہم قلب کا لفظ اس باب میں لائیں تو اس سے مراد یہی لطیفہ ربانیہ ہے اور دوسرا لفظ روح ہے۔ اس کے بھی دو معنی آتے ہیں۔ ایک ان میں

سے یہ ہے کہ وہ ایک جسم لطیف ہے جس کا منبع قلب جسمانی کی تجویف ہے اور پھڑکنے والی رگوں (شرائین) کے ذریعہ تمامی اجزائے بدن میں پھیل جاتا ہے۔

اور اس کا سارے بدن میں جاری ہونا اور اس کے انوار کا فیض سارے بدن کو پہنچنا اس چراغ کی مثال ہے جس کو گھر کے کونوں میں گردش دی جائے جس سے ہر ایک جگہ پر تو نور سے فائز ہو جائے۔

اور وہ ایک لطیف بخار ہے جس کو قلب کی گرمی نے پکایا ہے۔ اور اس معنی کی شرح بیان کرنے سے ہماری غرض وابستہ نہیں یہ کام تو اطباء ابدان کا ہے۔ لیکن اطباء دین جو قلب کے اس طرح پر معالج ہیں کہ اس کو قرب بارگاہ الٰہی میں لے جائیں ان کی غرض اس مذکورہ بالا روح سے متعلق نہیں۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ ایک لطیفہ ہے جو انسان میں عالم اور مدرک ہے۔ اور وہ وہی ہے جس کی شرح ہم نے معانی قلب میں بیان کر دی تھی اور وہی ہے جس کو حق تعالیٰ نے اپنے اس قول میں ارادہ فرمایا ہے کہ قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (پ۱۵ ع۱۰) کہہ دیجئے کہ روح پروردگار کے حکم سے ہے۔"

اور وہ ایک ایسا عجیب امر ربانی ہے۔ جس کی حقیقت کی سمجھ سے اکثر عقول اور افہام عاجز ہیں۔ اور قلب کے بہت سے خادم اور لشکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ط (پ۲۹ ۱۵۴)

"تمہارے رب کے لشکروں کو اس کے بغیر کوئی نہیں جان سکتا۔"

اب ہم قلب کے بعض لشکروں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اور انہیں سے ہماری غرض متعلق اور وابستہ ہے۔

اس کے لشکر پھر دو حصوں میں منقسم ہوتے ہیں۔ ایک ایسا ہے جو آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے اور ایک ایسا ہے جو نظر عقل کے بغیر نہیں دیکھا جا سکتا۔

اور قلب بادشاہ کی طرح سے ہے اور اس کے لشکر خادموں کا حکم رکھتے ہیں پس اس کے وہ لشکر جو آنکھوں سے دیکھے جاتے ہیں یہ ہیں۔ ہاتھ، پیر، آنکھ، کان، زبان اور باقی تمام ظاہری اور باطنی اعضا یہ سب قلب کے خادم اور اس کے تابع و مسخر ہیں

اور وہ ان میں متصرف ہے۔ اور کوئی اس کے خلاف کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ جبکہ وہ آنکھ کو کھلنے کا حکم دیتا ہے تو کھل جاتی ہے اور جب زبان کو گویائی کی اجازت ملتی ہے تو کلام کرنے لگتی ہے۔ اور جب پیر کو چلنے پھرنے کا حکم ملتا ہے تو چلتا پھرتا ہے۔ اسی طرح سے باقی اعضا کو قیاس کر لو۔

اور وہ لشکر جو نظر عقل کے بغیر نہیں دیکھے جا سکتے۔ بعض ان میں سے حواس باطنہ ہیں یعنی سننا، دیکھنا، سونگھنا، چکھنا، چھونا، اور بعض وہ ہیں کہ جو باطنی منازل میں رہتے ہیں یعنی دماغ کی تجاویف میں وہ بھی پانچ ہیں۔ اس لیے کہ انسان جب کسی چیز کے دیکھنے کے بعد اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ تب بھی اپنے نفس میں اس کی صورت جانتا ہے۔ یہ خیال ہے پھر یہ صورت ایک ایسے سبب کی وجہ سے جو اس کی حفاظت کرتا ہے باقی رہتی ہے اور وہی حافظہ ہے۔ پھر اپنی یادداشت میں فکر کیا جاتا ہے۔ اور بعض اجزائے خیالیہ کو بعض سے ترکیب دی جاتی ہے۔ پھر بھولے ہوئے حصہ کو یاد کیا جاتا ہے اور سب معانی محسوسات کو اپنے خیال میں حس مشترک کے ذریعہ اکٹھا کیا جاتا ہے تو اس طرح سے باطن میں یہ قوتیں پائی جاتی ہیں۔ حس مشترک۔ تخیل۔ تفکر۔ تذکر۔ حفظ (انتہیٰ مختصراً)

اور بعض تفکر کی جگہ توہم کہتے ہیں۔

جس طرح سے کہ حواس ظاہریہ قلب کے مطیع ہیں۔ اسی طرح حواس باطنہ بھی قلب کے فرمانبردار ہیں۔ اس جاننے کے بعد جانو کہ قلب ظاہری جزبدن ہونے کی وجہ سے جسطرح کہ ادنیٰ مرض سے بڑا ضرر پاتا ہے اور اس سے بہت ہی کم نسان شفایاب ہوتے ہیں بالکل اسی طرح سے قلب معنوی آفتوں کے عارض ہونے سے ضرر پاتا ہے اور ہلاک ہو جاتا ہے۔ قلب کے بھی آفات مہلکہ پائے جاتے ہیں اور زبان کے بھی۔

بعض آفات قلبیہ یہ ہیں۔ غضب۔ کینہ۔ حسد۔ حرص۔ طمع۔ کبر۔

اور زبان کی بعض آفتیں یہ ہیں۔ فحش گوئی، گالی دینا، لعن طعن کرنا، بے جا خوش طبعی، تمسخر (ٹھٹھا کرنا) جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، چغلی اور یہ سب باتیں مہلکات

ہیں۔ ان سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

اب ان الفاظ کے معانی کتاب احیاء العلوم سے ہم تمہارے سامنے بیان کیے دیتے ہیں :-

غضب : آگ کا ایک شعلہ ہے جو اس آتشِ الٰہی سے لیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی بھڑکائی ہوئی ہے جو دلوں تک پہنچ جاتی ہے اور یہ دل کی تہہ میں ایسا چھپا ہوا ہے جیسے راکھ کے نیچے انگارا دبا ہوا ہوتا ہے۔

اور اس آتشِ غضب کو تکبر کا وہ مادہ جو ہر ایک جابر اور جھگڑالو کے دل میں پوشیدہ ہے۔ اور بھی تیز کر دیتا ہے جیسا کہ لوہے سے آگ نکلنے لگتی ہے۔ کینہ اور حسد بھی غضب ہی کے نتائج میں سے ہیں اور ان دونوں کی وجہ سے بہت لوگ خراب اور ہلاک ہوئے۔ اصل میں یہ سب فیض ایک ایسے گوشت کے ٹکڑے (قلب) کا ہے کہ جس کی اصلاح سے سارا بدن اصلاح یاب ہوتا ہے اور جس کے فساد سے سارا بدن فاسد ہو جاتا ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ غضب کے ذم میں فرماتا ہے کہ :

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (پ ۲۶ ع ۱۱)

"جس وقت ٹھان لی کافروں نے اپنے دل میں جاہلیت کی ضد تو اللہ نے نازل فرمایا اپنی طرف سے سکون اپنے رسول اور مسلمانوں پر۔"

اللہ تعالیٰ نے کفار کی ذم اس لیے فرمائی کہ وہ اس ننگ و عار کا مظاہرہ کر رہے تھے جو کہ غضب باطل سے صادر ہوتا ہے اور مومنین کی مدح اس لیے فرمائی کہ ان پر سکون اور قرار نازل فرمایا گیا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ :

اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مُرْنِيْ بِعَمَلٍ وَّاَقْلِلْ قَالَ لَا تَغْضَبْ ثُمَّ اَعَادَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَا تَغْضَبْ۔ (احیاء — بخاری)

"ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ مجھے

کسی عمل کا حکم فرمایئے لیکن جو بہت ہی کم ہو۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم غصہ مت کرو۔ اس نے پھر یہ سوال دہرایا، آپ نے پھر فرمایا کہ غصہ نہ کرو۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ:

قُلْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْ لِي قَوْلًا وَّ أَقْلِلْهُ لَعَلِّي أَعْقِلُهُ فَقَالَ لَا تَغْضَبْ فَاَعَدْتُ عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ كُلَّ ذٰلِكَ يَرْجِعُ إِلَيَّ لَا تَغْضَبْ۔ (احیاء ۔ ابو یعلی)

"میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے کچھ فرمایئے مگر جو بہت ہی کم ہو تاکہ میں سمجھ سکوں۔ آپ نے فرمایا کہ غصہ مت کر۔ میں نے دو مرتبہ پھر اسی سوال کو دہرایا، آپ ہر ایک مرتبہ فرماتے رہے کہ غصہ مت کرو۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ:

أَنَّهُ سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاذَا يُنْقِذُنِيْ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ قَالَ لَا تَغْضَبْ۔ (احیاء ۔ طبرانی)

"میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ مجھے کیا چیز اللہ کے غضب سے چھڑا سکتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ تم غضب ناک نہ ہو۔"

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

مَنْ كَفَّ غَضَبَهُ سَتَرَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ۔ (احیاء ۔ ابن ابی الدنیا)

"جس نے اپنے غضب کو روک لیا اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔"

عکرمہ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے اس قول یعنی سَيِّدًا وَّحَصُوْرًا کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ سید وہ ہے جس پر غضب غالب نہ ہو اگر تم اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں میں سے ہونا چاہتے ہو تو اپنے غضب اور غصہ کو پی لیا کرو۔ اور انہی لوگوں کے بارے میں حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ (پ ۴ ع ۵)

"یہ (لوگ) غصہ کو ضبط کرنے والے اور لوگوں سے (خطا) درگزر کرنے والے ہیں۔"

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ :

مَنْ كَفَّ غَضَبَهُ كَفَّ اللّٰهُ عَنْهُ عَذَابَهُ (احیاء۔ طبرانی۔ بیہقی)

" جس نے اپنا غصہ روک لیا اللہ تعالیٰ اس سے اپنا عذاب روک دے گا۔ "

کینہ اور حسد : جاننا چاہیے کہ حسد کینہ کا نتیجہ ہے اور کینہ غضب کا ثمرہ ہے تو حسد غضب کے فرع کا فرع ہے اور غضب اس کا اصل الاصل ہے اور حسد کے بھی اتنے بہت بڑے فروع ہیں جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا اور حسد کی برائی میں بہت سی حدیثیں وارد ہو چکی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ :

اَلْحَسَدُ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ. (احیاء۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

" حسد نیکیوں اور بھلائیوں کو ایسا کھا جاتا ہے جیسے کہ آگ لکڑیوں کو کھا جاتی (جلا دیتی) ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ :

لَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَقَاطَعُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا. (احیاء۔ متفق علیہ)

" حسد نہ کرو اور تعلقات نہ توڑو اور ایک دوسرے کے پیچھے بُرا بھلا نہ کہو۔ اور اے اللہ کے بندو سب آپس میں بھائی بھائی ہو کر رہو۔ "

اور حضور صلی اللہ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ :

ثَلَاثٌ لَا يَنْجُوْ مِنْهُنَّ اَحَدٌ اَلظَّنُّ وَالطِّيَرَةُ وَالْحَسَدُ وَسَاُحَدِّثُكُمْ بِالْمَخْرَجِ مِنْ ذٰلِكَ اِذَا ظَنَنْتَ فَلَا تُحَقِّقْ وَاِذَا تَطَيَّرْتَ فَامْضِ وَاِذَا حَسَدْتَ فَلَا تَبْغِ. (احیاء۔ ابن ابی الدنیا۔ طبرانی)

" تین چیزیں ایسی ہیں جن سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ بدگمانی، بدفالی اور حسد (اور آپ فرماتے ہیں کہ) میں تمہیں ان سے چھٹکارے کی راہ بتلا دوں۔ جب گمان کرو تو اسے یقین اور حقیقت نہ بناؤ۔ اور بدفالی کو خیال میں بھی نہ لاؤ اور حسد کرو تو ظلم نہ کرو اور حق سے برگشتہ نہ ہو۔ "

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ :

دَبَّ اِلَیْکُمْ دَاءُ الْاُمَمِ قَبْلَکُمُ الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ وَالْبَغْضَۃُ هِیَ الْحَالِقَۃُ لَا اَقُوْلُ حَالِقَۃُ الشَّعْرِ وَلٰکِنْ حَالِقَۃُ الدِّیْنِ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا وَلَنْ تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا، اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِمَا یُثَبِّتُ ذٰلِکَ لَکُمْ اَفْشُوا السَّلَامَ بَیْنَکُمْ۔ (احیاء ۔ ترمذی)

"پچھلی اُمتوں کی بیماری تم میں بھی سرایت کر گئی ہے (یعنی) حسد اور بغض۔ اور بغض مونڈنے والا ہے۔ (آپ فرماتے ہیں) کہ میرا یہ مقصد نہیں کہ بال مونڈنے والا ہے بلکہ دین کو مونڈنے والا ہے اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے کہ تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ ایمان نہ لے آؤ اور آپس میں محبت نہ کرنے لگو۔ کیا میں ایسی بات تمہیں نہ بتا دوں جو تمہارے لیے ان دونوں باتوں کو لازم کر دے (وہ یہ ہے کہ) آپس میں سلام بہت بہت کہا کرو۔"

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ :

کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا وَکَادَ الْحَسَدُ اَنْ یَّغْلِبَ الْقَدَرَ

"قریب ہے کہ فقر کفر کو پہنچ جائے اور قریب ہے کہ حسد قدر (تقدیر الٰہی) پر غالب ہو جائے۔" (احیاء ۔ بیہقی وغیرہ)

بخل اور مال کی محبت ۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ (پ ۲۸ ع ۱۴)

"اے ایمان والو! غافل نہ بنائیں تم کو تمہارے مال اور اولاد اللہ کی یاد سے اور جو ایسا کریں گے تو وہی لوگ خسارہ (ٹوٹے) میں پڑے ہوئے ہیں۔"

اور ارشاد ہے کہ :

إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۚ وَاللَّهُ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۔ (پ ۲۸ ع ۱۶)

"تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ (آزمائش) ہیں اور اللہ کے پاس اجرِ عظیم ہے۔"

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

حُبُّ الْمَالِ وَالشَّرَفِ يُنْبِتَانِ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الْبَقْلَ (احیاء)

"مال اور جاہ کی محبت نفاق کو دل میں اس طرح اگاتی ہے۔ جیسے پانی سبزہ کو اگاتا ہے۔"

اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:-

مَا ذِئْبَانِ ضَارِيَانِ أُرْسِلَا فِي زَرِيبَةِ غَنَمٍ بِأَكْثَرَ إِفْسَادًا فِيهَا مِنْ حُبِّ الشَّرَفِ وَالْمَالِ وَالْجَاهِ فِي دِينِ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ ۔ (احیاء ۔ ترمذی ۔ نسائی)

"دو خونخوار بھیڑیے جو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیئے جائیں، وہ اتنا زیادہ فساد (نقصان) نہیں پہنچا سکتے جتنا کہ جاہ و مال کی محبت ایک مسلمان کے دین کو پہنچا سکتی ہے۔"

حرص اور طمع کی برائی اور قناعت کی مدح کا بیان

جاننا چاہیے کہ فقر اچھا ہے۔ لیکن چاہیے کہ ———— فقیر قانع ہو یعنی لوگوں سے طمع کو توڑے ہوئے ہو۔ لوگوں کے مال و دولت کی طرف التفات نہ کرتا ہو اور مال کے حاصل کرنے میں (چاہے وہ حلال اور حرام کسی صورت سے بھی ہو) حریص نہ ہو۔ اور یہ امور بغیر اس کے ممکن نہیں کہ خورد و نوش کی چیزوں میں اور بود و باش میں قدرِ ضروری پر قناعت کی جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:-

لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ ذَهَبٍ لَابْتَغَى لَهُمَا ثَالِثًا وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَى مَنْ تَابَ ۔ (احیاء ۔ متفق علیہ)

"اگر ابنِ آدم کے پاس سونے سے بھری ہوئی دو وادیاں (گھاٹیاں) بھی ہوتیں تو پھر بھی وہ تیسری وادی کی خواہش رکھتا۔ اور ابنِ آدم (انسان) کے پیٹ کو مٹی کے بغیر کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔ اور اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔"

ابو واقد لیثی روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ :

اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یَقُوْلُ اِنَّا اَنْزَلْنَا الْمَالَ لِاِقَامَۃِ الصَّلٰوۃِ وَ اِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ وَلَوْ کَانَ لَہٗ الثَّانِیْ لَاَحَبَّ اَنْ یَکُوْنَ لَہُمَا الثَّالِثُ وَلَا یَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ وَیَتُوْبُ اللّٰہُ عَلٰی مَنْ تَابَ

(احیاء - احمد و بیہقی)

" اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے نماز پر قائم رہنے اور زکوٰۃ دینے کے لیے مال کو اتارا ہے اور اگر ابن آدم کے پاس ایک سونے کی وادی ہوتی تب بھی وہ چاہتا کہ دوسری ہو اور اگر دوسری وادی بھی ہوتی۔ تو اس کی پھر تمنا ہوتی کہ تیسری بھی ہو۔ ابن آدم کے پیٹ کو مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔ اور اللہ توبہ کی توفیق دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔"

بُخل کی بُرائی کا بیان

:- باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :-

وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (پ۲۸ ع ۴)

" اور جو شخص محفوظ رکھا جائے اپنے نفس کے بخل سے تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔"

اور ارشاد ہے کہ :

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ھُوَ خَیْرًا لَّھُمْ بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ (پ۴ ع ۹)

" نہ سمجھیں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس مال پر جو ان کو اللہ نے دیا ہے اپنی مہربانی سے کہ یہ ان کے حق میں بہتر ہے بلکہ یہ ان کے لیے برا ہے۔ قیامت کے دن جس پر انہوں نے بخل کیا تھا۔ اس کا طوق بنا کر ان کی گردن میں ڈال دیا جائے گا۔"

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ :

اِیَّاکُمْ وَالشُّحَّ فَاِنَّہٗ اَھْلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ حَمَلَھُمْ عَلٰی اَنْ سَفَکُوْا

دِمَاءَهُمْ وَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَهُمْ (احیاء - ابوداؤد، نسائی وغیرہ)

"بخل سے بچو کہ اس بخل نے ہلاک کر دیا۔ ان لوگوں کو جو تم سے پہلے تھے اسی بخل نے ان کو اس بات پر برانگیختہ کیا تھا۔ کہ انہوں نے خونریزیاں کیں اور محارم (حرام شدہ چیزوں) کو حلال کر دیا۔"

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:۔

ثَلَاثٌ مُهْلِكَاتٌ شُحٌّ مُطَاعٌ وَهَوًى مُتَّبَعٌ وَاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ (احیاء)

"تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں۔ ایسا بخل جو تابع بنا دے۔ ایسی خواہش جس کی پیروی کی جائے۔ اور خود بینی۔"

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

اِيَّاكُمْ وَالظُّلْمَ فَاِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاِيَّاكُمْ وَالْفُحْشَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَاحِشَ وَلَا الْمُتَفَحِّشَ وَاِيَّاكُمْ وَالشُّحَّ فَاِنَّمَا اَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ الشُّحُّ اَمَرَهُمْ بِالْكِذْبِ فَكَذَبُوْا وَاَمَرَهُمْ بِالظُّلْمِ فَظَلَمُوْا وَاَمَرَهُمْ بِالْقَطِيْعَةِ فَقَطَعُوْا۔

(احیاء ص۲۲ - حاکم)

"ظلم سے بچو کہ ظلم قیامت کے دن ظلمات (اندھیریاں) بن جائیگی۔ اور فحش سے بچو اس لیے کہ اللہ تعالے فاحش اور متفحش (اپنا پردہ در) کو پسند نہیں کرتا اور بخل سے بچو کہ تم سے پہلی قوموں کو بھی بخل ہی نے ہلاک کیا تھا۔ اسی بخل نے ان کو جھوٹ کا امر کیا تو جھوٹ بولنے لگے۔ اور ظلم کا حکم کیا تو ظلم کرنے لگے۔ اور صلہ رحمی کے قطع کرنے کو کہا تو قطع کرنے لگے۔"

ریا کی برائی کا بیان

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ۔ (پ۳۰ ع۳۲)

"ویل (خرابی) ہے ایسے نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں یعنی وہ

جو ریا کرتے ہیں۔"

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ :

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ۝ (پ ۱۶ ع ۴)

"جو شخص اپنے رب کے ملنے کی اُمید رکھے تو چاہیئے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی ایک کو شریک نہ کرے۔"

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

حِيْنَ سَأَلَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فِيْمَ النَّجَاةُ فَقَالَ اَنْ لَّا يَعْمَلَ الْعَبْدُ بِطَاعَةِ اللّٰهِ يُرِيْدُ بِهَا النَّاسَ۔

"جس وقت ایک شخص نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ نجات کس بات میں ہے تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت نہ کرے جس میں لوگوں کا ارادہ رکھتا ہو۔"

اور دوسری حدیث میں ہے کہ :

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ لِمَلَآئِكَتِهٖ اِنَّ هٰذَا لَمْ يُرِدْنِىْ بِعَمَلِهٖ فَاجْعَلُوْهُ فِىْ سِجِّيْنٍ ۝ (احیاء ـ ابن ابی الدنیا وغیرہ)

"اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ کو کہے گا کہ اس نے اپنے عمل سے میرا ارادہ نہ کیا تھا اس کو سجین (جہنم) میں دھکیل دو۔"

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ :

اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ قَالُوْا وَمَا الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (احیاء ـ بیہقی)

"میں تم پر سب سے زیادہ شرک اصغر سے ڈرتا ہوں۔ صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ شرک اصغر کیا ہے؟"

حضورؐ نے فرمایا کہ : قَالَ الرِّيَاءُ ۔ وہ ریا ہے ۔ (احیاء بحوالہ بیہقی)

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

اِسْتَعِيْذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ جُبِّ الْحُزْنِ قِيْلَ وَمَا هُوَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ وَادٍ فِيْ جَهَنَّمَ اُعِدَّ لِلْقُرَّاءِ الْمُرَائِيْنَ۔ (احیاء۔ ترمذی)

"اللہ سے پناہ مانگو جُبّ حزن سے۔ کہا گیا کہ یا رسول اللہ جُبّ حزن کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ جہنم کی ایک وادی ہے جو ریاکار قاریوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔"

کبر کی بُرائی کے بیان میں

کبر قلب کے مرضوں میں سب سے بُرا ہے۔ اس کے بارہ میں حق تعالیٰ کے یہ ارشاد ہیں:

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ (پ ۹ ع ۷)

"عنقریب پھیر دوں گا اپنی نشانیوں سے ان لوگوں کو جو بغیر حق کے زمین پر تکبر کرتے ہیں۔"

اور فرمایا کہ:

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ○ (پ ۲۴ ع ۹)

"اللہ تعالیٰ متکبر سرکش کے پورے دل پر اسی طرح مُہر لگا دیتا ہے۔"

اور فرمایا کہ:

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ○ (پ ۱۳ ع ۱۵)

"اور پیغمبروں نے فتح مانگی اور نا امید و ناکام ہوا ہر سرکش ضدی۔"

اور ارشاد ہے کہ:

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ○ (پ ۱۴ ع ۹)

"اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔"

اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ○ (پ ۲۴ ع ۱۱)

"بیشک جو لوگ تکبر کرتے ہیں میری عبادت سے وہ عنقریب داخل ہوں گے

جہنم میں ذلیل بن کر۔"

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ كِبْرٍ، وَلَا یَدْخُلُ النَّارَ مَنْ كَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنَ الْاِیْمَانِ۔

"جنت میں وہ شخص داخل نہ ہوگا جس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی کبر ہوگا اور دوزخ میں وہ شخص داخل نہ ہوگا۔ جس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا۔" (احیاء۔ مسلم)

اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی اَلْكِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ وَالْعَظْمَةُ اِزَارِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ وَاحِدًا مِّنْهُمَا اَلْقَیْتُهٗ فِیْ جَهَنَّمَ وَلَا اُبَالِیْ۔ (احیاء۔ مسلم، ابوداؤد)

"اللہ تبارک تعالیٰ فرماتا ہے کہ کبریا (بڑائی) میری چادر ہے اور عظمت (بزرگی) میرا تہبند ہے[1]۔ پس جس شخص نے ان دونوں کے بارہ میں مجھ سے جھگڑا کیا تو اس کو میں دوزخ میں ڈال دوں گا اور مجھے پرواہ نہ ہوگی۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ تَجَبَّرَ وَاخْتَالَ وَنَسِیَ الْكَبِیْرَ الْمُتَعَالِ بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ غَفَلَ وَسَهٰی وَنَسِیَ الْمَقَابِرَ وَالْبِلٰی بِئْسَ عَبْدٌ عَتَا وَبَغٰی وَنَسِیَ الْمُبْتَدَاَ وَالْمُنْتَهٰی۔ (احیاء۔ مسلم)

"برا ہے وہ بندہ جس نے سرکشی اور غرور کیا اور اس نے خداوند کبیر و برتر کو بھلا دیا اور برا ہے وہ بندہ جس نے غفلت برتی اور مقابر (گورستان) اور اپنے بوسیدہ ہونے کو بھول گیا اور برا ہے وہ بندہ جس نے گردن کشی اور بغاوت کی اور اپنے مبدا اور منتہیٰ کو بھلا دیا۔"

اور حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

---

[1] یعنی یہ دونوں چیزیں میرے لیے خاص ہیں۔ ۱۲ منہ

اَهْلُ النَّارِ كُلُّ جَعْظَرِيٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ جَمَّاعٍ مَنَّاعٍ وَاَهْلُ الْجَنَّةِ الضُّعَفَاءُ الْمُقَلُّوْنَ۔

"اہل نار یہ لوگ ہیں ہر ایک بدخو۔ اکڑنے والا متکبر۔ جمع کرنے والا (دشرکو) اور منع کرنے والا (خیر سے) اور اہل جنت یہ لوگ ہیں۔ ضعیف، درویش اور تھوڑی چیز پر قناعت کرنے والے۔"

فصل

(آفاتِ زبان کے بیان میں)

جاننا چاہیے کہ زبان کا خطرہ بڑا ہے اور خاموشی کے بغیر اس خطرہ سے نجات کی کوئی راہ نہیں۔ اسی لیے شرع شریف نے خاموشی کی تعریف فرمائی ہے۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

مَنْ صَمَتَ نَجَا (احیاء - طبرانی)

"جو چپ رہا وہ نجات یاب ہوا۔"

اور حضور اکرم فرماتے ہیں کہ:

اَلصَّمْتُ حِكْمَةٌ وَقَلِيْلٌ فَاعِلُهٗ (احیاء — دیلمی، بیہقی)

"خاموشی دانائی ہے اور بہت ہی کم لوگ اس پر عمل پیرا ہیں۔" یعنی خاموشی میں ہی بڑی حکمتیں اور دور اندیشیاں۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

مَنْ يَتَكَفَّلْ لِيْ بِمَا بَيْنَ لِحْيَيْهِ وَرِجْلَيْهِ اَتَكَفَّلُ لَهٗ بِالْجَنَّةِ۔ (احیاء، بخاری)

"جو شخص اپنے دو جبڑوں اور دو ٹانگوں کے درمیانی اعضاء کا میرے لیے ضامن بنتا ہے تو جنت کے لیے میں اس کا ضامن ہوتا ہوں۔"

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

مَنْ وُقِيَ شَرَّ قَبْقَبِهٖ وَذَبْذَبِهٖ وَلَقْلَقِهٖ فَقَدْ وُقِيَ الشَّرَّ كُلَّهٗ۔ (احیاء، دیلمی)

"جو اپنے قبقب اور ذبذب اور لقلق کے شر سے محفوظ رہا تو گویا وہ ساری برائیوں سے بچ گیا۔"

قبقب پیٹ ہے۔ ذبذب اندام نہانی اور لقلق زبان ہے۔ انہی تین کی خواہشوں سے اکثر لوگ ہلاک ہوتے ہیں۔ (خدا ہم کو ان کے شر سے بچاوے بحرمتہ سید العباد و آلہ الامجاد)

فحش۔ گالی بکنا بکواس اور بدگوئی

یہ سب چیزیں بُری ہیں اور ان سے منع کیا گیا اور ان کا منبع خباثتِ نفس اور شامتِ طبع ہے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

إِيَّاكُمْ وَالْفُحْشَ فَإِنَّ اللهَ تَعَالَىٰ لَا يُحِبُّ الْفُحْشَ وَلَا التَّفَحُّشَ (احیاء - مسلم)

"فحش سے بچو کہ اللہ تعالیٰ فحش اور تفحش (اپنی پردہ دری) کو پسند نہیں کرتا۔"

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا اللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيِّ

"مومن بعض طعن کرنیوالا اور فاحش اور بدگو نہیں ہوتا۔" (احیاء - حاکم)

اور حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

اَلْجَنَّةُ حَرَامٌ عَلٰی كُلِّ فَاحِشٍ اَنْ يَّدْخُلَهَا۔ (احیاء - ابن ابی الدنیا)

"جنت ہر ایک فاحش شخص پر حرام ہے کہ اس میں داخل ہو سکے۔"

انسان حیوان اور جمادات سب پر لعنت بُرا ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَجُلٌ يَسِيرُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى بَعِيْرٍ فَلَعَنَ بَعِيْرَهٗ فَقَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبْدَ اللهِ لَا تَسِرْ مَعَنَا عَلٰى بَعِيْرٍ مَلْعُوْنٍ۔ (احیاء - ابن ابی الدنیا)

"ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک اونٹ پر سفر کر رہا تھا۔ اس نے اپنے اونٹ کو لعنت کی۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے بندۂ خدا

ہمارے ساتھ ملعون اونٹ پر نہ چل۔"

(اس سے مقصد اس کو اس فعل سے روکنا تھا۔)

ابوالدرداءؓ کہتے ہیں کہ:

مَا لَعَنَ اَحَدٌ اِلْاَرْضَ اِلَّا قَالَتْ لَعَنَ اللّٰہُ اَعْصَانَا بِاللّٰہِ۔

"کوئی شخص جب زمین کو لعنت کرتا ہے تو زمین اس کے جواب میں کہتی ہے کہ ہم میں اللہ کی لعنت اس پر ہو جو اللہ کا زیادہ نافرمان ہے۔

شعر کا بیان

شعر ایک کلام ہے اس میں جو اچھا ہو وہ بہتر ہے اور جو برا ہے وہ برا ہے مگر اسی کا ہو رہنا سخت ناپسندیدہ ہے۔

خوش طبعی

اصل میں بری ہے۔ ہاں تھوڑی سی خوش طبعی اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس لیے کہ مزاح خوش طبعی ہی ہے جس سے قلب کو مسرت اور نشاط حاصل ہوتا ہے۔ اور وہ جائز ہے اور جو ممنوع ہے۔ وہ افراط ہے یا اس پر مداومت کرنا ہے۔ اس لیے کہ افراط کرنے سے ہنسی زیادہ ہو گی اور زیادہ ہنسی سے قلب پر مردگی چھا جاتی ہے۔ اور اس سے بعض اوقات کینہ بھی پیدا ہوتا ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

اِنَّ الرَّجُلَ لَیَتَکَلَّمُ بِالْکَلِمَۃِ لِیُضْحِکَ بِھَا جُلَسَآءَہٗ یَھْوِیْ بِھَا فِی النَّارِ اَبْعَدَ مِنَ الثُّرَیَّا۔

"جو شخص ایسی باتیں کیا کرتا ہے جس سے اس کا مقصد ہم نشینوں کو ہنسانا ہی ہوتا ہے تو وہ اس کی وجہ سے آگ میں گھسیٹا جائے گا ثریا سے بھی زیادہ دور۔"

ٹھٹھا اور تمسخر

یہ بھی حرام ہیں جہاں کہ ان سے ایذا رسانی ہوتی ہو جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْھُنَّ۔ (الحجرات: ۱۱)

"اے ایمان والو! تمسخر نہ کیا کرے ایک قوم دوسری قوم سے کیا بعید ہے کہ وہ

(جن پر ہنستے ہیں) بہتر ہوں ان (ہنسنے والوں) سے۔ اور نہ عورتیں تمسخر کریں دوسری عورتوں سے کیا عجب ہے کہ وہ بہتر ہوں ان سے۔"

اور سخریہ کے یہ معنی ہیں کہ کسی کی اہانت کی جائے اور اس کو ذلیل کیا جائے اس طرح سے کہ لوگ اس پر ہنسیں۔

جھوٹ بولنا اور جھوٹی قسم کھانا

یہ بدترین گناہوں اور فاحش ترین عیبوں میں سے ہیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

اِیَّاکُمْ وَالْکَذِبَ فَاِنَّہٗ مَعَ الْفُجُوْرِ وَھُمَا فِی النَّارِ (احیاء ابن ماجہ ونسائی)

"جھوٹ سے بچو کہ جھوٹ فجور کے ساتھ ملا ہوا ہے اور دونوں دوزخ میں لے جانے والے ہیں۔"

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

اِنَّ الْکَذِبَ بَابٌ مِّنْ اَبْوَابِ النِّفَاقِ (احیاء۔ ابن عدی)

"جھوٹ ایک دروازہ ہے منافقی کے دروازوں میں سے۔"

اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

اَلْکَذِبُ یَنْقُصُ الرِّزْقَ (احیاء۔ ابو الشیخ)

"جھوٹ رزق کو گھٹاتا ہے۔"

اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

اِنَّ التُّجَّارَ ھُمُ الْفُجَّارُ فَقِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَیْسَ قَدْ اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ قَالَ نَعَمْ وَلٰکِنَّھُمْ یَحْلِفُوْنَ فَیَاْثَمُوْنَ وَ یُحَدِّثُوْنَ فَیَکْذِبُوْنَ۔ (احیاء۔ احمد وحاکم)

"تجارت پیشہ لوگ فاسق ہوتے ہیں۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ کیا اللہ تعالیٰ نے خرید فروخت کو جائز نہیں فرمایا ہے؟ آپ نے فرمایا بیشک جائز فرمایا ہے لیکن یہ لوگ (بضرورت) قسمیں کھاتے ہیں اور گنہگار ہوتے ہیں

اور بات کرتے ہیں تو جھوٹ بولتے ہیں۔"

اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

ثَلَاثَۃٌ لَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْہِمُ الْمَنَّانُ بِعَطِیَّتِہٖ وَالْمُنْفِقُ سِلْعَتَہٗ بِالْحَلْفِ الْفَاجِرِ وَالْمُسْبِلُ اِزَارَہٗ (احیاء مسلم)

"تین قسم کے آدمی ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہ کرے گا اور ان پر نظر رحمت نہ ڈالے گا۔ ایک تو وہ جو کچھ دے کر احسان جتاتا ہو۔ اور دوسرا وہ جو جھوٹی قسمیں کھا کر اپنی پونجی بیچتا ہو۔ اور تیسرا وہ جو اپنا تہہ بند یا شلوار (حد شرعی سے) نیچے چھوڑ دیتا ہو (جو ٹخنہ کو ڈھانک لے)

غیبت

حق تعالیٰ نے غیبت کی برائی کو اپنی کتاب (قرآن مجید) میں ظاہر فرمایا ہے اور غیبت کرنے کو مردار کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ:

وَلَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا ط اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْہُ۔ (پ ۲۶ ع ۱۴)

"اور نہ غیبت کیا کرے تم میں سے ایک دوسرے کی۔ بھلا تم میں کسی کو پسند آتا ہے کہ گوشت کھائے اپنے مرے ہوئے بھائی کا، سو یہ تو تم مکروہ سمجھتے ہو۔"

اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

کُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُہٗ وَمَالُہٗ وَعِرْضُہٗ وَالْغِیْبَۃُ تَتَنَاوَلُ الْعِرْضَ۔ (احیاء۔ مسلم)

"مسلمان کی ہر ایک چیز دوسرے مسلمان پر حرام ہے یعنی اس کا خون اور اس کا مال اور اس کی آبرو۔ اور غیبت آبرو ہی سے لیتی ہے۔"

ابو برزہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

لَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَلَا یَغْتَبْ

تَبَاغَضُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا۔ (احیاء ۔ متفق علیہ)

"آپس میں حسد نہ کرو اور آپس میں بغض نہ رکھو اور بھاؤ نہ بڑھاؤ (یعنے بغیر ارادہ خریدنے کے تاکہ دوسرا نہ لے سکے) اور پس پشت باتیں نہ بناؤ۔ اور تم میں سے بعض بعض کی غیبت نہ کیا کریں۔ اور اے بندگانِ خدا! آپس میں بھائی بھائی ہو کر رہو۔"

جابرؓ اور ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اِيَّاكُمْ وَالْغِيْبَةَ فَاِنَّ الْغِيْبَةَ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا فَاِنَّ الرَّجُلَ قَدْ يَزْنِيْ وَيَتُوْبُ فَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاِنَّ صَاحِبَ الْغِيْبَةِ لَا يُغْفَرُ لَهُ حَتّٰى يَغْفِرَ لَهُ صَاحِبُهُ۔ (احیاء ۔ ابن ابی الدنیا)

"تم غیبت سے بچو کر غیبت زناکاری سے بھی زیادہ سخت اور بری ہے کیونکہ آدمی بعض وقت زنا کرتا ہے پھر توبہ کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور غیبت کرنیوالے کو نہیں بخشا جاتا جبتک کہ جس کی غیبت کی گئی ہے وہ اسے نہ بخشدے۔"

براءؓ کہتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ سنایا یہاں تک کہ عورتوں نے اپنے گھروں میں سن لیا۔ آپ نے فرمایا کہ:

يَا مَعْشَرَ مَنْ اٰمَنَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِقَلْبِهٖ لَا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّهٗ مَنْ تَتَبَّعَ عَوْرَةَ اَخِيْهِ تَتَبَّعَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ تَتَبَّعَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَفْضَحْهُ فِيْ جَوْفِ بَيْتِهٖ۔ (احیاء ۔ ابن ابی الدنیا وغیرہ)

"اے ان لوگوں کی جماعت جو زبان سے ایمان لا چکے ہو لیکن دل سے ایمان نہیں لائے ہو۔ (خطاب تھا منافقین کی طرف) مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو۔ اور ان کی پوشیدہ باتوں کے پیچھے نہ پڑو۔ اس لیے کہ جو شخص اپنے بھائی کے پوشیدہ امور میں پڑے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی پوشیدہ باتوں

میں پڑے گا اور جس کی پوشیدہ باتوں میں اللہ جل وعلا پڑا تو اسے گھر کے اندر بھی رسوا و خوار کرے گا۔"

جابرؓ کہتے ہیں کہ :

كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَسِيْرٍ فَأَتَى عَلَى قَبْرَيْنِ يُعَذَّبُ صَاحِبَاهُمَا فَقَالَ إِنَّهُمَا يُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِيْ كَبِيْرٍ أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ يَغْتَابُ النَّاسَ وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ فَدَعَا بِجَرِيْدَةٍ رَطْبَةٍ أَوْ جَرِيْدَتَيْنِ فَكَسَرَهُمَا ثُمَّ أَمَرَ بِكُلِّ كِسْرَةٍ فَغُرِسَتْ عَلَى قَبْرٍ وَقَالَ أَمَا إِنَّهُ سَيُهَوَّنُ مِنْ عَذَابِهِمَا مَا كَانَتَا رَطْبَتَيْنِ أَوْ مَا لَمْ يَيْبَسَا۔ (احیاء - ابن ابی الدنیا)

"ہم ایک سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ آپ دو قبروں پر تشریف فرما ہوئے کہ جن میں مردوں کو عذاب دیا جا رہا تھا۔ حضور نے فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب تو دیا جا رہا ہے لیکن کسی بڑی بات میں نہیں (یعنی جس کو بڑی بات نہیں سمجھا جاتا) ان میں ایک تو ایسا تھا جو لوگوں کی غیبت کیا کرتا تھا۔ اور دوسرا اپنے پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا اس کے بعد آپ نے ایک سبز ٹہنی منگائی یا دو ٹہنیاں منگائیں اور ان دونوں کو توڑا پھر آپ نے فرمایا کہ ہر ایک ٹہنی کے ٹکڑے کو ہر ایک قبر پر گاڑھ دیا جائے۔ پس وہ گاڑھ دی گئیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جب تک ان ٹہنیوں میں تری باقی ہے۔ ان کے عذاب میں تخفیف اور آسانی ہوگی (یا یہ فرمایا کہ جب تک یہ خشک نہ ہوں)

چغلی کھانا

حق تعالیٰ نے مقام ذم میں (ولید بن مغیرہ کے بارے میں فرماتا ہے کہ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيْمٍ ٥ وہ طعنے دینے والا چغلیاں کھانے والا ہے۔ پھر فرمایا ہے کہ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ٥ بدخو اور ان سب کے بعد زنیم (حرامزادہ) بھی ہے۔ (پ ۲۹ ع ۳)

عبداللہ ابن مبارک کہتے ہیں کہ زنیم ولد الزنا کو کہتے ہیں جو کسی بات کو نہ

چھپائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جو بات کو نہیں چھپاتا اور چغلیاں کھاتا رہتا ہے تو یہ صفت اس کی اس بات کی طرف دلالت کرتی ہے کہ وہ ولد الزنا ہے۔ اور حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝ (پ ۳۰ ع ۲۹)

"ویل (خرابی) ہے ہر ایک سخن چین اور ہمزہ (عیب جو) کے لیے۔"

کہا گیا ہے کہ ہمزہ کے معنے چغلخور ہے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّامٌ (احیاء۔ متفق علیہ)

"جنت میں چغلخور داخل نہیں ہوگا۔"

اور دوسری حدیث میں ہے کہ:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ۔ (احیاء۔ متفق علیہ)

"جنت میں قتات داخل نہیں ہوگا۔"

اور قتات چغل خور کو کہتے ہیں۔ اور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

أَحَبُّكُمْ إِلَى اللّٰهِ أَحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقًا أَلْمُوَطَّئُوْنَ أَكْنَافًا الَّذِيْنَ يَأْلَفُوْنَ وَيُؤْلَفُوْنَ وَإِنَّ أَبْغَضَكُمْ إِلَى اللّٰهِ الْمَشَّاؤُوْنَ بِالنَّمِيْمَةِ الْمُفَرِّقُوْنَ بَيْنَ الْإِخْوَانِ الْمُلْتَمِسُوْنَ لِلْبُرَآءِ الْعَثَرَاتِ۔

(احیاء۔ طبرانی)

"تم میں سے محبوب ترین اللہ کو وہ ہیں جو تم میں بہترین اخلاق والے ہیں اور اپنے پڑوسیوں کی تکلیف برداشت کرنے والے ہیں اور دوسروں سے محبت و الفت رکھتے ہیں اور دیگر لوگ ان سے (ان کی خوش خوئی کی وجہ سے) محبت کرتے ہیں اور تم میں سب سے زیادہ مبغوض اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ لوگ ہیں چغلخوری کے درپے ہونے والے بھائیوں اور دوستوں میں تفرقہ ڈالنے والے اور پرہیزگاروں کی چھوٹی موٹی لغزشوں کے پیچھے پڑنے والے۔"

اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِشِرَارِكُمْ قَالُوْا بَلٰی قَالَ: اَلْمَشَّاءُوْنَ بِالنَّمِيْمَةِ الْمُفْسِدُوْنَ بَيْنَ الْاَحِبَّةِ الْبَاغُوْنَ لِلْبُرَآءِ الْعَيْبَ۔ (احیاء۔ احمد)

"کیا تم میں جو سب سے بُرے ہیں وہ میں تمہیں نہ بتلا دوں۔ صحابہؓ نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا چغلخوری کے درپے ہونے والے دوستوں میں فساد ڈالنے والے۔ پرہیزگاروں کا عیب ڈھونڈھنے والے۔"

شکم پُری

جاننا چاہیے کہ مہلکات میں انسان کے لیے سب سے زیادہ ہلاک کرنے والی پیٹ کی خواہش ہے۔ اسی کے سبب حضرت آدم و حضرت حوا علیہما السلام عالمِ راحت (جنّت) سے اس ذلت و احتیاج کی دنیا میں نکالے گئے جبکہ ان دونوں کو ایک پیڑ کے قریب جانے سے روک دیا گیا تھا۔ تو ان پر ان کی خواہش نے غلبہ پایا یہاں تک کہ وہ اس سے کچھ کھا بیٹھے بس

فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْءَاتُهُمَا۔ (پ ۹۴)

"کھل گئیں ان پر ان شرمگاہیں۔"

اور پیٹ حقیقت میں سب خواہشوں کا سرچشمہ اور سب بیماریوں اور آفتوں کا منبع ہے۔ اسی کے بعد اندامِ نہانی کی خواہشیں بڑھتی ہیں اور مقاربت کی شہوت ہوتی ہے۔ مقاربت اور طعام کی خواہش کے بعد جاہ و جلال اور مال کی رغبت زور پکڑتی ہے۔ اس لیے کہ یہی دونوں مطعومات اور منکوحات میں عیاشی اور وسعت کے وسیلے ہیں۔ مال اور جاہ و جلال کے بڑھانے کے پیچھے طرح طرح کی رعونتیں اور خود آرائیاں اور حسد ظاہر ہوتے ہیں۔ ان سے پھر ریا کی آفت اور فخر کی مصیبت نمودار ہوتی ہے اور بڑائی (تکبر) کی خرابی پیدا ہوتی ہے۔ پھر یہ کینہ اور عداوت اور بغض کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔ پھر یہ چیزیں اس کو سرکشی اور فسق و فجور تک پہنچا دیتی ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ سب نتیجے پیٹ کے ہی بسر خود چھوڑ دینے کے ہیں اور پیٹ بھرتے اور سیر ہونے سے یہ ساری خرابیاں اور نافرمانیاں

صادر ہوتی ہیں اور اگر بندہ اپنے نفس کو بھوکا رکھ کر ذلیل کرے اور اس پر شیطان کے راستے بند کر دے تو یقیناً خداوند تعالےٰ کی فرمانبرداری میں فروتنی برتے اور نافرمانی اور سرکشی پر جادہ پیمانہ ہو سکے۔

بھوک کی فضیلت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ:

جَاهِدُوْا اَنْفُسَكُمْ بِالْجُوْعِ وَالْعَطْشِ فَاِنَّ الْاَجْرَ فِيْ ذٰلِكَ كَاَجْرِ الْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاَنَّهٗ لَيْسَ مِنْ عَمَلٍ اَحَبَّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ جُوْعٍ وَعَطْشٍ۔ (احیاء)

"اپنے نفس سے بھوک اور پیاس کی صورت میں مجاہدہ (جنگ) کرو۔ اس کا اجر بھی ایسا ہے جیسا کہ راہ خدا میں جہاد کرنے والے کا اور خدا کے نزدیک بھوک اور پیاس سے زیادہ پسندیدہ کوئی عمل نہیں۔"

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

لَا يَدْخُلُ مَلَكُوْتَ السَّمَاءِ مَنْ مَلَأَ بَطْنَهٗ (احیاء)

"جس نے اپنا پیٹ بھر لیا ہے۔ وہ ملکوت السماء (عالم ارواح) میں داخل نہیں ہو سکتا۔"

اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ النَّاسِ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ قَلَّ مَطْعَمُهٗ وَضِحْكُهٗ وَرَضِيَ بِمَا يَسْتُرُ عَوْرَتَهٗ۔ (احیاء)

"یا رسول اللہ! لوگوں میں بہترین کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جس کا کھانا اور ہنسنا کم ہو۔ اور اپنے اتنے لباس پر کہ جس سے ستر عورت ہو سکے راضی و قانع ہو۔"

اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

سَيِّدُ الْاَعْمَالِ الْجُوْعُ وَذُلُّ النَّفْسِ لِبَاسُ الصُّوْفِ (احیاء)

"سب اعمال کی سردار بھوک ہے اور نفس کی ذلت اونی کپڑے پہننے میں ہے (جو موٹے اور معمولی ہوں)

حضرت ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

اِلْبَسُوْا وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا فِيْ اَنْصَافِ الْبُطُوْنِ فَاِنَّهٗ جُزْءٌ مِّنَ النُّبُوَّةِ ۔ (احیاء)

"پہنو اور کھاؤ اور پیو آدھے پیٹ میں کہ یہ صفت اجزاء نبوت میں سے ہے۔"

اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

اَلْفِكْرُ نِصْفُ الْعِبَادَةِ وَقِلَّةُ الطَّعَامِ هِيَ الْعِبَادَةُ (احیاء)

"فکر کرنا (صنع الٰہی میں) نصف عبادت ہے۔ اور کم کھانا پوری عبادت ہے۔"

حضرت حسنؓ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا ہے کہ:

اَفْضَلُكُمْ عِنْدَ اللهِ مَنْزِلَةً يَّوْمَ الْقِيَامَةِ اَطْوَلُكُمْ جُوْعًا وَّتَفَكُّرًا فِي اللهِ سُبْحَانَهٗ وَاَبْغَضُكُمْ عِنْدَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كُلُّ نَؤُوْمٍ اَكُوْلٍ شَرُوْبٍ ۔ (احیاء)

"تم سب میں بہتر اور افضل از روئے مرتبہ کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن وہ ہے جو تم سب سے زیادہ بھوکا رہتا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں فکر کیا کرتا ہو۔ اور تم سب میں بدترین اور مبغوض حق تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن وہ ہے جو زیادہ سوتا ہو اور ڈٹ کر کھاتا ہو اور زیادہ پیتا ہو۔"

فصل

(نجات دہندہ امور کے بیان میں)

پہلی پہلی منزل منجیات (نجات دہندہ امور) میں توبہ کی ہے۔ اور گناہوں سے تائب ہو کر ستار العیوب اور علام الغیوب کی طرف رجوع کرنا ہی سالکین کے راستہ کی ابتداء ہے اور فائزین کا سرمایہ اور ارادت مندوں کا پہلا قدم اور برگشتگان کے استقامت کی کنجی ہے۔

جاننا چاہیئے کہ دیدارِ الہٰی سے کوئی چیز محروم کرنے والی نہیں مگر یہ باتیں خواہشوں کا تابع ہونا۔ اس جہانِ فانی سے انس و محبت، اور ان چیزوں کی محبت میں اوندھا ہو کر گر پڑنا۔ جن سے الگ رہنا ضروری ہے۔

اور لقاء الہٰی کی طرف قریب کرنے والی کوئی چیز نہیں مگر یہ صفتیں۔ اس دنیا کی زیب و زینت سے قلب کے علاقے توڑ دینا اور ہمہ تن اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا۔

اور اس کے انس و شفقت کی طلب میں اس کا ذکر کرتے رہنا اور اس کی محبت میں اس کے جلال و جمال کی معرفت میں بقدر اپنی طاقت کے مستغرق رہنا،

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (پ ۱۸ ع ۱۰)

"اے مومنو! سب کے سب اللہ کی طرف رجوع (توبہ) کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔" اور یہ حکم عام ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا۔ (پ ۲۸ ع ۲۰)

"اے وہ لوگو! جو تم ایمان لا چکے ہو اللہ کی طرف توبہ کرو توبۃ النصوح۔"

توبۃ النصوح وہ توبہ ہے جو خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہو۔

اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

"اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔ (پ ۲ ع ۱۲)

"اللہ تعالیٰ توبہ کرنیوالوں کو اور پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

اَلتَّائِبُ حَبِيْبُ اللّٰهِ وَالتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ

"توبہ کرنے والا اللہ کا دوست ہے۔ اور گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔" (احیاء - ابن ماجہ و ابن ابی الدنیا)

"لِلّٰہُ اَفْرَحُ بِتَوْبَۃِ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ مِنْ رَجُلٍ نَزَلَ فِیْ اَرْضٍ دَوِیَّۃٍ مُھْلِکَۃٍ مَعَہٗ رَاحِلَتُہٗ عَلَیْھَا طَعَامُہٗ وَشَرَابُہٗ فَوَضَعَ رَاْسَہٗ فَنَامَ نَوْمَۃً فَاسْتَیْقَظَ وَقَدْ ذَھَبَتْ رَاحِلَتُہٗ فَطَلَبَھَا حَتّٰی اِذَا اشْتَدَّتْ عَلَیْہِ الْحَرُّ وَالْعَطْشُ اَوْ مَا شَاءَ اللّٰہُ قَالَ اَرْجِعُ اِلٰی مَکَانِیَ الَّذِیْ کُنْتُ فِیْہِ فَاَنَامُ حَتّٰی اَمُوْتَ فَوَضَعَ رَاْسَہٗ عَلٰی سَاعِدِہٖ لِیَمُوْتَ فَاسْتَیْقَظَ فَاِذَا رَاحِلَتُہٗ عِنْدَہٗ عَلَیْھَا زَادُہٗ وَشَرَابُہٗ فَاللّٰہُ تَعَالٰی اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَۃِ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ مِنْ ھٰذَا بِرَاحِلَتِہٖ۔ (احیاء — مسلم)

"حق تعالیٰ مومن بندہ کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے۔ جو کسی ہولناک ویران بیابان میں جا رہا ہو اس کے ساتھ اس کی سواری بھی ہو جس کے اوپر اس کے کھانے اور پینے کا سامان ہو۔ پھر اس نے اپنا سر رکھا اور تھوڑی دیر سو گیا۔ پھر جب جاگا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کی سواری چل گئی ہے، وہ اس کو ڈھونڈنے لگا۔ یہاں تک کہ گرمی تیز ہو گئی اور اس کو گرمی اور پیاس کی تکلیف نے سخت عاجز کیا تو کہنے لگا کہ اُسی جگہ چل کر پھر سو جاتا ہوں تاکہ مر جاؤں۔ اسی مرنے کے ارادہ سے وہ اپنی کلائی سر کے نیچے رکھ کر سو گیا۔ جب بیدار ہوا تو اچانک دیکھتا ہے کہ اُس کی سواری موجود ہے جس پر سارا توشہ اور کھانے پینے کا سامان رکھا ہوا ہے۔ (تو حضورؐ فرماتے ہیں) کہ اللہ تعالیٰ بندۂ مومن کے توبہ کرنے سے اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو اس شخص کو اپنی سواری دیکھتے وقت ہوئی ہو گی۔"

بعض روایتوں کے الفاظ یہ ہیں کہ:

مِنْ شِدَّۃِ فَرْحِہٖ اِذَا اَرَادَ شُکْرَ اللّٰہِ اَنَا رَبُّکَ وَاَنْتَ عَبْدِیْ

"اس شخص نے (اپنی سواری کو دیکھ کر) جب حق تعالیٰ کے شکر کا ارادہ کیا تو غایت خوشی میں یوں کہہ بیٹھا کہ "اے اللہ میں تیرا رب ہوں اور تو میرا بندہ ہے۔""

صبر

اے عزیز! جاننا چاہیے کہ ایمان کے دو حصے ہیں ایک حصہ صبر ہے اور دوسرا حصہ شکر ہے جس طرح کہ احادیث میں وارد ہو چکا ہے اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں سے دو صفتیں ہیں۔ اور اسمائے حسنیٰ میں سے دو نام ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا نام صبور اور شکور تبلایا ہے۔ صبر اور شکر کی حقیقت سے جاہل رہنا گویا ایمان کے دونوں حصّوں سے جاہل رہنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے صابرین کی بہت صفتیں بیان فرمائی ہیں اور قرآن مجید میں صبر کو کچھ اوپر ستّر جگہ ذکر کیا ہے اور اکثر مدارج سعادت اور نیکیوں کو صبر ہی کی طرف منسوب کیا ہے اور اُن کو صبر کا ثمرہ قرار دیا ہے۔

چنانچہ حق جل وعلا کا ارشاد ہے کہ:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا (پ ۲۱ ع ۱۶)

"اور ہم نے ان میں سے پیشوا بنائے کہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے جب کہ انہوں نے صبر کیا۔"

اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا (پ ۹ ع ۶)

"اور پورا ہوا نیک وعدہ تمہارے رب کا بنی اسرائیل پر اس وجہ سے کہ انہوں نے صبر کیا۔"

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (پ ۱۴ ع ۱۹)

"جن لوگوں نے صبر کیا ہے ان کے اعمال کی وجہ سے ہم ان کو ضرور اس کا بدلہ اور عوض دیں گے۔"

اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا (پ ۲۰ ع ۹)

"یہی ہیں جن کو ان کا دہرا اجر دیا جائے گا۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے صبر کیا۔"

اور حق سبحانہ وتعالیٰ کا فرمودہ ہے کہ:

اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ٥ (پ ۲۳ ع ۱۶)

"بیشک صابرین کو ان کا اجر بے حساب (بے اندازہ) دیا جائے گا۔"

پس کوئی بھی عبادت سوائے صبر کے ایسی نہیں جس کا اجر اندازہ اور حساب سے نہ ہو اور اس سبب سے کہ روزہ صبر کے اقسام سے ہے بلکہ نصف ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ (مشکوٰۃ)

"روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔"

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (پ ۱ ع ۲)

"صبر کرو اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

اَلصَّبْرُ نِصْفُ الْاِیْمَانِ (احیاء — ابو نعیم والخطیب)

"صبر نصف ایمان ہے۔"

اور حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ:

سُئِلَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْاِیْمَانِ فَقَالَ الصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے بارہ میں پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ "ایمان صبر اور جوانمردی ہے۔" (احیاء — طبرانی وابن حبان)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

اَلصَّبْرُ کَنْزٌ مِّنْ کُنُوْزِ الْجَنَّةِ (احیاء)

"صبر جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔"

وَسُئِلَ مَرَّةً مَا الْاِیْمَانُ فَقَالَ الصَّبْرُ (احیاء - دیلمی)

اور ایک مرتبہ (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) سے پوچھا گیا کہ ایمان کیا ہے؟ تو آپ

نے فرمایا کہ صبر ہے۔"

یہ آپ کے اس قول کے مشابہ ہے کہ "اَلْحَجُّ عَرَفَةٌ" (حج عرفہ ہے) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خط میں جو ابو موسیٰ اشعری کو لکھا گیا تھا یہ پایا گیا ہے کہ "صبر کو لازم پکڑو۔"

جاننا چاہیے کہ صبر دو قسم پر ہے۔ ایک قسم ان میں سے دوسرے سے افضل ہے۔ ایک مصیبتوں میں صبر کرنا ہے۔ یہ بھی اچھا ہے۔ لیکن اس سے افضل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی کل حرام کی ہوئی چیزوں سے کیا جائے۔

اور جاننا چاہیے کہ صبر ایمان کی جڑ ہے۔ یہ اس لیے کہ تقویٰ سب نیکیوں سے افضل ہے اور تقویٰ صبر ہی سے ہوتا ہے۔

شکر

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ○ (پ۲ ع۲)

"پس تم یاد رکھو مجھ کو میں یاد رکھوں گا تم کو اور میرا احسان مانو اور ناشکری نہ کرو۔"

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ (پ۵ ع۱۸)

"تم کو عذاب دے کر اللہ کیا کرے گا اگر تم شکر کرو اور ایمان پر قائم رہو۔"

اور فرماتا ہے کہ:

وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِينَ (پ۴ ع۶)

"ہم جزا (خیر) دیں گے شکر کرنے والوں کو"

اور حق تعالیٰ نے ابلیس لعین کی خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے: کہ (وہ کہتا ہے):

لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ (پ۸ ع۹)

"میں بھی ضرور بیٹھوں گا (ان کی تاک میں) تیری سیدھی راہ پر۔"

کہا گیا ہے کہ وہ راہ شکر ہی کی ہے۔ اور شکر کے بلند مرتبے کے سبب شیطان لعین نے بھی باری تعالیٰ کی خلقت انسان میں اس طرح طعنہ دیا کہ:

وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شَاكِرِيْنَ ۔ "تو نہ پائے گا اکثر بنی آدم کو شکر گزار"۔ (پ۸ ع۹)

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ۔ "میرے بندوں میں شکر گزار بہت تھوڑے ہیں"۔ (پ۲۲ ع۸)

اور ارشاد ہے کہ:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ ۔ "اگر تم شکر بجا لاؤ گے تو میں تمہیں بڑھا دوں گا"۔ (پ۱۳ ع۱۴)

اگر تم شکر بجا لاؤ گے تو میں تمہیں بڑھا دوں گا"۔

اس ارشاد میں کوئی استثنا نہ فرمائی جیسا کہ اپنے اس قول میں فرمائی ہے کہ:

وَيَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۔ (پ۲ ع۱۰)

"اللہ تعالیٰ بغیر حساب کے جس کو چاہتا ہے رزق دیتا ہے"۔ اور ارشاد ہے کہ:

وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ (پ۵ ع۱۵)

"بخشے گا اس کے علاوہ جس کو چاہے"۔ کہ ان میں استثناء ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اَلطَّاعِمُ الشَّاكِرُ بِمَنْزِلَةِ الصَّائِمِ الصَّابِرِ "شکر گزار کھانے والا روزہ دار کے برابر ہے" (احیاء۔ بخاری) اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جبکہ ساری رات اٹھ کر روتے رہے تو حضرت عائشہؓ صدیقہ نے عرض کیا کہ:

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جبکہ ساری رات اٹھ کر روتے رہے تو حضرت عائشہؓ صدیقہ نے عرض کیا کہ:

قَالَتْ لَهُ عَائِشَةُ مَا يُبْكِيْكَ قَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا (احیاء۔ ابن حبان وغیرہ)

"آپ کو کون سی چیز رلا رہی ہے آپ کے تو اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دیئے ہیں تو حضور نے فرمایا کہ کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (پ۱۴ ع۸)

"اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گنو گے تو شمار نہ کر سکو گے"۔

جاننا چاہیے کہ خداوند تعالیٰ کی نعمتیں بندہ پر اس قدر ہیں جو حساب و شمار میں نہیں آسکتیں اور اگر ہم صرف اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے وہ ذکر کریں جن سے انسان کا بدن قائم ہے تو بھی بیان نہ کرسکیں۔ مثلاً یہ کہ جگر کو قلب اور دماغ کی طرف کیسا احتیاج ہے اور ان اعضائے رئیسہ میں سے ہر ایک دوسرے کی طرف کیسے محتاج ہے اور پھڑکنے والی رگیں (شرائین) قلب سے چھوٹ کر اور شاخ در شاخ ہو کر سارے بدن میں کیسے پھیل گئی ہیں اور ان کے واسطے سے غذا کیسے پہنچتی ہے اور اعضاء کی ساخت و ترکیب کس طرح ہوئی ہے اور ہڈیاں اور مچھلیاں۔ رگیں اور تانتیں اور سنبدان اور چپنی ہڈیاں اور رطوبتیں کتنی اور کیسی ہیں۔ اگر ان کی تفصیل کی جائے گی تو کلام بہت طویل ہو جائے گا اور ان سب چیزوں کی طرف انسان کھانے اور بہت سی باتوں کے بارہ میں نہایت محتاج ہے بلکہ انسان میں ہزاروں مچھلیاں اور رگیں اور پٹھے چھوٹائی اور بڑائی اور پتلے پن اور موٹائی میں مختلف موجود ہیں اور ان کے اقسام بھی بعض کے زیادہ اور بعض کے کم ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی ایک چھوٹی سی چیز بھی ایسی نہیں کہ جس میں ایک یا دو یا تین یا چار دس تک بلکہ اس سے بھی زیادہ حکمتیں اور فائدے موجود نہ ہوں اور یہ سب تم پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ اگر ان سب میں سے ایک بھی ہلتی ہوئی رگ ٹھہر جائے یا ایک بھی ساکن رگ متحرک ہو جائے تو بیچارے انسان کی جان پر آبنے۔

پس پہلے پہل حق تعالیٰ کی نعمتوں کی طرف نظر غور سے دیکھو تاکہ پھر اچھی طرح شکر ادا کرسکو مگر تم ہو کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے اور کسی کو نہیں جانتے۔ جانتے ہو تو صرف کھانے ہی کو۔ حالانکہ یہ سب سے خسیس تر ہے اور اگر کچھ جانتے ہو تو بس یہی کہ جب بھوکے ہوتے ہو تو کھانے لگتے ہو۔ اتنا تو گدھا بھی جانتا ہے کہ بھوک کے بعد کھایا جاتا ہے۔ اور جب تھک جاتا ہے تو سو جاتا ہے اور جب شہوت ہوتی ہے تو جماع کرتا ہے اور اٹھنا چاہتا ہے تو اٹھ جاتا ہے اور دولتیاں مارنے لگتا ہے تو تم بھی جب اپنے نفس سے اتنا جانتے ہو جتنا کہ

گدھا جانتا ہے تو خود ہی کہو کہ اللہ تعالیٰ کی ان بے شمار نعمتوں کی شکر گزاری کیسے کر سکتے ہو جن کی طرف نہایت اختصار سے ابھی ہم نے اشارہ کیا ہے۔ یہ گویا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے دریاؤں میں سے ایک دریا کا ایک قطرہ لیا گیا ہے۔ اب خداوند تعالیٰ کے قول کو یاد کر کے تصدیق کرو کہ بیشک اور بجا ارشاد ہے کہ:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ (پ ۱۴ ع ۸)

"اگر تم اللہ کی نعمتیں گننے لگو تو شمار میں نہ لاسکو۔"

اس بارہ میں جو ہم نے کلام کو طوالت دی ہے اس سے ہمارا مقصد یہ نہیں کہ خداوند تعالیٰ کی ساری وہ نعمتیں جو بدنِ انسان میں ہیں ہم نے اپنے بیان میں گھیر لی ہیں۔ بلکہ مراد خوابِ غفلت سے بیدار کرنا اور چونکانا ہے اور شکر الٰہی کو ہر لحظہ دہرانے اور تازہ کرنے کے لیے اتنا کہا گیا ہے۔ اگر تم زیادہ تفصیل چاہو تو کتاب احیاء العلوم دیکھو۔

خوف اور امید کے بیان میں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (پ ۲۴ ع ۳)

"اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔"

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا حرام ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

لَا يَمُوْتَنَّ اَحَدُكُمْ اِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللّٰهِ تَعَالٰى (احیاء، مسلم)

"کوئی نہ مرے مگر اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اچھا گمان رکھتا ہو۔"

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ حق جل وعلا کا ارشاد ہے کہ:

اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ فَلْيَظُنَّ بِیْ مَا شَاءَ (احیاء۔ ابن حبان)

"میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں پس گمان رکھے مجھ پر جیسا چاہے۔"

اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس حالت نزع میں تشریف لے گئے۔

فَقَالَ كَيْفَ تَجِدُكَ فَقَالَ اَجِدُنِيْ اَخَافُ ذُنُوْبِيْ وَاَرْجُوْ رَحْمَةَ رَبِّيْ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اجْتَمَعَا فِيْ قَلْبِ عَبْدٍ فِيْ هٰذَا الْمَوْطِنِ اِلَّا اَعْطَاهُ اللّٰهُ مَا رَجَاهُ وَاٰمَنَهُ مِمَّا يَخَافُ

"آپ نے فرمایا کہ اپنے کو کیسا پاتے ہو؟ اس نے کہا میں اپنے تئیں ایسا پاتا ہوں کہ اپنے گناہوں سے تو ڈر رہا ہوں اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہوں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسے وقت میں دو باتیں کسی بندے کے قلب میں جمع نہ ہوں گی مگر خداوند تعالیٰ اس کو عطا کرے گا وہ چیزیں جس کی وہ امید رکھتا تھا اور امن میں رکھے گا اسے ان چیزوں سے جن سے وہ ڈرتا تھا۔" (احیاء۔ ترمذی و نسائی)

رجاء (امید) کے بارہ میں اتنی آیتیں اور حدیثیں وارد ہو چکی ہیں جن کا حصر نہیں کیا جا سکتا۔ بعض آیتیں لکھی جاتی ہیں: آیت شریفہ:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔ (پ ۲۴ ع ۳)

"(کہہ دو اے نبیؐ) اے میرے بندو جنہوں نے اپنے اوپر زیادتی کی ہے کہ تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بیشک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دیگا۔ واقعی وہ بڑا بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے۔"

اور ایک قراءۃ میں ہے کہ حضورؐ نے اس طرح پڑھا کہ "ولا یبالی" یعنے اسے کوئی پرواہ نہیں (اگر وہ سب گناہ بخش دے) بیشک وہ غفور و رحیم ہے۔

اور ارشاد ہے کہ:

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ (پ ۲۵ ع ۱)

"فرشتے تسبیح کرتے ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ اور بخشش اور معافی مانگتے ہیں زمین کے رہنے والوں کے لیے۔"

اور اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ آگ (دوزخ) کو اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے تیار کیا ہے اور اپنے اولیاء (دوست بندوں) کو تو صرف اس سے ڈرایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ:

مِنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ (پ ۲۳ ع ۱۶)

ان کے لیے (دوزخیوں کے لیے) اُن کے اوپر سے آگ کے سائبان ہیں اور ان کے نیچے سے بھی مثل سائبان کے۔ یہی ہے جس سے اللہ تعالیٰ ڈراتا ہے اپنے بندوں کو۔"

اور ارشادِ الٰہی ہے کہ:

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ (پ ۴ ع ۵)

"ڈرو اس آگ سے جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔"

ابو موسیٰ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اُمَّتِيْ اُمَّةٌ مَّرْحُوْمَةٌ لَا عَذَابَ عَلَيْهَا فِي الْاٰخِرَةِ عَجَّلَ اللّٰهُ عِقَابَهَا فِي الدُّنْيَا الزَّلَازِلَ وَالْفِتَنَ فَاِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ دُفِعَ اِلٰى كُلِّ رَجُلٍ مِّنْ اُمَّتِيْ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ فَقِيْلَ هٰذَا فِدَاؤُكَ مِنَ النَّارِ۔ (احیاء — ابوداؤد وابن ماجہ)

"میری اُمت بخشی ہوئی اُمت ہے۔ اس پر آخرت میں کوئی عذاب نہیں اللہ تعالیٰ نے ان کا عقاب یہیں دنیا میں بھیج دیا ہے۔ یعنی فتنے اور زلزلے۔ پس جبکہ قیامت کا دن ہو گا۔ تو میری اُمت سے ہر ایک شخص کو ایک شخص اہل کتاب میں سے دے دیا جائے گا۔ اور کہا جائے گا کہ یہ دوزخ سے بچاؤ کے لیے تمہارا فدیہ ہے۔"

حضرت انس حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے اپنی اُمت کے بارہ میں اپنے رب سے سوال کیا۔ اس طرح سے کو فرمایا کہ :

"یَا رَبِّ اجْعَلْ حِسَابَهُمْ اِلَیَّ لِئَلَّا یَطَّلِعَ عَلٰی مَسَاوِیْهِمْ غَیْرِیْ فَاَوْحَی اللّٰهُ تَعَالٰی اِلَیْهِ هُمْ اُمَّتُكَ وَهُمْ عِبَادِیْ وَاَنَا اَرْحَمُ بِهِمْ مِنْكَ لَا اَجْعَلُ حِسَابَهُمْ اِلٰی غَیْرِیْ لِئَلَّا تَنْظُرَ اِلٰی مَسَاوِیْهِمْ اَنْتَ وَلَا غَیْرُكَ۔ (احیاء)

"اے میرے پروردگار! ان کا (میری اُمّت کا) حساب وکتاب مجھے ہی سپرد کیا جائے تاکہ کوئی اور ان کی برائیوں سے مطلع نہ ہو سکے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی کہ "اگر وہ اُمّت تمہاری ہے تو بندے میرے ہیں اور میں تم سے زیادہ ان پر رحیم اور کریم ہوں۔ میں اپنے ماسوا کسی کے حوالے ان کا حساب نہیں کرتا تاکہ آپ خود یا آپ کے علاوہ بھی کوئی اور ان کی برائیوں کو نہ دیکھ سکے۔"

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "میری حیات بھی تمہارے لیے بہتر ہے اور میری موت بھی تمہارے لیے بہتر ہے۔ حیات تو یوں کہ میں تمہارے لیے فوز و فلاح کے طریقے اور سُنتیں مقرر کرتا ہوں اور تمہارے لیے شریعت بناتا ہوں اور موت یوں کہ تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ پس ان میں جو میں اچھا دیکھتا ہوں تو اس پر اللہ کی حمد کرتا ہوں اور جو بُرا نظر آتا ہے تو تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش کی طلب کرتا ہوں۔"

خوف

خوف کے فضائل اس کثرت سے وارد ہو چکے ہیں۔ جن کا حصر نہیں کیا جا سکتا اور فضیلت خوف میں اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خوف رکھنے والوں کے لیے یہ ساری فضیلتیں جمع فرما دی ہیں یعنی ہدایت، رحمت، علم اور اپنی خوشنودی اور یہی باتیں مقاماتِ جنّت کو لے لینے والی ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :

وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ۔ (پ ۹ ع ۹)

" یہ (کلام مجید) ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔"

اور ارشاد الٰہی ہے کہ:

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۔ (پ ۲۲ ع ۱۶)

" اللہ کے بندوں میں، اس سے (اللہ سے) علماء ہی ڈرتے ہیں۔"

ان کو خوف و خشیت کے سبب ہی وصف علم سے ممتاز فرمایا۔ اور حق جلّ وعلا کا ارشاد ہے کہ:

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۔ (پ ۳۰ ع ۲۲)

" اللہ ان سے راضی رہیگا اور وہ اللہ سے راضی رہیں گے۔ یہ اس شخص کے لیے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے۔"

خوف کا ثمرہ پرہیزگاری اور تقویٰ ہے اور ان کی فضیلت میں جو وارد ہو چکا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ یہانتک کہ آخرت کا نام ہی تقویٰ پڑگیا ہے اور تقویٰ کے ساتھ مخصوص ہو گئی ہے جس طرح سے کہ "حمد" اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور "صلوٰۃ" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہو گئی ہیں۔

چنانچہ کہا جاتا ہے کہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَ الصَّلٰوةُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۔

" حمد اسی کے لیے ہے جو پروردگار ہے تمام جہان کا اور آخرت پرہیزگاروں کے لیے ہے اور صلوٰۃ ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر ہو اور ان کی تمام آل پر۔"

اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے تقویٰ کو اپنی طرف نسبت دے کر خاص فرمالیا۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ

"اللہ کو ان کے (قربانی کے جانوروں کے) گوشت یا ان کے خون نہیں پہنچتے لیکن اس کو تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔" (پ ۱۷ ع ۱۲)

اور تقویٰ رُک جانے سے عبارت ہے کہ جو خوف کا مقتضیٰ ہے۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ اور اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ (پ ۲۶ ع ۱۴)

"تم سب میں اللہ کے نزدیک معزز و مکرم وہ ہے جو تم میں زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے"

اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اوّلین و آخرین کو تقویٰ کی وصیت فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ:

وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ۔ (پ ۵ ع ۱۶)

"ہم نے وصیت کی تھی ان لوگوں کو جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور تم کو بھی (وصیت کی جاتی ہے) اس بات کی کہ اللہ سے ڈرو۔"

اور فرمایا کہ:

وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ (پ ۴ ع ۹)

"مجھ ہی سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔"

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تقویٰ کی فضیلت میں کہ:

اِذَا جَمَعَ اللّٰهُ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ فَاِذَا هُمْ بِصَوْتٍ يُسْمِعُ اَقْصَاهُمْ كَمَا يُسْمِعُ اَدْنَاهُمْ فَيَقُوْلُ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ قَدْ اَنْصَتُّ لَكُمْ مُنْذُ خَلَقْتُكُمْ اِلٰى يَوْمِكُمْ هٰذَا فَاَنْصِتُوْا اِلَيَّ الْيَوْمَ اِنَّمَا هِيَ اَعْمَالُكُمْ تُرَدُّ عَلَيْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ قَدْ جَعَلْتُ نَسَبًا وَجَعَلْتُمْ نَسَبًا فَوَضَعْتُمْ نَسَبِيْ وَرَفَعْتُمْ نَسَبَكُمْ قُلْتُ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ وَاَبَيْتُمْ اِلَّا اَنْ تَقُوْلُوْا

فُلَانُ ابْنُ فُلَانٍ وَ فُلَانٌ اَغْنٰى مِنْ فُلَانٍ فَالْيَوْمَ اَضَعُ نَسَبَكُمْ وَاَرْفَعُ نَسَبِيْ اَيْنَ الْمُتَّقُوْنَ فَيُرْفَعُ لِلْقَوْمِ لِوَاءٌ فَيَتْبَعُ الْقَوْمُ لِوَاءَهُمْ اِلٰى مَنَازِلِهِمْ فَيَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ ٥ (احیاء)

" جب کہ خداوند تعالیٰ اوّلین و آخرین کو قیامت کے دن اکٹھا کرے گا۔ تو وہ ایک ایسی آواز سنیں گے کہ قریب و بعید سب کو سننے میں یکساں ہو گا۔ پھر خداوند تعالیٰ فرمائے گا کہ اے لوگو! جب سے میں نے تم کو پیدا کیا ہے آج تک میں تم سے خاموش رہا ہوں۔ تو آج تم میرے لیے خاموش رہو تاکہ تمہارے اعمال تمہارے سامنے پیش کیے جائیں۔

اے لوگو! ایک نسب میں نے بنایا تھا اور ایک تم نے مقرر کیا تھا۔ تو تم نے میرے نسب کو پست کیا اور اپنے گھڑے ہوئے نسب کو بلند کر دیا میں نے تو یہ کہا تھا کہ تم میں زیادہ مکرم اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے اور تم نے اس کا انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ فلاں فلانے کا بیٹا ہے۔ اور فلاں فلانے سے زیادہ غنی ہے پس آج میں تمہارے نسب کو پست کرتا ہوں اور اپنے مقرر کیے ہوئے نسب کو بلند کرتا ہوں۔ کہاں ہیں پرہیزگار! (کہہ کر پکارا جائیگا) پھر اس قوم کے لیے ایک جھنڈا بلند کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ اس کے پیچھے پیچھے اپنی اپنی منزلوں کو پہنچیں گے اور جنت میں بغیر حساب و کتاب داخل ہوں گے۔"

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

رَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ۔ (احیاء۔ بیہقی)

" حکمت کا سر اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے۔"

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسعود کو فرمایا تھا کہ:

اِنْ اَرَدْتَ اَنْ تَلْقَانِيْ فَاَكْثِرْ مِنَ الْخَوْفِ بَعْدِيْ۔ (احیاء)

" اگر تمہارا ارادہ ہے کہ مجھ سے ملو تو میرے بعد زیادہ خائف رہو۔"

حضرت فضیلؒ کہتے ہیں کہ "جو اللہ سے ڈرتا ہے تو وہ خوف ہی اس کو سب نیکیوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

اور حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ " میں اللہ تعالیٰ سے جس دن ڈرا تو اس دن میں نے ایک ایسا دروازہ حکمت اور عبرت کا کھلا پایا کہ میں نے اُسے کبھی دیکھا تھا۔"

اور حضرت یحییٰ بن معاذ کہتے ہیں کہ کوئی مومن کسی بُرائی کا ارتکاب نہیں کرتا۔ مگر یہ کہ اس کے بعد دو نیکیاں اس کو لاحق ہوتی ہیں (۱) عقاب کا خوف (۲) عفو کی امید۔ جس طرح سے کہ ایک لومڑی دو شیروں کے درمیان گھری ہوئی ہو۔"

اسی طرح سے ذکر الٰہی کی اتنی فضیلتیں بیان کی گئی ہیں جو کسی سے پوشیدہ نہیں اور ذکر کو خائفین ہی کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ:

سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى (پ۳۰ ع ۱۲)

" ذکر وہی کرے گا جو اللہ سے ڈرتا ہے۔"

اور ارشاد ہے کہ:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ (پ۲۷ ع ۱۳)

" جو اپنے رَبّ کے سامنے (بروزِ حشر) کھڑے ہونے سے ڈرے اُسے دو باغ عطا ہوں گے۔"

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ وَعِزَّتِیْ لَا اَجْمَعُ عَلٰی عَبْدِیْ خَوْفَیْنِ وَلَا اَجْمَعُ لَہٗ اَمْنَیْنِ فَاِنْ اَمِنَنِیْ فِی الدُّنْیَا اَخَفْتُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَاِذَا خَافَنِیْ فِی الدُّنْیَا اٰمَنْتُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔ (احیاء۔ [illegible])

" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم ہے کہ میں اپنے بندے پر دو خوف جمع نہ کروں گا۔ اسی طرح سے دو امن بھی جمع نہ کروں گا۔ اگر دنیا میں وہ مجھ سے بے خوف رہا ہے تو قیامت کے دن میں اُسے ڈراؤنگا اور اگر دنیا میں وہ مجھ سے خوف میں رہا ہے تو قیامت کے دن اُس کو

بے خوف اور امن میں رکھوں گا۔"

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

مَنْ خَافَ اللّٰہَ تَعَالٰی خَافَہٗ کُلُّ شَیْئٍ وَمَنْ خَافَ غَیْرَ اللّٰہِ خَوَّفَہُ اللّٰہُ مِنْ کُلِّ شَیْئٍ (احیاء۔ ابن حبان، ابن الدنیا)

"جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اس سے ہر ایک چیز ڈرتی ہے! اور جو غیر اللہ سے ڈرتا ہے اُسے اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز سے ڈراتا ہے۔"

زہد اور فقر کے بیان میں

حق سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لِلْفُقَرَآءِ الْمُھٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَاَمْوَالِھِمْ۔

"(مالِ فے) ان فقیروں اور محتاج مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکالے گئے ہیں۔" (پ ۲۸ ع ۴)

(ان کے اوصاف بیان فرمانے کے بعد کہا گیا ہے کہ "اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ" "یہی لوگ سچے ہیں۔")

اور ارشاد ہے کہ:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ۔ (پ ۳ ع ۵)

"(حق) ان فقیر اور ناداروں کا ہے جو اللہ کی راہ میں (دشمنوں کے نرغے میں) گھرے ہوئے ہیں جو ملک میں چل پھر نہیں سکتے۔"

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ کلام مقام مدح میں ارشاد فرمایا ہے۔ پھر خاص ان کے فقر کی صفت کو ہجرت اور احصار (گھرے ہوئے ہونے) کی صفتوں سے مقدم رکھا ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنے اصحاب سے دریافت فرمایا کہ:

اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ فَقَالُوْا مُوْسِرٌ مِّنَ الْمَالِ یُعْطِیْ حَقَّ اللّٰہِ مِنْ نَّفْسِہٖ وَمَالِہٖ۔

"لوگوں میں کون بہتر ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ وہ مالدار جو اللہ تعالیٰ کا حق اپنی جان و مال سے ادا کرتا ہو۔"

حضورؐ نے فرمایا کہ:

نِعْمَ الرَّجُلُ ھٰذَا وَلَیْسَ بِہٖ قَالُوْا فَمَنْ خَیْرُ النَّاسِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَقَالَ فَقِیْرٌ یُعْطِیْ جُھْدَہٗ۔ (احیاء — دیلمی)

"یہ آدمی بھی اچھا ہے لیکن اس سے بھی بڑھ کر بتلاؤ" انہوں نے کہا یا رسول اللہ! پھر کون بہتر ہے؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ "وہ فقیر جو (اللہ کی راہ میں) رنج اٹھاتا ہو اور کوشش کرتا ہو۔"

اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو فرمایا تھا کہ:

اِلْقَ اللّٰہَ فَقِیْرًا وَّلَا تَلْقَہٗ غَنِیًّا۔ (احیاء — حاکم و طبرانی)

"خدا سے فقیری کی حالت میں ملو غنی ہو کر نہ ملو۔"

اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْفَقِیْرَ الْمُتَعَفِّفَ اَبَا الْعِیَالِ (احیاء — ابن ماجہ)

"اللہ تعالیٰ فقیر کو دوست رکھتا ہے جو پرہیزگار ہو اور جو بال بچوں والا ہو۔"

اور ایک مشہور حدیث میں ہے کہ:

یَدْخُلُ فُقَرَاءُ اُمَّتِیْ الْجَنَّۃَ قَبْلَ اَغْنِیَائِھَا بِخَمْسِ مِأَۃٍ وَفِیْ حَدِیْثٍ اٰخَرَ بِاَرْبَعِیْنَ خَرِیْفًا۔ (احیاء — ترمذی — مسلم)

"میری امت کے فقراء مالداروں سے پانچسو برس پہلے جنت میں داخل ہونگے"

اور ایک دوسری حدیث میں چالیس سال آیا ہے۔

اور حق تعالیٰ نے قارون کے قصہ میں فرمایا ہے کہ:

فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ ۭ قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ۝ وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا یُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۝

"قارون نکلا اپنی قوم پر آرائش میں، کہنے لگے وہ لوگ جو دنیاوی زندگی کے مالک تھے کہ اے کاش! ہم کو بھی ملا ہوتا جیسا قارون کو ملا ہے۔ بیشک وہ بڑا صاحبِ نصیب ہے اور کہا ان لوگوں نے جن کو علم عطا کیا گیا تھا کہ وائے تم پر! اللہ کا ثواب بہتر ہے اُس کے لیے جو ایمان لایا اور نیک اعمال کیے۔ اور یہ بات انہی کے دل میں ڈالی جاتی ہے جو صبر کرنے والے ہیں۔" (پ۲۰ ع ۱۰)

اللہ تعالٰے نے زہد کی نسبت علماء کی طرف فرمائی ہے اور زاہدوں کو وصفِ علم سے ممتاز فرمایا ہے اور یہ انتہائی تعریف ہے۔

اور حق تعالٰی نے فرمایا ہے کہ:

اُولٰٓئِكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا ۔ (پ۲۰ ع ۹)

"یہی ہیں جن کو ان کا اجر دوہرا دیا جائے گا۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے صبر کیا۔"

اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ:

مَنْ كَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِیْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الدُّنْیَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِیْبٍ ۔ (پ۲۵ ع ۴)

"جو شخص طالب ہو آخرت کی کھیتی کا، بڑھا دیں گے ہم اُس کے لیے اُس کھیتی میں۔ اور جو طالب ہو دنیا کی کھیتی کا ہم اس کو دے دیں گے کچھ اس میں سے اور اس کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔"

اور جاننا چاہیے کہ دنیا کی محبت مہلکات میں سے ہے اور دنیا کا بغض نجات دینے والے امور میں سے ہے اور یہی معنی ہیں زہد کے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

مَنْ اَصْبَحَ وَهَمَّهُ الدُّنْیَا شَتَّتَ اللّٰهُ عَلَیْهِ اَمْرَهٗ وَفَرَّقَ

عَلَيْهِ ضَيْعَتَهُ وَجَعَلَ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ وَمَنْ أَصْبَحَ وَهَمُّهُ الْآخِرَةُ جَمَعَ اللّٰهُ لَهُ هَمَّهُ وَحَفِظَ عَلَيْهِ ضَيْعَتَهُ وَجَعَلَ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ وَأَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ۔ (احیاء۔ ابن ماجہ و ترمذی)

"جو شخص صبح کو اس حال میں اٹھتا ہے کہ اُسے دنیا کا فکر لگا ہوتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کے کام کو پراگندہ کر دیتا ہے۔ اور اُس کے روزگار اور پیشہ کو تباہ کر دیتا ہے اور افلاس و احتیاج سے اس کو دوچار کر دیتا ہے اور پھر بھی دنیا میں سے اس سے زائد تو اُسے ملنے کا نہیں جو اللہ تعالےٰ نے اس کے لیے مقرر کیا ہے اور جو شخص اس حال میں صبح کرتا ہے کہ اس کو آخرت ہی کا خیال اور فکر دامنگیر اور پیش نظر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مشکلات کو آسان کر دیتا ہے اور اس کے روزگار و پیشہ کی حفاظت کرتا ہے۔ اور اس کے قلب کو غنی بنا دیتا ہے۔ اور دنیا بھی خوار ہو کر اس کے پاس کھنچی چلی آتی ہے۔"

توکّل کے بیان میں

اللہ تعالیٰ توکل کی مدح میں فرماتا ہے کہ:

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ (پ۶ ع ۸)

"اگر تم مومن ہو تو اللہ ہی پر توکل کرو"

اور فرمایا کہ:

عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ (پ۱۳ ع ۱۴)

"اللہ ہی پر توکل کریں توکل کرنے والے۔"

اور فرمایا ہے کہ:

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (پ۲۸ ع ۱۷)

"جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے تو وہ ہی اس کو کافی ہے۔"

اور حق تعالیٰ جل وعلا فرماتا ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ۔ (پ۴ ع ۸)

"اللہ تعالیٰ توکل رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

اور اس مقام و مرتبے کو بہت ہی بڑا سمجھنا چاہیئے کہ جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ اس مقام والے سے محبت کرتا ہے اور اس کی ہست و نیست کا کفیل اور ضامن ہوتا ہے۔ پس جس شخص کا اللہ تعالیٰ محب اور کفیل، اور رعایت رکھنے والا ہو تو وہ نہایت بڑی کامیابی کو پہنچا ہوا ہے۔ اس لیے کہ محبوب کو نہ عذاب دیا جاتا ہے اور نہ اس کی دوری گوارا کی جا سکتی ہے۔ اور نہ اس سے پردہ کیا جاتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

"أَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ۔" (پ۲۴ ع ۱)

"کیا اللہ اپنے بندہ کو کافی نہیں ہے؟"

پس جو شخص غیر خدا سے کفایت و کفالت کا طالب ہے۔ تو وہ توکل کا تارک ہے اور اس آیت مبارکہ کو جھٹلا رہا ہے۔

حضرت ابن مسعود کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

أُرِيتُ الْأُمَمَ فِي الْمَوْسِمِ فَرَأَيْتُ أُمَّتِي قَدْ مَلَؤُا السَّهْلَ وَالْجَبَلَ فَأَعْجَبَتْنِي كَثْرَتُهُمْ وَهَيْئَاتُهُمْ فَقِيلَ أَرَضِيتَ قُلْتُ نَعَمْ قِيلَ وَمَعَ هٰؤُلَاءِ سَبْعُونَ أَلْفًا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ قِيلَ: مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ الَّذِينَ لَا يَكْتَوُونَ وَلَا يَتَطَيَّرُونَ وَلَا يَسْتَرْقُونَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ فَقَامَ عُكَاشَةُ وَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ادْعُ اللّٰهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ مِنْهُمْ فَقَامَ آخَرُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ادْعُ اللّٰهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ ۔ (احیاء۔ ابن منیع و شیخین)

"میں نے سب اُمتوں کو جبکہ وہ جمع کی گئی تھیں دیکھا (شبِ معراج میں) اور اپنی امت کو میں نے اس کثرت میں پایا کہ اس نے پہاڑوں اور میدانوں کو بھر لیا تھا۔ مجھے ان کی کثرت (بہتات) اور ہیئت پسند آئی۔ پس مجھے کہا گیا کہ کیا راضی ہو گئے؟" میں نے کہا "ہاں" کہا گیا کہ ان کے ساتھ ستر ہزار اور بھی جنت میں بغیر حساب کتاب داخل ہوں گے۔ حضورؐ سے عرض کیا گیا کہ وہ کون لوگ ہیں یا رسول اللہ؟ حضورؐ نے فرمایا "وہ لوگ ہیں جو داغ نہیں لگاتے، اور بدفالی نہیں لیتے، اور گنڈے اور جھاڑ وغیرہ نہیں کرتے بس اپنے پروردگار ہی پر توکل کرتے ہیں۔" عکاشہ کھڑے ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ دعا کیجیے کہ اللہ تعالےٰ مجھے اس جماعت میں کر دے (جو بغیر حساب جنت میں داخل ہوں گے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ "یا اللہ اس کو ان میں سے کر دے۔" پھر ایک دوسرے شخص نے اٹھ کر عرض کیا کہ "یا رسول اللہ میرے لیے بھی دعا فرمایئے تاکہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں سے کر دے۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے اس معاملہ میں عکاشہ سبقت لے گئے۔"

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

لَوْ اَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرُزِقْتُمْ كَمَا يُرْزَقُ الطَّيْرُ تَغْدُوْ خِمَاصًا وَّتَرُوْحُ بِطَانًا ۔ (احیاء۔ ترمذی و حاکم)

"اگر تم اللہ تعالیٰ پر توکل کرو۔ جیسا کہ حق ہے توکل کا، تو تمہیں بھی اسی طرح سے رزق دیا جائے جیسا کہ پرندوں کو دیا جاتا ہے کہ وہ صبح کو بھوکے اٹھتے ہیں اور شام ہوتی ہے تو سیر ہو کر لوٹتے ہیں۔"

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

مَنِ انْقَطَعَ اِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ كَفَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى كُلَّ مَئُوْنَةٍ وَّ

رَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنِ انْقَطَعَ إِلَى الدُّنْيَا وَكَلَهُ اللّٰهُ إِلَيْهَا۔ (احیاء ۔۔ طبرانی وغیرہ)

" جو شخص سارے علاقے توڑ کر اللہ ہی کا ہو لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سب اسباب معیشت اور تکالیف کے لیے کافی ہوگا اور اس کو وہاں سے رزق پہنچائیگا جہاں سے اس کا گمان بھی نہ ہوگا اور جو شخص سب باتوں کو چھوڑ کر دنیا ہی کا ہو گیا تو اللہ اس کو دنیا ہی کی طرف سونپ دیتا ہے۔"

محبتِ الٰہی کے بیان میں

جاننا چاہیئے کہ محبت الٰہی ہی مقاماتِ عالیہ کا منتہائے عروج اور درجاتِ رفیعہ کا انتہائی بلند پایہ ہے۔ مقام محبت تک رسائی کے بعد جو مقامات آتے ہیں وہ سب اس کے تابع اور اس کے ثمر ہوتے ہیں مثلاً شوق، انس، رضا اور ان جیسے اور۔

اور محبت سے قبل جو مقامات ہیں وہ بھی مقام محبت کے مقدمات ہوتے ہیں مثلاً توبہ، صبر، زہد اور ان جیسے اور۔"

بعض علماء نے محبت کے یہ معنی کہے ہیں کہ " اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مواظبت اور ہمیشگی کرنا ہی محبت ہے۔" حقیقتاً محبت کا حق سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ پایا جانا تو محال ہے اس لیے کہ وہ تو ہم جنس اور مثال سے ہو سکتی ہے۔

اس پردہ کا اٹھانا ضروری ہے۔ اس لیے کہ اُمّت مرحومہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کرنا فرض ہے۔ بھلا جس چیز کا سرے سے وجود نہ ہو اس کو اُمّت پر کیونکر فرض کیا جاتا ہے۔ اور محبت کے معنی طاعت کہنا بھی ٹھیک نہیں، اس لیے کہ طاعت تو محبت کا ثمرہ اور اس کی تابع ہے۔ اس لیے ضرور ہے کہ محبت طاعت سے پہلے پائی جائے اور اصل میں بھی یہی ہے کہ پہلے محبت ہوتی ہے اس کے بعد طاعت کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اثبات محبت پر آیات اور احادیث ذیل دلالت کرتی ہیں، (مومنین کی شان میں

یہ آیت نازل ہوئی ہے) کہ:

یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ (پ ۶ ع ۱۲)

" اللہ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔"

اور دوسری آیت میں ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (پ ۲ ع ۴)

" جو لوگ ایمان والے ہیں ان کو اللہ کی محبت بہت زیادہ ہے۔"

یہ آیت کریمہ اثبات محبت پر بھی دلالت کرتی ہے اور اس بات پر بھی کہ محبت کے درجوں میں تفاوت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی محبت کو شروط ایمان میں سے گردانا ہے۔ چنانچہ ابو رزین عقیلی نے جب کہا کہ:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْاِيْمَانُ قَالَ اَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْكَ مِمَّا سِوَاهُمَا۔ (احیاء ۔ احمد)

" یا رسول اللہ! ایمان کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تمہیں اللہ اور اس کے رسول ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں۔"

اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا۔ (احیاء ۔ متفق علیہ)

" تم میں سے کوئی مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ان کے ماسوا سب سے زیادہ محبت نہ رکھے۔"

اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ:

لَا يُؤْمِنُ الْعَبْدُ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ اَهْلِهٖ وَمَالِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَمِنْ نَّفْسِهٖ۔ (احیاء ۔ متفق علیہ)

" کوئی بندہ کمالیت ایمان کا درجہ نہیں پا سکتا جب تک کہ مجھ سے اسے اپنے اہل و عیال اور اپنے مال اور سب لوگوں سے زیادہ محبت نہ ہو۔ ایک روایت

یں ہے کہ اپنے نفس سے بھی زیادہ ۔"

بھلا کیونکر نہ ہو اس لیے کہ حق تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے کہ :

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآءُکُمْ وَ اَبْنَآءُکُمْ وَ اِخْوَانُکُمْ (پ ۱۰ع ۹)

" کہدیجیے (اے حبیب) کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہاری برادری اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور سوداگری جس کے مندا پڑ جانے کا خوف کرتے ہو اور حویلیاں جن کو تم پسند کرتے ہو۔ تم کو زیادہ عزیز ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تو منتظر رہو تا کہ بھیجے اللہ اپنا حکم اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں کرتا۔"

اور یہ کلام مقام تہدید و ملامت میں کہا گیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی محبت کا امر فرمایا ہے کہ :

اَحِبُّوا اللّٰهَ لِمَا يَغْذُوْكُمْ مِنْ نِّعَمِهٖ وَ اَحِبُّوْنِيْ لِحُبِّ اللّٰهِ اِيَّايَ ۔ (احیاء ترمذی)

" خدا سے محبت رکھو اس لیے کہ وہ تمہیں اپنی نعمتوں میں سے کھلاتا ہے اور مجھ سے بھی محبت رکھو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی مجھ سے محبت ہے ۔"

روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ :

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اُحِبُّكَ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَعِدَّ لِلْفَقْرِ فَقَالَ اِنِّيْ اُحِبُّ اللّٰهَ تَعَالٰى فَقَالَ اِسْتَعِدَّ لِلْبَلَاءِ ۔ (احیاء ترمذی)

" یا رسول اللہ میں آپ سے محبت رکھتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ فقر کے لیے تیار ہو جاؤ پھر اس نے کہا کہ میں اللہ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تو پھر مصیبت اور بلا کے لیے تیار ہو جاؤ ۔"

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے مصعب بن عمیر کو سامنے آتے ہوئے دیکھا، ان پر ایک دنبے کی کھال تھی جس کو انہوں نے اوڑھ کر اپنی کمر پر باندھ لیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

اُنْظُرُوْا اِلٰى هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِيْ نَوَّرَ اللّٰهُ قَلْبَهٗ لَقَدْ رَاَيْتُهٗ

يُغَنِّ اَبَوَيهِ يَغْذُوَانِهِ بِاَطْيَبِ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ فَدَعَاهُ حُبُّ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ اِلٰى مَا تَرَوْنَ ۔ (احیاء — ابو نعیم)

"اس شخص کو دیکھو جس کے دل کو خداوند تعالیٰ نے منور و روشن کر دیا ہے میں نے اس کو اس کے والدین کے پاس دیکھا تھا۔ وہ اسے نہایت اچھا کھانا پینا دیتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ اور اس کے سچے رسول کی محبت نے اسے اس حد تک پہنچا دیا ہے جیسے تم دیکھ رہے ہو۔"

ایک مشہور حدیث میں ہے کہ:

اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لِمَلَكِ الْمَوْتِ اِذْ جَاءَهٗ لِقَبْضِ رُوْحِهٖ هَلْ رَاَيْتَ خَلِيْلًا يُمِيْتُ خَلِيْلَهٗ فَاَوْحَى اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَيْهِ هَلْ رَاَيْتَ مُحِبًّا يَكْرَهُ لِقَاءَ حَبِيْبِهٖ فَقَالَ يَا مَلَكَ الْمَوْتِ اَلْاٰنَ فَاقْبِضْ ۔ (احیاء)

"حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جب ملک الموت روح قبض کرنے کے آیا تو آپ نے کہا کہ کیا کوئی خلیل (دوست) اپنے خلیل کو مارتا ہے! اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی کی کہ کیا کوئی محب اپنے حبیب کے دیدار کو مکروہ (ناپسند) جانتا ہے اور اس سے پہلو تہی کرتا ہے؟ تب حضرت خلیل نے کہا کہ اے ملک الموت اب میری روح قبض کرے۔"

اور ایسے جذبہ کو اپنے دل میں کوئی نہیں پا سکتا مگر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی محبت اپنے قلب کی گہرائیوں تک پاتا ہو۔ تو وہ جب یہ جان لیتا ہے کہ موت دیدار اور لقا کا سبب ہے۔ تو اس کا دل موت کے لیے اچھل پڑتا ہے اور موت کے علاوہ کوئی چیز اس کی محبوب نہیں رہتی تاکہ اس کی طرف التفات کرے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ اَحَبَّكَ وَحُبَّ مَا يُقَرِّبُنِيْ اِلٰى حُبِّكَ ۔ (احیاء)

"یا اللہ مجھے اپنی محبت اور اس شخص کی محبت جو تم سے محبت کرتا ہے اور ان چیزوں کی محبت جو تمہاری محبت کو قریب کر سکیں نصیب فرما۔"

ایک اعرابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کیا کہ:

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَتَی السَّاعَۃُ قَالَ مَا اَعْدَدْتَ لَہَا قَالَ مَا اَعْدَدْتُ لَہَا کَثِیْرَ صَلٰوۃٍ وَّلَا صِیَامٍ اِلَّا اَنِّیْ اُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّہٗ۔ (احیاء متفق علیہ)

"یارسول اللہ قیامت کب ہوگی؟ حضورؐ نے فرمایا کہ "تم نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے۔" اس نے کہا۔ "میں نے اس کے لیے کوئی زیادہ نماز اور روزے کی تو تیاری کی نہیں البتہ اتنا ضرور ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت رکھتا ہوں۔ پس حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہوگا۔"

حضرت انس کہتے ہیں کہ مسلمان اس بشارت سے اس قدر خوش ہوئے کہ اسلام کے بعد اور کسی چیز سے اتنے خوش نہ ہوئے تھے۔

جاننا چاہیئے کہ جو شخص غیر اللہ سے محبت کرتا ہے لیکن لوجہ اللہ نہیں بلکہ اسی غیر کو محبت میں مقصود بالذات سمجھا ہوا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی معرفت میں قصور اور جہالت کا سبب ہے۔ خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا کیا کہنا ہے اس لیے کہ حضورؐ کی محبت تو عین محبت الٰہی ہے۔ اسی طرح علماء اور پرہیزگاروں کی محبت ہے اس لیے کہ محبوب کا محبوب بھی محبوب ہوتا ہے۔" حقیقت میں یہ ساری محبتیں اسی اصل یعنی محبت الٰہی کی طرف لوٹتی ہیں۔

(**رضا**) جاننا چاہیئے کہ رضا محبت کے نتائج میں سے اور مقربین کے اعلیٰ مقامات میں سے ہے۔ اور اس کی حقیقت اکثر لوگوں پر پوشیدہ ہے۔ اور اس مبحث میں جو شبہے اور وہم پڑتے ہیں وہ اس شخص کے علاوہ جس کو اللہ تعالیٰ نے

تاویل کا علم دیا ہو اور دین میں فہم و فقاہت کا درجہ عطا کیا ہو کسی اور پر نہیں کھلتے۔ چنانچہ منکرین نے تو اس کا صاف انکار کر دیا ہے کہ جو بات خواہش کے مخالف ہو۔ اس پر رضا کا تصور ہی کیونکر کیا جا سکتا ہے۔

رضا کی فضیلت کے بیان میں

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (پ ۱۱ ع ۲)

" اللہ ان سے راضی رہیگا اور وہ اللہ سے رضی "

اور حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۚ (پ ۲۷ ع ۱۳)

" کیا؟ بھلائی کا بدلہ احسان (بھلائی) کے سوا کچھ اور ہے؟ "

اور احسان کی منتہا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے راضی ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے سے رضامند ہونا ہی بندے کے (اللہ سے) راضی ہونے کا بہت بڑا اجر و ثواب ہے۔

چنانچہ ارشاد الٰہی ہے کہ:

مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ

" (جنت) میں عمدہ مکانات ہیں جو ہمیشہ رہنے کے باغوں میں ہوں گے اور اللہ کی رضامندی ان سب سے بڑی ہے۔ " (پ ۱۰ ع ۱۵)

اس میں دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے رضا کا درجہ جنات عدن سے بھی بڑھا دیا ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ يَتَجَلّٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ فَيَقُوْلُ سَلُوْنِيْ فَيَقُوْلُوْنَ رِضَاكَ

" حق سبحانہ وتعالیٰ مومنین کو اپنا جلوہ دکھائے گا پھر فرمائے گا کہ مجھ سے مانگو۔ وہ کہیں گے کہ تمہاری رضا مانگتے ہیں۔ " (احیاء - بزار و طبرانی)

دیدار کے بعد رضا رکا سوال کرنا رضا کی بہت بڑی فضیلت ثابت کرتا ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ :
یُدْعیٰ اِلَی الْجَنَّۃِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ الَّذِیْنَ یَحْمَدُوْنَ اللّٰہَ تَعَالٰی عَلٰی کُلِّ حَالٍ (عوارف)
" وہ لوگ جو سب سے پہلے قیامت کے دن جنت میں بلائے جائیں گے وہ ہونگے
جو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے رہے ہونگے۔" (عوارف)
عبدالعزیز بن ابی رواد کہتے ہیں کہ " جو کی روٹی اور سرکہ کھانے اور اُونی کپڑے پہننے میں کیا شان ہے؟ اصل شان یہ ہے کہ اللہ جل وعلا سے (ہر حال میں) راضی رہا جائے۔"
اور حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ " میں ایک انگارے کو منہ میں ڈالوں اور چاٹوں اور وہ مجھے جلا دے جتنا بھی جلا سکے تو یہ بات مجھے بہ نسبت اس کے بہت پسند ہوگی کہ میں کسی چیز کو موجود ہو یہ کہوں کہ کاش! یہ نہ ہوتی اور جو چیز نہ ہو اس کے لیے کہوں کہ کاش! یہ ہوتی۔"
یہاں پر یہ بحث بھی سمجھ لینی چاہیئے کہ دعا رضا کے مخالف نہیں اور دعا کرنے والا مقامِ رضا سے خارج نہیں ہو جاتا۔ اسی طرح سے گناہوں سے کراہت اور گنہگاروں اور اسبابِ معصیت سے بغض وعداوت اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ذریعہ گناہوں کے زائل کرنے کی کوشش کرنا رضا کے مخالف نہیں۔
اسی مسئلہ میں بعض بیہودے دھوکے میں پڑے ہوئے غلطی کر بیٹھے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ کفر اور فسق وفجور سب اللہ تعالیٰ کے قضا وقدر ہی سے ہوتے ہیں تو ان پر بھی رضا واجب ہے لیکن در اصل یہ شریعت کے اسرار سے غفلت اور تاویل سے جہالت کا نتیجہ ہے۔ اب ان دونوں باتوں کو سمجھ لو۔
دعا جس کا ذکر ہوا۔ یہ تو ہمارے لیے عبادت بنائی گئی ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب انبیاء کرام علیہم السلام کی دعاؤں کی کثرت اس بات پر صاف دلالت کر رہی ہے۔ حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقاماتِ رضا میں سب سے بلند درجہ رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے بندوں کی اس طرح تعریف فرمائی

ہے کہ :

يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا - (پ۱۷ ع ۶)

"وہ ہم سے ڈر اور رغبت سے دعائیں مانگتے ہیں۔"

اور دوسری بات یعنی گناہوں کی کراہت اور ان پر نہ راضی ہونا ان کو بھی حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے عبادت بنا دیا ہے اور ان باتوں پر رضامند ہونے کی مذمت فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ :

وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا (پ۱۱ ع ۶)

"بیشک جو امید نہیں رکھتے ہم سے ملنے کی اور راضی ہو گئے دنیوی زندگی پر اور اسی میں جی لگا بیٹھے۔"

(آخر میں فرماتے ہیں) کہ "ایسوں کا آگ میں ٹھکانا ہے۔" اور ارشاد ہے کہ :

رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (پ۱۰ ع ۱۸)

وہ راضی ہوئے کہ رہ جائیں پیچھے

رہنے والوں کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مُہر لگا دی ہے۔ پس وہ

نہیں جانتے۔"

اور ایک مشہور حدیث میں ہے کہ :

مَنْ شَهِدَ مُنْكَرًا فَرَضِيَ بِهٖ فَكَاَنَّهٗ قَدْ فَعَلَهٗ (احیاء)

"جو شخص کسی بُرے کام پر حاضر ہوا اور اس سے راضی ہوا تو گویا اس نے خود وہ کام کیا۔"

اور ایک حدیث میں ہے کہ :

"اَلدَّالُّ عَلَى الشَّرِّ كَفَاعِلِهٖ (احیاء — دیلمی)

"برائی کی طرف رہنمائی کرنے والا برائی کرنے والے کی طرح ہے۔"

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ بندہ منکر (برائی) سے غائب بھی رہتا ہے مگر اس پر برائی کرنے والے کی طرح برائی لکھی جاتی ہے۔ لوگوں نے کہا یہ کس طرح ہو

سکتا ہے۔ آپ نے کہا کہ یہ اس صورت میں ہے کہ اس برائی کی جب خبر اُسے پہنچے تو وہ اس پر راضی ہو جائے۔

ایک حدیث میں ہے کہ:

لَوْ اَنَّ عَبْدًا قُتِلَ بِالْمَشْرِقِ وَرَضِیَ بِقَتْلِہٖ اٰخَرُ بِالْمَغْرِبِ کَانَ شَرِیْکًا فِیْ قَتْلِہٖ۔ (احیاء)

"اگر ایک شخص مشرق میں قتل کیا جائے اور دوسرا مغرب میں اس کے قتل پر راضی ہو تو وہ بھی اس کے قتل میں شریک سمجھا جائے گا۔"

باقی رہا کفار اور فجار سے بغض و عداوت اور ان کو ملامت کرنا، تو اس بارہ میں اس قدر نصوص وارد ہو چکے ہیں جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ ارشاد الٰہی ہے کہ:

لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ

"مسلمانوں کو چاہیئے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں۔" (پ ۳ ع ۱۱)

اور ارشاد ہے کہ:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤی اَوْلِیَآءَ

"اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست مت بناؤ۔" (پ ۶ ع ۱۲)

اور ارشاد ہے کہ:

وَکَذٰلِکَ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًا بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ (پ ۸ ع ۲)

"اسی طرح ہم ساتھ ملائیں گے بعض گنہگاروں کو بعض سے، بہ سبب ان کے اعمال کے۔"

اور حدیث شریف میں ہے کہ:

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اَخَذَ الْمِیْثَاقَ عَلٰی کُلِّ مُؤْمِنٍ اَنْ یُّبْغِضَ کُلَّ مُنَافِقٍ وَعَلٰی کُلِّ مُنَافِقٍ اَنْ یُّبْغِضَ کُلَّ مُؤْمِنٍ۔ (احیاء)

"اللہ تعالیٰ نے ہر ایک مسلمان سے (ازل میں) یہ عہد لیا ہے کہ ہر ایک منافق سے بغض رکھے اور ہر ایک منافق سے عہد لیا ہے کہ ہر ایک مسلمان سے بغض رکھے۔"

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ ۔ (متفق علیہ)

"آدمی اسی کے ساتھ ہو گا جس سے اس کی محبت ہو گی۔"

اور فرماتے ہیں کہ:

مَنْ اَحَبَّ قَوْمًا وَّ وَالَاهُمْ حُشِرَ مَعَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔ (احیاء۔ طبرانی)

"جو شخص کسی قوم سے محبت اور دوستی رکھتا ہے قیامت کے دن انہیں کے ساتھ اس کا حشر ہو گا۔"

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

اَوْثَقُ عُرَى الْاِيْمَانِ الْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ (احیاء۔ احمد)

"ایمان کا سب سے زیادہ مضبوط اور محکم دستاویز اللہ ہی کے لیے محبت اور اللہ ہی کے لیے بغض رکھنا ہے۔"

یہاں پر اگر یہ سوال کیا جائے کہ آیات اور احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قضائے الٰہی پر راضی ہونا چاہیئے۔ اگر تم کہو کہ معاصی قضائے الٰہی سے نہیں ہیں تو یہ تو محال ہے اور اگر کہو کہ قضائے الٰہی سے ہیں (چنانچہ واقع میں بھی ایسا ہی ہے) تو پھر ان سے کراہت اور ان کو برا جاننا یہ تو خود قضائے الٰہی سے کراہت اور دشمنی ہے تو ان دونوں باتوں کے جمع کرنے کی کیا صورت ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ باتیں واقعی ان لوگوں پر جو اسرارِ علوم کے سمجھنے سے قاصر اور عاجز ہیں ملتبس اور پیچیدہ ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ ایک جماعت پر جب یہ صورت ملتبس ہوئی تو انہوں نے خاموشی کو مقاماتِ رضا میں سے ایک مقام سمجھ لیا اور انہوں نے اس کا نام حسنِ خلق رکھا حالانکہ یہ سراسر جہالت ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ رضا اور کراہت واقعی ضد اور مخالف ہیں لیکن اس صورت میں جبکہ ایک ہی چیز پر ایک ہی جہت اور ایک ہی حیثیت سے وارد ہوں لیکن اگر ایک چیز پر دو جہت اور دو حیثیتوں سے جمع ہو جائیں تو پھر نہ ضدیت ہے اور نہ مخالفت۔ ہو سکتا ہے کہ ایک ہی چیز کو ایک حیثیت

سے تم اُسے بُرا جانو اور دوسری حیثیت سے اس کو پسند کرو مثلاً تمہارا دشمن مرجائے اور وہ تمہارے دوسرے دشمنوں کا بھی دشمن ہو اور ان کے قتل کے درپئے ہو۔ اس صورت میں اس دشمن کی موت کو تم بُرا بھی جانتے ہو اس لیے کہ تمہارے دشمنوں کا دشمن مر گیا اور پسند بھی کرتے ہو۔ اس حیثیت سے کہ وہ تمہارا بھی تو دشمن تھا۔

اسی طرح سے معصیت کی بھی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت بہ نسبت خداوند تعالےٰ کے ہے کہ یہ معصیت اس کے حکم، اس کے ارادہ اور اختیار سے ہے تو اس صورت میں اسے پسند کیا جائیگا کہ ملک مالک الملک کو سونپ دیا جاتا ہے۔

اور دوسری حیثیت بہ نسبت بندے کے ہے کہ اسی بندہ نے اس کا کسب کیا ہے اور یہ اسی کی وصف ہو چکی ہے اور یہ علامت ہے اس بات کی کہ یہ بندہ اللہ کا ناپسندیدہ اور مبغوض ہے کہ اس پر دُوری کے اسباب کو مسلط کر دیا ہے تو اس حیثیت سے یہی معصیت منکر اور بری ہو جاتی ہے۔

اخلاص

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۝

" اور نہیں حکم کیے گئے تھے مگر اس کا کہ اللہ کی عبادت کریں، اس طرح پر کہ خالص رکھیں اسی کے لیے عبادت کو (سب سے) (پ ۳۰ ع ۲۳)

اور ارشاد ہے کہ:

" اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ (پ ۲۳ ع ۱۵)

" خبردار ہو جاؤ کہ اللہ ہی کے لیے خالص عبادت ہے۔"

اور ارشاد ہے کہ:

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ (پ ۵ ع ۱۸)

" مگر جنہوں نے توبہ کر لی اور اپنی حالت سنوار لی اور مضبوط پکڑ لیا اللہ کو اور خالص کر لیا اپنا دین اللہ کے لیے تو وہ ایمان والوں کے ساتھ ہوں گے۔"

اور ارشاد ہے:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝ (پ ۱۶ ع ۲)

"پس جو شخص اپنے رب سے ملنے کی امید رکھے تو چاہیئے کہ نیک عمل کرے اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی دوسرے کو۔"

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

ثَلَاثٌ لَا يَغُلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ رَجُلٍ مُسْلِمٍ اِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ تَعَالٰى

"تین چیزیں ایسی ہیں کہ کسی مسلمان کا دل ان کی وجہ سے کھوٹ میں نہیں پڑتا ان میں سے ایک اللہ کے لیے اخلاص کے ساتھ عمل کرنا ہے۔" (احیاء۔ ترمذی)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ:

يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَلْاِخْلَاصُ سِرٌّ مِّنْ سِرِّيْ اَسْتَوْدَعْتُهٗ قَلْبَ مَنْ اَحْبَبْتُ مِنْ عِبَادِيْ۔ (احیاء ــ احمد وغیرہ)

"حق سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اخلاص میرے اسرار میں سے ایک سر ہے۔ اس کو میں نے امانت رکھا ہے اس شخص کے قلب میں جس کو میں اپنے بندوں میں سے پسند رکھتا ہوں اور محبت کرتا ہوں۔"

اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "تم قلت عمل سے غمگین نہ ہو بلکہ قبولیت کا اہتمام کرو۔ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل کو فرمایا تھا کہ

اَخْلِصِ الْعَمَلَ يُجْزِكَ مِنْهُ الْقَلِيْلُ (احیاء۔ دیلمی)

"عمل میں اخلاص پیدا کرو تو پھر تمہیں تھوڑا عمل بھی کافی ہوگا۔"

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

مَا مِنْ عَبْدٍ يُخْلِصُ لِلّٰهِ الْعَمَلَ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا اِلَّا ظَهَرَتْ يَنَابِيْعُ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهٖ عَلٰى لِسَانِهٖ۔ (احیاء ــ ابن عدی وغیرہ)

"جو شخص چالیس دن اللہ کے لیے اخلاص سے عمل کرے تو حکمت کے چشمے اس کے قلب سے زبان پر پھوٹ پڑیں گے۔"

میں نے ابتداءِ کتاب میں ذکر کیا تھا کہ اخلاص عمل کا روح ہے پس جس طرح سے کہ جسم بغیر روح کے بیکار ہے۔ اسی طرح عمل بغیر اخلاص کے بھی کوئی نفع نہیں بخشتا۔ فرمایا ہے کہ اخلاص نہایت مشکل ہے مگر جس کے لیے کہ خداوند تعالیٰ آسان فرما دے۔ بہت سے اعمال ایسے ہیں کہ انسان اُن میں بہت تکلیف اور بڑی مشقت اٹھاتا ہے اور اس کا گمان یہ ہوتا ہے کہ یہ خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ اور اسی کی وجہ سے وہ دھوکے میں پڑ جاتا ہے۔ اس لیے کہ اس میں جو آفت اور نقصان ہے اس کو نہیں دیکھتا جس طرح کہ ایک بزرگ کی حکایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے تیس برس کی نماز جس کو میں نے مسجد میں اور پہلی صف میں پڑھا تھا، قضا کرلی (لوٹالی) اس لیے کہ ایک دن کسی عذر کی وجہ سے مجھے دیر ہو گئی اور دوسری صف میں مجھے نماز پڑھنی پڑی۔ تو مجھے بڑی خجالت ہوئی کہ لوگوں نے آج مجھے دوسری صف میں دیکھا ہے جب جا کے میں سمجھا کہ پہلی صف میں لوگوں کا دیکھنا ہی میری مسرت اور میرے قلب کے استراحت کا سبب تھا اور اس بات کو میں آج تک نہ سمجھا کہ اس میں اخلاص نہیں۔

اور یہ بات نہایت باریک اور پوشیدہ ہے بہت ہی کم اعمال ان جیسی صورتوں سے بچتے ہوں گے اور بہت ہی کم وہ لوگ ہوں گے جو اس بات کی تہہ کو پہنچ کر اطلاع پاتے ہوں گے۔ ہاں جن کو اللہ تعالیٰ کی توفیق شاملِ حال ہو وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔"

اور جو اس سے غافل ہیں وہ اپنی ساری بھلائیوں کو قیامت کے دن برائیوں کی صورت میں دیکھیں گے۔ اور انہی لوگوں کی طرف حق تعالےٰ کے اس قول میں اشارہ ہے کہ:

وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا۔ (پ ۲۴ ع ۲)

"اور ان کو ظاہر ہوگا اللہ کی طرف سے جس کا ان کو گمان ہی نہ تھا اور ان پر کھل جائیں گی برائیاں ان اعمال کی جو انہوں نے کیے تھے۔"

اور اس ارشاد میں کہ:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا (پ ۱۶ ع ۳)

وہ کہدو کیا ہم تمکو ایسے لوگ بتلائیں جو اعمال کے اعتبار سے بڑے گھاٹے میں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوشش گئی گزری دنیا کی زندگی میں ہے۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں۔"

اور ساری مخلوق میں سے زیادہ اس فتنے میں علماء مبتلا ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ اکثر علماء کی اشاعتِ علم کا سبب اپنے غلبہ و برتری کی خواہش، اور لوگوں کو تابع فرمان بنانے اور تعریف و توصیف کی خوش کن خبروں کے سننے کی خوشی ہی ہوتی ہے اور شیطان ان پر اس بات کو ملتبس اور پوشیدہ کر دیتا ہے اور ان سے کہتا ہے کہ تمہاری غرض تو محض دین الٰہی کی اشاعت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی حفاظت ہی ہے۔ تم اکثر واعظوں کو دیکھوگے کہ وہ لوگوں کو پند و نصیحت کہنے اور سلاطین کے سامنے وعظ کرنے کے سبب اللہ تعالیٰ پر احسان جتلاتے ہوں گے اور آپ اپنی طرف لوگوں کے متوجہ ہونے اور اپنی بات کے قبول کرنے سے خوش ——————— ہو رہے ہوں گے۔ لیکن اس کے ساتھ پھر دعویٰ یہ ہوگا کہ ان کی خوشی اور فرحت فقط اس سبب سے ہے کہ اس میں دین کی نصرت ہے۔

لیکن اگر ان کے اقران و امثال میں سے کوئی ان سے بھی اچھا واعظ پیدا ہوگیا اور لوگوں نے اسی کی طرف رخ کر لیا تو یہ بات آپ کو بہت بری معلوم ہوگی اور سخت غمگین ہو جائیں گے۔ حالانکہ اگر ان کے وعظ کا سبب محض دین ہی دین ہوتا تو حق سبحانہ وتعالیٰ کا شکر بجالاتے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مہم کے لیے دوسرے کو بھیجا اور ہمیں فراغت ہوگئی۔ لیکن پھر بھی شیطان ان کو نہیں چھوڑتا اور کہتا ہے کہ تمہیں یہ غم تو یوں ہو رہا ہے کہ وہ ثواب تم سے منقطع ہوگیا۔ اس وجہ سے تھوڑا ہی غم ہے کہ لوگ تجھ سے پھر گئے اور دوسرے کے ہو لیے بلکہ یہ اس وجہ سے ہے کہ اگر تمہارے وعظ سے نصیحت لیتے اور بہرہ یاب ہوتے تو اس کا ثواب تمہیں ہی پہنچتا۔ اور ثواب کے منقطع ہو جانے سے

جو تمہیں غم ہو رہا ہے یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ بیچارہ اس بات کو نہیں جانتا کہ حق اور امرِ الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہی افضل ہے اسی میں ثواب زیادہ ہے اور یہی آخرت میں فائدہ مند ہے بہ نسبت اس کے کہ تم اکیلے ہی ہوتے۔

اور سنیئے! حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے خلافت قبول کرنے سے اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مغموم ہوتے تو تم ہی کہو کہ ان کا یہ غم اچھا ہوتا یا بُرا؟ ہر ایک دیندار شخص بغیر شک و شبہ کے کہہ دے گا۔ کہ اگر ایسا ہوتا تو واقعی یہ صورت بُری ہوتی۔ اس لیے کہ ان کے لیے حق کی اطاعت اور یہ منصب ایسے شخص کو سونپ دینا جو ان سے زیادہ صالح اور لائق تھے دین میں زیادہ فائدہ مند تھا بہ نسبت اس کے کہ خود مصالح مخلوق کے کفیل بنتے۔ اگرچہ اس صورت میں ثواب بھی بہت تھا بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہایت خوش ہوئے کہ اس منصب پر ایسا شخص فائز ہوا ہے جو ان سے اس بارہ میں زیادہ بہتر اور مستحق ہے۔ پس آخر کیا وجہ ہے کہ علماء ان جیسی باتوں سے خوش نہیں ہوتے۔

سچائی کے بیان میں

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ (پ ۲۱ ع ۱۹)

"(صحابہ) ایسے لوگ ہیں کہ سچ کر دکھایا جس بات پر انہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا"

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

اِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي اِلَى الْبِرِّ وَالْبِرُّ يَهْدِي اِلَى الْجَنَّةِ وَاِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيْقًا وَاِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي اِلَى الْفُجُوْرِ وَالْفُجُوْرُ يَهْدِي اِلَى النَّارِ وَاِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا۔ (احیاء ـ متفق علیہ)

"سچائی نیکی کی طرف ہدایت کرتی ہے اور نیکی جنت تک پہنچا دیتی ہے۔ اور

جو آدمی سچ بولتا رہتا ہے تو وہ اللہ کے نزدیک صدیق (سچا) لکھا جاتا ہے اور جھوٹ بدکاری کا راستہ دکھاتا ہے اور بدکاری دوزخ تک لیجاتی ہے۔ اور جو آدمی جھوٹ بولا کرتا ہے۔ تو وہ اللہ کے نزدیک کذاب (جھوٹا) لکھا جاتا ہے۔"

اور صدق (سچائی) کی تعریف اور فضیلت میں یہی کافی ہے کہ صدیق اسی سے مشتق ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسی لفظ کے ساتھ مدح وثنا کے موقعہ پر انبیاء علیہم السلام کا وصف بیان فرمایا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا (پ ۱۶ ع ۶)

"اور ذکر کرو کتاب میں ابراہیمؑ کا بیشک وہ سچے نبی تھے۔"

اور فرمایا ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا۔ (پ ۱۶ ع ۷)

"اور ذکر کرو کتاب میں اسمٰعیلؑ کا واقعی وہ وعدے کے سچے تھے اور رسول نبی تھے۔"

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا۔ (پ ۱۶ ع ۷)

"اور ذکر کرو کتاب میں ادریسؑ کا بیشک وہ سچے نبی تھے۔"

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ چار چیزیں جس انسان میں ہونگی تو وہ بڑے فائدہ میں ہے، سچائی، حیا، حسن خلق، اور شکر۔

میں کہتا ہوں کہ سچائی کی تعریف میں یہی کافی ہے کہ آیۃ کریمہ میں نبیین کے درجہ کے بعد اور شہدا اور صالحین کے اوپر صدیقین کا درجہ مندرج ہے۔ چنانچہ حق سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا - (پ ۵ ع ۲)

"جو اطاعت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی تو وہ ان کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین، اور یہ لوگ اچھے رفیق ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ ہی کا علم کافی ہے۔"

(احیاء العلوم کا اختصار یہاں تک ختم ہو گیا)

نوٹ: شاید تمہارے دل میں یہ بات کھٹکے کہ جو احادیث اس فصل میں روایت کی گئی ہیں ان میں سے بعض صحت کے درجہ پر پوری نہیں اترتیں تو اس کے لیے تمہیں احیاء العلوم کی شرح مصنفہ زبیدی دیکھنی چاہیئے۔

اے عزیز! تمہیں حق سبحانہ وتعالیٰ نے جب نیکیوں کی توفیق دی ہے (اللہ تعالیٰ تمہارا علم وعمل اور زیادہ فرمائے) تم کو اس بات پر یقین رکھنا چاہیے کہ اخلاص (جس کو اعمال بدنیہ اور قلبیہ میں وہ درجہ حاصل ہے جو روح کو جسم میں ہے) اس وقت تک متحقق و مستحکم نہیں ہو سکتا جب تک کہ حق تعالیٰ کے ساتھ اپنے معاملہ میں صدق وصحت نہ پیدا کی جائے اور اپنے معاملہ کی درستی اس فن شریف کے جاننے پر موقوف ہے اس لیے میں تمہارے سامنے اس فن کا ایک دروازہ کھولتا ہوں جس کو میں نے کتاب حکم مصنفہ عارف باللہ شیخ احمد بن محمد بن عبد الکریم بن عطاء اللہ اسکندرانی (اللہ تعالیٰ ان کے مزار کو منور فرمائے) سے منتخب کیا ہے۔ اس لیے کہ کتاب مذکور اس فن کا لُبِّ لباب ہے۔

فصل

شیخ ممدوح فرماتے ہیں "رضی اللہ تعالیٰ عنہ":

(۱) لغزش اور معصیت صادر ہونے کے وقت عفو کی امید میں نقصان کا ہونا اپنے اعمال پسندیدہ پر اعتماد کی علامت ہے۔

(۲) اسباب دنیاوی سے تجرید اور قطع ظاہری کی تیری خواہش باوجودیکہ خداوند تعالےٰ شانہٗ نے تجھ کو اسباب میں استقامت عطا فرمائی، شہوت پنہانی ہے۔ اور تیرا اسباب کا پابند ہونا باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے تجھ کو اسباب میں راسخ قدم کیا بلند ہمتی سے پستی کی طرف گرنا ہے۔

(۳) تدبیر کی تعب سے اپنے نفس کو راحت دے کیونکہ جو اللہ جل وعلا نے تیرے غیر پر مقدر کر کے تجھ سے اٹھالیا ہے۔ اس کو تم اپنے نفس کے لیے نہیں اٹھا سکتے۔

(۴) ان امور میں تیری کوشش کرنا جن کا وہ تیرے لیے کفیل ہو چکا ہے اور ان امور میں تیری کوتاہی کرنا جن کا وہ تجھ سے طالب ہے تیرے چراغ عقل کے گل ہونے کی دلیل ہے؛

(۵) دعا میں گڑگڑانے کے باوجود عطا میں تاخیر کا ہونا تجھے قبولیت دعا سے کہیں مایوس نہ کر دے۔

(۶) کیونکہ وہ تیری اجابت کا اس امر میں کفیل ہوا ہے جس کو وہ خود تیرے لیے پسند فرماتا ہے نہ جس کو تو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور جس وقت کہ وہ چاہتا ہے نہ جس وقت کہ تو چاہتا ہے۔

(۷) اے بندہ! موعود کا باوجود وعدۂ الٰہی کے ظہور پذیر نہ ہونا تجھے شک میں نہ ڈال دے اگرچہ یہ تاخیر آفتاب کے مغرب سے طلوع ہونے تک ہی کیوں نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ یہ شک تیری عقل کی آنکھ پھوڑ دے اور چراغِ قلب کا نور بجھا دے۔

(۸) جب حق تعالیٰ نے تیرے لیے اپنی معرفت کا کوئی دروازہ کھول دیا تو اس کے ہوتے ہوئے قلت عمل کی پرواہ نہ کر کیونکہ اس نے تیرے لیے یہ دروازہ صرف اس لیے کھولا ہے کہ اپنی معرفت تجھے عطا کر دے۔ کیا؟ تم نہیں جانتے کہ نعمتِ معرفت باری تعالیٰ تمہیں عطا کرتا ہے اور تم اعمال اس کی جناب میں پیشکش کرتے ہو اور تیرے ہدیہ کو باری تعالیٰ کی عطا سے بھلا کیا نسبت ہو سکتی ہے۔

(۹) اعمال کی جنسیں اس لیے مختلف اور متنوع پیدا ہوئی ہیں تاکہ ان پر مختلف اور متنوع واردات الٰہیہ متفرع ہو سکیں۔

(۱۰) بندے کے اعمال صرف بے جان صورتیں ہیں۔ اور سرِ اخلاص کا وجود ان میں بمنزلہ روح ہے۔

(۱۱) اپنے وجود کو گمنامی کی زمین میں دفن کردے اس لیے کہ جو بیج بویا نہ گیا ہو وہ پھلتا نہیں۔

(۱۲) کیا قلب منور ہو سکتا ہے؟ درآنحالیکہ اغیار موجودات کی صورتیں اس کے آئینہ میں منقش ہوں۔ اور کیا وہ حضورِ الٰہی سے مشرف ہو سکتا ہے؟ درآنحالیکہ ابھی شہواتِ نفسانیہ کی قید میں مقید ہے اور کیا وہ بارگاہِ الٰہی میں داخل ہونے کی امید کرسکتا ہے؟ درآنحالیکہ ابھی اپنی غفلتوں کی ناپاکی سے پاک نہیں ہوا اور کیا وقائق اسرار کے سمجھنے کی توقع رکھتا ہے؟ درآنحالیکہ وہ ابھی اپنی نازیبا حرکتوں سے باز نہیں آیا۔

(۱۳) موجوداتِ عالم سب کے سب تاریکیاں ہیں اور ان میں جو باری تعالیٰ کا ظہور ہوا ہے اسی نے ان کو منور کر رکھا ہے تو جس کی نظر مخلوقات تک محدود ہے اور اس نے ان میں یا ان کے قریب یا ان سے پہلے یا ان کے بعد حق سبحانہٗ کا مشاہدہ نہ کیا تو اس کی نظرِ بصیرت وجود انوار کی جھلک سے محروم رہی اور معارف کے آفتاب اُس سے آثار کے بادلوں میں چھپ گئے۔

(۱۴) حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا تجھ کو اپنے مشاہدہ سے ایسی چیز کے ساتھ محجوب کرنا جو اس کے ساتھ موجود نہیں۔ اس کے قہر اور غلبہ کی بڑی دلیل ہے۔

(۱۵) کس قدر عجیب بات ہے کہ عدم میں وجود ظاہر ہو جائے اور قدیم کے ساتھ حادث ثابت رہ سکے۔

(۱۶) جس نے یہ چاہا کہ حق تعالیٰ کے ظاہر کردہ امر کے سوا اس وقت میں کوئی دوسرا امر ظاہر ہوتا تو اس نے اپنے جہل و نادانی میں کوئی دقیقہ بھی نہ چھوڑا۔

(۱۷) بجاآوریٔ اعمال کو وقت فرصت و فراغت کے لیے ٹالتے رہنا نفس کی چالوں میں سے ایک فریبانہ چال ہے۔

(۱۸) اثنائے سلوک میں کشفِ معارف و اسرار اور ظہورِ انوار کے وقت سالک کی ہمت جب توقف اور ٹھہرنے کا ارادہ کرتی ہے تو حقیقت الامر اُسے پکار کر کہتی ہے کہ ابھی

منزلِ مقصود ذرا آگے ہے اور جب مخلوقات ظاہری کا جمال ظاہر ہوتا ہے، تو ان کے حقائق چلا کر تجھ کو کہتے ہیں کہ ہم فتنہ اور آزمائشیں ہیں، ہم میں مبتلا ہو کر کفران مت کیجیو۔

(۱۹) حق سبحانہ سے تیرا کسی چیز کا طلب کرنا اس ذات پاک پر تہمت لگانا ہے گویا وہ تمہارے حال سے بے خبر ہے اور تمہاری ضروریات کا کفیل نہیں اور اس کا قرب مشاہدہ طلب کرنا یہ اس سے تیرے غائب ہونے کی علامت ہے اور ماسوی اللہ کی طلب تیری بیحیائی پر دلالت کرتی ہے خواہ وہ اغراض دنیویہ ہوں یا احوال و مقامات۔ اور اپنے مولا کے سوا دوسرے سے طلب کرنا اس کی بارگاہ عالی سے بُعد اور دُوری کی وجہ سے ہے۔

(۲۰) تم پر ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرتا جس میں تیرے پروردگار نے تجھ پر کوئی حکم نافذ نہ کیا ہو خواہ وہ از قبیل طاعت و معصیت ہو یا از باب نوازش و آزمائش۔

(۲۱) جب تک کہ اس دار ناپائدار میں تجھ کو رہنا ہے مصائب اور مکروہات کے وقوع کو حیرت کی نظر سے نہ دیکھ، اس لیے کہ پردۂ غیب سے وہی ظاہر ہوتا ہے اور اس عالم میں وہی افتاد پڑتی ہے کہ وہ بسبب حکمت بالغہ الٰہیہ مستحق توصیف اور قابل تعریف ہی ہوتی ہے۔

(۲۲) وہ مقصد کچھ دشوار نہیں جس کا تو اپنے پروردگار سے خواستگار ہوا اور وہ مطلب کچھ آسان نہیں جس کا تو اپنے نفس ہی کے بل بوتے پر طلبگار رہا۔

(۲۳) ابتداء امر میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کا ہونا انتہاء کار کی کامیابی اور فوز و فلاح کی علامت ہے۔

(۲۴) جس کی ابتدا روشن ہوتی ہے اس کی انتہا بھی درخشاں ہی ہوگی ؏

سالیکہ نکو است از بہارش پیداست

(۲۵) راہِ الٰہی کے سالکوں نے انوار توجہ سے ہدایت پائی اور راستہ دیکھا اور واصلین بارگاہ ایزدی کے لیے مواجہت کے انوار خود بخود حاصل ہیں۔ تو پہلی جماعت انوار ہی کے لیے ہوتی ہے اور دوسری جماعت کے لیے ہی انوار ہوتے ہیں، اس لیے کہ گروہ

اخیر اللہ ہی کے ہو رہتے ہیں اور ماسوا کے طوق غلامی سے آزاد ہوتے ہیں۔

(۲۶) اپنے عیوب باطنی کی طرف تیرا نگاہ کرنا ان اشیاء کے حصول کی طرف نظر کرنے سے جو تجھ سے پوشیدہ اور غائب ہیں زیادہ بہتر ہے۔

(۲۷) حق جل و علا حجاب میں نہیں ہے صرف تو اپنے نفسانی صفات کی وجہ سے اس کے مشاہدہ سے روکا گیا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شے اس کے لیے حجاب ہوتی تو اس کو ڈھانپ لیتی اور اگر اس کے لیے کوئی چیز ڈھانپنے والی ہوتی تو ضرور اس کے وجود کو احاطہ کرنے والی اور روکنے والی ہوتی، کیونکہ ہر ایک احاطہ کرنے والی چیز غالب ہی ہوتی ہے، حالانکہ حق جل و علا سب پر غالب ہے۔

(۲۸) اپنے بشری اوصاف میں سے ہر اس وصف سے جو تیری بندگی کے مخالف ہو باہر نکل تاکہ حق سبحانہٗ کی ندا اور بلاوے کی اجابت، اور اس کی بارگاہ اقدس کی قربت حاصل کر سکو۔

(۲۹) ہر ایک معصیت، غفلت، اور شہوت کی بنیاد اپنے نفس سے رضامندی پر اور ہر ایک طاعت، عفت اور ہوشیاری کی بنیاد اپنے نفس سے نارضامندی پر ہی مبنی ہے۔

(۳۰) بصیرت کی روشنی تجھے حق تعالیٰ کے قرب کا مشاہدہ کراتی ہے اور عین الیقین تجھے اس کی محبت ذاتیہ کے ارادہ کا مشاہدہ کراتا ہے۔ اور حق الیقین محض اس کے وجود کا مشاہدہ کراتا ہے جس میں تیرے وجود اور عدم سے قطع نظر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے تھا اور کوئی چیز اس کے ساتھ نہ تھی۔ اور وہ اب بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ پہلے تھا۔

(۳۱) اے سالک! اپنے عزم ہمت کی باگ کو اپنے مولائے کریم سے ماسوا کی طرف نہ موڑ۔ کیونکہ وہ کریم ہے تیری امیدوں کو رد نہیں فرمائے گا۔

(۳۲) اپنی حاجت روائی غیر سے طلب نہ کر۔ اس لیے کہ اس حاجت میں اسی (حق تعالیٰ) نے تمہیں مبتلا کیا ہے۔ اور غیر اس تکلیف کو اٹھا بھی کس طرح سکتا ہے

جس کا رکھنے والا اللہ تعالیٰ ہو۔ جبلا جو اپنے کشود کار کی استطاعت نہیں رکھتا تو وہ کس طرح غیر کی حاجت برلا سکتا ہے۔

(۳۳) اگر تم باری تعالیٰ کی نسبت اس کی صفات کمالیہ کی وجہ سے حسن ظن نہیں رکھتے تو تم اس خوش معاملگی کے سبب سے جو اسے تیرے ساتھ ہے اس کی نسبت حسن ظن پیدا کرو۔ کیا احسانات کے علاوہ اس نے تیرے ساتھ کوئی اور سلوک بھی روا رکھا ہے؟ اور فضل و کرم کے سوا بھی اس نے کچھ تم پر نازل فرمایا ہے؟

(۳۴) کس قدر حیرت افزا بات ہے کہ انسان اس سے بھاگتا ہے جس سے اس کو جدائی نہیں اور جس سے کسی طرح وہ چھٹکارا نہیں پا سکتا اور اس کو طلب کرتا ہے کہ جو اس کے ساتھ کسی طرح بقا اور وفا نہیں رکھتا۔ اس کی ظاہری آنکھیں کچھ اندھی نہیں ہیں بلکہ وہ دل اندھا اور بے بصیرت ہے جو سینے میں ہے۔

(۳۵) مخلوق سے مخلوق تک (یعنی اثر سے اثر تک) سفر نہ کر اس صورت میں تم تیلی کے بیل کی طرح ہو گے کہ جہاں پر اس کے چلنے کی انتہا ہوئی ہے وہی مقام اس کے چلنے کی ابتدا کا ہوتا ہے بلکہ تم پر لازم ہے کہ مخلوق سے خالق کی طرف اثر سے مؤثر تک سفر کرو کہ بے شک منتہائے سفر بارگاہِ الٰہی تک ہے۔

(۳۶) ایسے شخص کی ہم نشینی اور رفاقت اختیار نہ کرو کہ جس کا حال تم کو حق تعالیٰ کی محبت کی طرف آمادہ نہ کرے اور جس کا کلام (قال) باری تعالیٰ کی طاعت پر تجھ کو برانگیختہ نہ کرے۔

(۳۷) اس عمل کو کم نہ سمجھنا چاہیے جو تارک الدنیا قلب سے ظاہر ہوتا ہے اور اس عمل کو زیادہ نہ سمجھنا چاہیے کہ جو حریص الدنیا دل سے سرزد ہوتا ہے۔

(۳۸) ذکر میں حضور الٰہی نہ ہونے کے سبب سے ذکر کو نہ چھوڑنا چاہیے اس لیے کہ ذکر سے غافل رہنا زیادہ مضر ہے بہ نسبت اس کے کہ ذکر کیا جاوے لیکن اس میں حضور نہ ہو، بلکہ اس صورت میں اُمید ہے کہ حق تعالیٰ تمہارے مرتبہ کو ذکر بے حضور سے بڑھا کر ذکر جس میں غفلت نہ ہو تک پہنچا دے اور ذکر بیداری سے ذکر حضور تک اور ذکر حضور سے اس ذکر تک تمہارا رتبہ بلند

فرمائے جس میں کل ماسوی اللہ چیزیں نظر سے غائب ہو جاتی ہیں، اور یہ صورت اللہ تعالیٰ پر کچھ دشوار نہیں۔

(۳۹) طاعات وحسنات کے فوت ہو جانے پر غم نہ ہونا، اور معاصی اور سیئات کے واقع ہونے پر پشیمانی کا نہ ہونا۔ موتِ قلب کی علامت ہے۔

(۴۰) کوئی گناہ تیرے خیال میں اتنا بڑا نہ ہونا چاہیے کہ تجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھنے سے روک دے اور اس کی رحمت اور فضل سے مایوس کر دے۔ اس لیے کہ جس نے اپنے رحیم وکریم پروردگار کو پہچانا، اس نے اپنے گناہوں کو اس کے عفو وکرم کے مقابلہ میں صغیر وحقیر جانا۔

(۴۱) اگر اس کے عدل وانصاف سے معاملہ ہُوا تو کوئی گناہ بھی صغیرہ نہیں اور اگر اس کے رحم وکرم سے سامنا ہُوا تو کوئی گناہ بھی کبیرہ نہیں۔

(۴۲) انوارِ معرفت قلبِ سالک کے لشکر ہیں جس طرح سے کہ غفلت کی تاریکیاں نفس کی فوجیں ہیں۔ جب الطافِ الٰہی اپنے بندہ کی مدد کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کو انوارِ معرفت کے لشکر سے کمک پہنچاتے ہیں اور اغیار اور تاریکیوں کے دستبرد سے اُسے بچا لیتے ہیں۔

(۴۳) طاعت پر اس اعتبار سے نہ اترانا چاہیے کہ وہ تجھ سے (تیرے اختیار سے) ظاہر ہوئی ہے، بلکہ اس معنی کر کے خوش ہونا چاہیے کہ یہ طاعت اللہ تعالیٰ کی طرف سے (اس کی توفیق ہی سے) عمل میں آئی ہے

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ

"کہہ دو کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوش ہونا چاہیے یہ بہتر ہے ان چیزوں سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔" (پ ۱۱ ع ۱۱)

(۴۴) ذلّت کی شاخیں طمع کے بیج سے ہی پھوٹ کر نکلتی اور پھیلتی ہیں۔

(۴۵) جس چیز سے تو نا اُمید ہے، اس سے آزاد ہے۔ اور جس کا تو طامع ہے اسی کا بندہ ہے۔

(۴۶) جس نے اپنے پروردگار کی طرف سے اس کے الطاف اور احسانات کی وجہ سے رُخ نہیں کیا تو وہ آزمائش کی زنجیروں میں جکڑ کر اسی کے سامنے کھینچا گیا۔

(۴۷) جو نعمتوں کا شکر بجا نہ لایا۔ وہ اُن کے زوال کے درپے ہُوا۔ اور جس نے شکر گزاری

کی تو گویا اس نے نعمتوں کو مضبوط شکیل (رسی) میں باندھ دیا۔

(۴۸) باریتعالیٰ کے احسان اور اپنی دائمی برائیوں سے ڈرنا چاہیئے کہ مبادا یہ تمہارے لیے استدراج (ڈھیل) کی صورت ہو۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ:

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ (پ ۹ ع ۱۲)

"ہم آہستہ آہستہ پکڑیں گے ان کو جہاں سے وہ نہ جانیں گے۔"

(۴۹) جب تم کسی بندے کو دیکھو کہ توفیق الٰہی نے اس کو اوراد کا پابند وخوگر بنایا ہے تو اس عطائے الٰہی کو اس لیے حقیر نہ سمجھو کہ تم اس پر عارفین کی علامت اور واصلین کی نورانیت نہیں دیکھ رہے ہو۔ اگر تجلیات الٰہی کا اس پر ورود نہ ہوتا تو ورد کی مداومت اور یہ استقامت بھی نہ ہوتی۔

(۵۰) باریتعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے ایک گروہ کو اپنی طاعت اور خدمت کے لیے مقرر فرمایا ہے اور ایک جماعت کو اپنی محبت کے لیے مخصوص کیا ہے:

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا۔ (پ ۱۵ ع ۲)

"ان کو اور اُن کو (غرضیکہ سب کو) تمہارے رب کی عطا سے مدد کرتے ہیں اور تیرے رب کی عطا بند نہیں۔"

(۵۱) واردات الٰہیہ بسا اوقات اس لیے اچانک پیش آجاتے ہیں تاکہ بندے اپنی قابلیت اور استعداد کی وجہ سے کہیں اُن کے مدعی نہ بن بیٹھیں۔

(۵۲) جس کو تو ہر سوال کا جواب دینے والا ہر مشاہدہ کا ظاہر کرنے والا اور ہر علم کا بیان کرنے والا دیکھے تو ان باتوں سے اس کا جہل سمجھ لو۔

(۵۳) صرف دار آخرت کو ہی اپنے مومن بندوں کے اعمال کے لیے محل جزا مقرر فرمایا، ایک تو اس وجہ سے کہ جو کچھ وہ ان کو دینا چاہتا ہے یہ دار دنیا اس کو سما نہیں سکتی۔ دوسرے یہ کہ دار بے بقا میں بدلہ دینے سے ان کی قدر و مرتبہ کو برتر و بلند ٹھہرایا۔

(۵۴) جس نے اپنے عمل کا ثمرہ دنیا میں پا لیا تو یہ اس کے آخرت میں قبول ہونے

کی دلیل ہے۔

(۵۵) اگر تم باریتعالیٰ کے نزدیک اپنی قدر و منزلت معلوم کرنا چاہو تو یہ دیکھو کہ اس نے تمہیں کس کام میں لگا رکھا ہے۔

(۵۶) جب تجھ کو اس نے اپنی طاعت کی توفیق کے ساتھ ماسوا سے مستغنی کر دیا تو سمجھ لو کہ تجھ کو اس نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں سے مالا مال کر دیا۔

(۵۷) ان سب چیزوں میں بہترین جو تم اپنے مولا سے طلب کرتے ہو وہ چیز ہے جس کا کہ وہ خود تجھ سے طالب ہے (یعنی عبودیت پر استقامت)

(۵۸) طاعت بجا نہ لانے پر غمگین ہونا اور باوصف اس غم کے پھر طاعت کے لیے نہ اٹھنا دھوکے میں پڑے ہوئے ہونے کی علامت ہے۔

(۵۹) عارف وہ نہیں ہے کہ جب اُس ذات کی طرف اشارہ کرے تو حق تعالیٰ کو اپنی طرف اپنے اشارہ سے بھی قریب تر پائے۔ بلکہ عارف حقیقی وہ ہے کہ جو حق تعالیٰ کے وجود میں فنا اور اس کے مشاہدہ میں محو ہو کر اپنے اشارہ ہی سے بے نیاز و بے خبر ہو جائے۔

(۶۰) امید در اصل وہی ہے جو اعمال پسندیدہ کے ساتھ مقرون ہو۔ عمل صالح کے سوا محض سخا (امید) آرزوئے بے جا ہے۔

(۶۱) عارفین کا اللہ تعالیٰ سے بہترین مقصد یہ ہے کہ عبودیت میں سچائی اور حقوق الٰہی کی پوری بجا آوری ہو۔

(۶۲) بسط تجھ پر اس وجہ سے فرمایا کہ قبض ہی میں نہ رہ جاؤ، اور قبض اس وجہ سے کیا کہ بسط ہی کے نہ ہو جاؤ۔ اور دونوں سے تجھ کو اس لیے نکالا کہ تو سوائے اپنے مولیٰ کے کسی کا نہ ہو۔

(۶۳) عارفین حالتِ قبض کی نسبت حالت بسط سے زیادہ خائف رہتے ہیں۔ اس لیے کہ حالت بسط میں بہت ہی کم لوگ حدودِ ادب پر ٹھہر سکتے ہیں۔

(۶۴) بسط کی حالت میں نفس سُرور کے ہونے سے اپنا حصہ لے لیتا ہے اور قبض کی حالت میں نفس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

(۶۵) کائنات عالم کا ظاہر فریب سے آراستہ ہے۔ اور اس کا باطن عبرت سے معمور ہے۔ پس نفس کی نظر اس کے فریب ظاہر ہی تک محدود ہوتی ہے اور قلب کی نگاہ اس کے باطنی مواقع عبرت ہی پر پڑتی ہے۔

(۶۶) اگر عزت دائمی کے خواہاں ہو تو عزت فانی کی طلب میں نہ پڑو۔

(۶۷) "طی" حقیقی (جو اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو کرامت فرماتا ہے) یہ ہے کہ تو دنیا کی مسافت کو اپنی نظر بصیرت سے یہاں تک لپیٹ دے کہ تجھے آخرت اپنے وجود سے بھی قریب تر نظر آنے لگے۔

(۶۸) مخلوق کی داد و دہش فی الحقیقت حرمان ہے اور اللہ تعالیٰ کا نہ دینا بھی تیرے لیے اس کا احسان ہے۔

(۶۹) ہمارے پروردگار کی شان اس سے برتر و بالا ہے کہ بندہ تو اس کے ساتھ (اپنی طاعتوں سے) نقد کا معاملہ کرے اور وہ اس کا بدلہ قیامت کے ادھار پر چھوڑ دے۔

(۷۰) طاعت پر دنیا میں تجھ کو یہی بدلہ کافی ہے کہ تجھے اس نے طاعت کی توفیق دی اور اس کا اہل بنایا۔

(۷۱) جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت حصول ثواب یا دفع عقاب عذاب کے لیے کی تو گویا اس نے حق جل و علا کی صفات کمال و عظمت و جلال کا اندازہ نہیں کیا اور نہ ان کا حق بجا لایا۔

(۷۲) جب وہ تمہیں دیتا ہے تو یہ اس کے جود و کرم کی یاد دہانی ہوتی ہے اور جب نہیں دیتا تو اپنے قہر و غلبہ کا مشاہدہ کراتا ہے۔ دونوں صورتوں میں تجھ کو اپنی معرفت سے بہرہ ور فرماتا ہے اور اپنے لطف و کرم کے ساتھ تیری طرف متوجہ ہے۔

(۷۳) جس معصیت سے مولیٰ جل و علا کے سامنے ذلت و افتقار پیدا ہو۔ وہ اس عبادت سے بہتر ہے جو نخوت اور تکبر پیدا کرے۔

(۷۴) جب باریتعالیٰ نے تجھے ماسوا سے متوحش اور دل برداشتہ کر دیا ہے تو سمجھ لے کہ وہ تیرے لیے اپنے ساتھ دلبستگی اور انس کا دروازہ کھولنا چاہتا ہے۔

(۷۵) جب اس نے تیری زبان کو طلب کرنے کے لیے قوتِ گویائی عطا کی۔ تو یقین جان کہ وہ تجھے دینا بھی چاہتا ہے۔

(۷۶) عارف وہ ہے جس کی بیقراری کبھی زائل نہ ہو اور ماسوی اللہ کے ساتھ اسے کبھی قرار حاصل نہ ہو۔

(۷۷) جس نے یہ گمان کیا کہ مصائب اور تکالیفِ مقدرہ میں اس کے الطاف کا سایہ انسان کے سر سے اٹھ جاتا ہے۔ تو یہ اس کی نظرِ عقل کا قصور ہے۔

(۷۸) پاک ہے وہ ذات جس نے معارف اور اسرارِ الٰہیہ خاصہ کو اوصافِ بشریت کے ظہور کے پردہ میں چھپایا۔ اور اپنی عظمتِ ربوبیت کو اپنے بندوں کے لیے ان کی عبودیت کے آثار ظاہر کر کے ظاہر فرمایا۔

(۷۹) مقصد کے حصول میں تاخیر واقع ہونے سے اپنے پروردگار پر اعتراض و مطالبہ نہ کر بلکہ آدابِ دعا کے بجا نہ لانے پر اپنے نفس سے باز پرس کر۔

(۸۰) جب تجھ کو ظاہر میں اس نے اپنے حکم (شرع شریف) کا فرمانبردار بنایا اور باطن میں اپنی مقدرات کی تسلیم کی تمہیں توفیق بخشی۔ تو تجھ پر اس نے بہت بڑا احسان فرمایا۔

(۸۱) جب صبح ہوتی ہے تو غافل سوچتا ہے کہ آج میں کیا کروں گا اور دانشمند اس فکر میں غلطاں رہتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ کیا کرے گا۔

(۸۲) عابد اور زاہد ہر اس چیز سے جو خلافِ طبع ہو وحشت اور نفرت کرتے ہیں اس لیے کہ وہ ہر ایک بات میں حضورِ الٰہی سے محجوب رہتے ہیں اگر وہ ہر چیز میں اُسی کا جلوہ دیکھ لیتے تو کسی چیز سے متنفر و متوحش نہ ہوتے۔

(۸۳) اسی دنیا میں تجھے اس نے اپنی مخلوقات میں نظرِ اعتبار سے دیکھنے کا حکم فرمایا ہے اور عنقریب اپنی ذاتِ کاملہ آخرت میں تجھ پر عیاں کر دے گا۔

(۸۴) حق تعالیٰ نے جانا ہے کہ تم اس کے مشاہدہ کے بغیر صبر نہیں کر سکتے۔ اس لیے اپنے آثارِ قدرت کا تمہیں جلوہ دکھایا

(۸۵) جب حق جل وعلا نے عبادت سے تیری ملالت وگرانی دیکھی تو رنگ برنگ کی عبادتیں تیرے لیے مقرر فرمائیں اور جب عبادت پر تیری حرص دیکھی تو ان کو اوقات مخصوصہ میں محدود کر دیا۔ اس لیے کہ تیرا قصد کامل نماز ادا کرنے کا ہو نہ محض صورت نماز کیونکہ ہر ایک نماز پڑھنے والا کامل نماز ادا کرنے والا نہیں ہوتا ہے۔

(۸۶) نماز فی الحقیقت معاصی کے میل کچیل سے دلوں کو پاک کرنے والی اور پوشیدہ اسرار کا دروازہ کھولنے والی ہے۔

(۸۷) نماز سرگوشی کا محل اور محبت واخلاص کی منزل ہے۔ اسرار کی فضائیں قلب کے لیے اس میں کشادہ ہو جاتی ہیں اور اس میں انوار کے ستارے چمکتے ہیں۔

(۸۸) تیرا ضعف وناتوانی معلوم کر کے نماز کی تعداد گھٹا دی اور فضل خداوندی کا محتاج جان کر اس کا ثواب بڑھا دیا (یعنی پچاس سے پانچ کر دیں اور پچاس کا ثواب پانچ ہی میں دے دیا)

(۸۹) جب تم کسی عمل پر عوض کے خواہاں ہو گے تو تم سے اس میں صدق واخلاص کا مطالبہ ہو گا اور اخلاص کے ہونے میں تو متردد ہی ہو گا۔ اور متردد کو اپنے اس ناکارہ عمل کی عقوبت میں جزاو مواخذہ خداوندی سے سلامت رہنا ہی غنیمت ہے۔

(۹۰) اپنے کسی عمل پر جس کے در اصل تم فاعل ہی نہیں ہو عوض کے طلبگار مت ہو۔ ایسے عمل پر تجھ کو یہی عوض کافی ہے کہ اس کو اس نے قبول فرما لیا اور اس پر کچھ مواخذہ نہیں کیا۔

(۹۱) جب اپنا فضل واحسان تجھ پر ظاہر کرنا چاہتا ہے تو کسی نیک عمل کی تمہیں توفیق دے کر اس کو تیری طرف منسوب کر دیتا ہے۔

(۹۲) اگر اس نے تجھے تیرے اعمال ہی کی طرف لوٹا دیا تو تمہاری برائیوں کی کوئی انتہا نہ ہو گی اور اگر اپنا جود وکرم تجھ پر ظاہر فرمایا تو پھر تیری خوبیوں کی کوئی حد نہ ہو گی۔

(۹۳) اس کے اوصاف ربوبیت کے ساتھ متعلق اور اپنے اوصاف عبودیت کے ساتھ متحقق ہو جاؤ۔

(۹۴) مخلوق کی مملوکہ چیزوں پر تمہیں دعوے کرنے سے جب اس نے روک دیا ہے تو کیا تمہیں جائز ہو سکتا ہے کہ تم اس کی کسی صفت پر دعویٰ کرو۔ حالانکہ وہ رب العٰلمین ہے۔

(۹۵) تجھ سے خوارقِ عادات کیونکر ظاہر کیے جائیں۔ حالانکہ تم نے ابھی تک اپنی نفسانی عادتوں تک کو چھوڑا ہی نہیں۔

(۹۶) اپنے مولیٰ سے دعا وسوال کرنے میں کیا خوبی ہے۔ خوبی تو اس میں ہے کہ سوال میں حسن ادب کے طریقہ کو تم ملحوظ رکھو۔

(۹۷) تیرے اضطرار وبیقراری سے زیادہ اسے کوئی چیز مطلوب نہیں اور تیری ذلت و احتیاج کے برابر مواہب الٰہی کو تیری طرف جلد لانے والی کوئی چیز نہیں۔

(۹۸) اگر یہ ہوتا کہ تو اس تک بجز اپنی خرابیوں کے نیست کرنے اور دعووں کے مٹانے کے کسی طرح نہیں پہنچ سکتا۔ تو تم کبھی اس تک نہ پہنچ سکتے۔ لیکن جب اُس نے تجھ کو اپنے تک پہنچانا چاہا تو تیرے وصف کو اپنے وصف کے آغوش میں چھپایا اور تیری نعت کو اپنی نعت کے پردہ میں ڈھانکا۔ پس تجھ کو ان الطاف کی وجہ سے جو اس کی طرف سے تیری جانب متوجہ ہوئے نہ ان اعمال کی وجہ سے جو تیری طرف سے اس بارگاہ میں پیش ہوئے اس نے اپنے تک پہنچایا۔

(۹۹) اگر اس کی خوش آئند پردہ پوشی نہ ہوتی تو کوئی عمل لائق قبولیت نہ ہوتا۔

(۱۰۰) گناہ ونافرمانی کی صورت میں جس قدر تم حلم خداوندی کے محتاج ہو اس سے زیادہ بندگی اور طاعت کی حالت میں اس کے حلم کی تم کو ضرورت ہے۔

(۱۰۱) پردہ پوشی کی دو قسمیں ہیں ایک تو گناہ کے صدور ہی سے پردہ پوشی، دوسرے گناہ واقع ہونے کے بعد مخلوق سے پردہ پوشی۔ عوام تو اس وجہ سے کہ خلق کی نظروں میں ان کا مرتبہ نہ گر جائے۔ گناہ کے بعد پردہ پوشی کے طلبگار ہیں۔ اور خواص اس لیے کہ اپنے حقیقی مالک جل وعلا کی نظر لطف سے نہ گر جائیں گناہ کے واقع ہونے ہی سے پردہ پوشی کے اللہ تعالیٰ سے طلبگار رہتے ہیں۔

(۱۰۲) جس نے تیری تعظیم وتکریم کی درحقیقت اس نے تیری تعظیم وتکریم نہیں کی بلکہ اس

نے تیرے مولائے حقیقی کی پردہ پوشی کی تعظیم و تکریم کی ہے (کہ اس نے تیرے عیوب کو چھپا دیا) تو تیری حمد و ثنا کا مستحق تیرا مولا ہے پردہ پوشش ہے نہ تیرا تعظیم و تکریم کرنیوالا شخص۔

(۱۰۳) اگر نورِ یقین تجھ پر روشن ہو جاتا تو آخرت کو اپنے نفس سے اس قدر قریب پاتا کہ اس کی طرف کوچ ہی نہیں کر سکتا۔ اور دنیا کی نعمتیں اس حال میں دیکھتا کہ ان پر فنا کے گھن چھا گئے ہیں۔

(۱۰۴) تمہیں اللہ تعالیٰ سے کسی موجود کے وجود نے محجوب نہیں کیا ہے لیکن تمہیں اس توہم نے کہ اس کے ساتھ کوئی موجود ہے اس ذات سے محجوب کر رکھا ہے۔

(۱۰۵) مخلوقات میں مشاہدۂ جمالِ حق کو تیرے لیے مباح فرمایا اور خود ذاتِ مخلوقات کے مشاہدہ پر توقف کی اجازت نہیں دی۔ چنانچہ اس ارشاد سے ثابت ہوتا ہے جس میں تیرے فہم کا دروازہ کھول دیا گیا ہے کہ:

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ (پ ۱۱ ع ۱۵)

"کہہ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اسے دیکھو جو آسمانوں میں ہے۔"

یہ نہ فرمایا کہ آسمانوں ہی کو دیکھو کہ اس صورت میں یہ ارشاد اجسام کے وجود پر دلالت کرتا جو مقصود نہیں ہے۔

(۱۰۶) لوگ بسبب ان اوصافِ حمیدہ کے جن کا وہ تجھ میں گمان کرتے ہیں تیری صفت کرتے ہیں تو تو بسبب ان بری خصلتوں کے جن کو اپنے نفس کے اندر یقینی طور پر جانتا ہے اپنی مذمت کر۔

(۱۰۷) مومن کامل کی جب مدح کی جاتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس لیے شرماتا ہے کہ اس کی ایسی بات پر تعریف ہو رہی ہے۔ جس کو وہ اپنے نفس کے اندر نہیں دیکھتا۔

(۱۰۸) سب سے جاہل شخص وہ ہے جو اپنے عیوب کے یقین کو اس وجہ سے چھوڑ دیتا ہے کہ لوگ اس کی بہ نسبت اچھا گمان رکھتے ہیں۔

(۱۰۹) جب تیرا مولیٰ تیری ایسی تعریف میں خلقت کی زبان کو گویا کر دے جس کے

تم لائق بھی نہیں ہو۔ تو تم اپنے پروردگار کی ایسی ثنا کہو، جو اس کے لائق ہو۔

(۱۱۰) زاہدوں کی جب مدح کی جاتی ہے تو دل تنگ ہوتے ہیں اس وجہ سے کہ مدح کو مخلوق کی طرف سے سمجھتے ہیں اور جب عارفین کی مدح کی جاتی ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں اس لیے کہ وہ اس کو حق جل وعلا سے ہی مشاہدہ کرتے ہیں۔

(۱۱۱) جب تیری ایسی حالت ہو کہ عطا سے تجھے فراخدلی اور منع سے دل تنگی ہو تو یہ تمہاری نادانی اور لڑکپنے کا ثبوت ہے اور تمہاری عبودیت میں سچے نہ ہونے پر دلیل ہے۔

(۱۱۲) جب تم سے کوئی گناہ سرزد ہو تو وہ تجھ کو تیرے پروردگار کے ساتھ حصول استقامت سے مایوس نہ کردے۔ اس لیے کہ شاید کہ یہ تیرا آخری گناہ ہو جو تیری تقدیر میں تھا۔

(۱۱۳) جب تو یہ چاہے کہ امید کا دروازہ تجھ پر مفتوح ہو تو اپنے مولا کے احسانات کا (جو تجھ پر ہیں) مشاہدہ کر اور اگر چاہے کہ خوف کا دروازہ تجھ پر کھلے تو جو کچھ تجھ سے نافرمانیاں اور بے ادبیاں اس کی جناب میں صادر ہوئی ہیں ان کا ملاحظہ کر۔

(۱۱۴) بسا اوقات قبض کی اندھیری رات میں وہ انعام و معارف تمہیں دیتا ہے جس کو تم بسط کی روز روشن میں نہیں پا سکتے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ:

لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا۔ (پ ۴ ع ۱۳)

"تم نہیں جانتے کہ تمہاری بھلائی کس بات میں ہے۔"

(۱۱۵) تقدس دپاکی اسی ذات کو سزاوار ہے جس نے اپنے اولیاء کی طرف راہ یابی کا وہی طریقہ رکھا ہے جس کو اپنی راہ یابی کا طریقہ ٹھہرایا ہے اور اپنے اولیاء تک اسی کو پہنچاتا ہے جس کو اپنی طرف پہنچانا چاہتا ہے۔

(۱۱۶) بسا اوقات تم کو وہ اپنے رموز مملکت سے تو آگاہ فرما دیتا ہے لیکن اپنے بندوں کے بھیدوں پر تجھے مطلع نہیں کرتا۔

(۱۱۷) جس شخص نے بندوں کے بھیدوں پر واقف ہو کر رحمت الٰہی کو اپنی عادت نہ

بنایا تو یہ آگاہی اس کے لیے فتنہ اور اس پر وبال آنے کا ذریعہ ہو جاتی ہے۔

(۱۱۸) تیری یہ خواہش کہ لوگ تیرے ظاہری اعمال اور باطنی احوال کی خصوصیت جان لیں۔ عبودیت میں تیرے سچے نہ ہونے کی دلیل ہے۔

(۱۱۹) خداوند تعالیٰ کی نظرِ لطف اپنی طرف دیکھ کر لوگوں کی نظر کو اپنے خیال سے دُور کر۔ اور التفات و توجہ خداوندی اپنی طرف مشاہدہ کر کے لوگوں کے التفات کی طرف متوجہ نہ ہو۔

(۱۲۰) حق جل و علا کو تجھ سے اس کے نہایت قرب ہی نے محجوب کر دیا ہے۔

(۱۲۱) حق جل و علا اپنی شدتِ ظہور ہی کی وجہ سے محجوب، اور اپنے نور کی عظمت ہی کے سبب آنکھوں سے مخفی ہو گیا ہے۔

(۱۲۲) دعا اور طلب سے تیرا مقصود حصولِ بخشش نہ ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ اس صورت میں تیرا فہم حکمِ دعا کے اسرار و حکمت کے سمجھنے سے قاصر رہ جائے گا۔ بلکہ تیرا دعا کرنا صرف اپنی عبودیت کے اظہار اور اس کی ربوبیت کے حقوق کی نگہداشت کے لیے ہی ہونا چاہیے۔

(۱۲۳) تیری یہ طلب اور دعا جو تم اب کر رہے ہو اس عطا کا کیونکر سبب ہو سکتی ہے جو روزِ ازل ہی سے مقدر ہو چکی ہے۔

(۱۲۴) اس کا ازلی حکم اس سے برتر کہ علل و اسباب کی طرف منسوب ہو۔

(۱۲۵) اس کی یہ عنایتیں جو تجھ پر ہیں تیری کسی خوبی کی وجہ سے نہیں ہیں (خود ہی کہو) تم کہاں تھے۔ جب ازل میں اس کی عنایت تیری طرف متوجہ ہوئی اور اس کی رعایت تیرے سامنے آئی۔

(۱۲۶) ازل میں نہ عمل کا اخلاص تھا اور نہ احوال کا وجود بلکہ وہاں تو بجز فضلِ الٰہی اور کرمِ نامتناہی اور کچھ تھا ہی نہیں۔

(۱۲۷) سرِ عنایت کے ظاہر ہونے کے لیے (یعنی یہ بھید کہ عنایت ہر ایک پر یکساں نہیں) حق تعالیٰ نے جب اپنے بندوں کو مشتاق پایا تو فرمایا کہ:

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (پ ۱ ع ۱۳)

"وہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت وعنایت کے ساتھ مخصوص کر دیتا ہے۔"

اور جب حق تعالیٰ نے یہ دیکھا کہ اگر ان کو اسی بات پر چھوڑ دیا جائے تو وہ تقدیر ازلی پر اعتماد کر کے عمل کرنا چھوڑ دیں گے تو فرمایا کہ:

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ (پ ۸ ع ۱۴)

"اللہ کی رحمت نیکو کاروں کے نزدیک ہے۔"

(۱۲۸) سب چیزیں مشیتِ ایزدی کا سہارا پکڑتی ہیں اور وہ کسی چیز کا سہارا نہیں پکڑتی۔

(۱۲۹) فاقوں کا نازل ہونا سالکوں اور مریدوں کے لیے عید ہوتی ہے۔

(۱۳۰) بسا اوقات فقر وفاقہ میں اس قدر انوار ومعارف کا نزول ہوتا ہے کہ ان کو تم نماز وروزہ میں بھی نہیں پا سکتے۔

(۱۳۱) مواہب الٰہی کے پھولوں کے لیے فقر وفاقہ بمنزلہ دامن ہیں۔

(۱۳۲) اگر مواہب الٰہیہ کا نزول اپنے اوپر چاہتا ہے تو فقر وفاقہ کی تلخیوں کو اپنے اوپر گوارا بنا لے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ (پ ۱۰ ع ۱۴)

"صدقات فقرا ہی کے لیے ہیں۔"

(۱۳۳) تم اپنی عبودیت کے اوصاف میں پختہ ہو جاؤ۔ وہ اپنے اوصاف ربوبیت کے ساتھ تیری امداد فرمائیگا۔ تم اپنی ذلت میں ثابت قدم رہو وہ اپنی عزت سے تیری اعانت کرے گا۔ تم اپنے عجز میں محکم ہو جاؤ۔ وہ اپنی قدرت سے تیری یاوری کرے گا۔ تم اپنی ناتوانی وضعف میں مضبوط ہو جاؤ۔ تو وہ اپنی قوت وطاقت سے تیری دستگیری فرمائے گا۔

(۱۳۴) گاہے ظاہری کرامت ان کو بھی مل جاتی ہے جو مرتبۂ استقامت شریعت میں بھی کامل نہیں ہوتے۔

(۱۳۵) مخلوق سے لینے کے لیے ہاتھ نہ بڑھاؤ مگر جب ان میں بھی اپنے مولائے حقیقی کو ہی عطا کرنے والا مشاہدہ کرنے لگو۔ اور جب تم اس درجہ پر پہنچ گئے تو خلائق سے وہ چیزیں لے سکتے ہو جن کے حلال وطیب ہونے پر تیرا علم ظاہر وباطن گواہی دے۔

(۱۳۶) اکثر اوقات عارف اپنے مولیٰ کی مشیت پر اکتفا کر کے اس کی طرف اپنی حاجت پیش کرنے سے حیا کرتا ہے تو بھلا وہ اس کی مخلوق کی طرف حاجت لے جانے میں کیونکر حیا نہ کرے گا۔

(۱۳۷) جب تجھ پر دو امر مشتبہ ہو جائیں تو دیکھ کہ ان دونوں میں سے نفس پر جو زیادہ گراں گزرتا ہے اسے اختیار کر۔ کیونکہ نفس پر وہی صورت شاق ہوتی ہے جو حق ہوتی ہے۔

(۱۳۸) نفلی عبادتوں میں چستی اور جلدی کرنا اور واجبات کی بجا آوری میں سستی اور غفلت برتنا خواہش نفسانی کے اتباع کی علامت ہے۔

(۱۳۹) تیرے لیے عبادات کو اوقاتِ معینہ کے ساتھ اس لیے مقید کر دیا۔ تاکہ کسل اور لیت ولعل تجھ کو مانع نہ ہو۔ اور اوقات فراخ مقرر کیے تاکہ کچھ حصہ اختیار کا بھی تیرے لیے باقی رہے۔

(۱۴۰) حق جل وعلا نے وظائف عبودیت کی بجا آوری میں جب اپنے بندوں کی کوتاہی معلوم فرمائی تو اپنی طاعت وعبادت ان پر واجب فرما کر گویا ایجاب کی زنجیروں میں جکڑ کر ان کو اپنی طرف ہانکا ہے۔ تیرا پروردگار ان لوگوں سے تعجب فرماتا ہے جو زنجیروں میں باندھ کر جنت میں بھیجے جاتے ہیں۔

(۱۴۱) بظاہر تم پر اپنی خدمت وطاعت کو واجب گردانا ہے۔ اور فی الحقیقت طاعت کو اس لیے واجب فرمایا ہے۔ تاکہ تیرا جنت میں داخل ہونا واجب ہو جائے۔

(۱۴۲) جس نے اس بات کو انوکھا اور دشوار جانا کہ خداوند تعالیٰ اس کو شہوات نفسانیہ کے پنجے سے چھوڑائیگا اور قید غفلت سے نکالے گا تو اس نے غیر متناہی قدرتِ الٰہی کو عجز کا دھبہ لگایا۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا (پ ۱۵ ع ۱۸)

"حالانکہ اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز پر قادر ہے"

(۱۴۳) بسا اوقات تجھے ظلمتِ فراق میں اس لیے مبتلا کر دیتا ہے تاکہ انوارِ وصال کی قدر معلوم ہو جائے۔

(۱۴۴) جس نے نعمتوں کی قدر نعمتوں کے ہوتے ہوئے نہ پہچانی تو اُن کے زوال کے بعد آپ ہی ان کی قدر جان جائے گا۔

(۱۴۵) خواہشاتِ نفسانیہ کی حلاوت ولذّت کا قلب میں مستحکم ہوجانا سخت لاعلاج بیماری ہے۔

(۱۴۶) شہوت نفسانیہ کو دل میں سے بجز لرزا دینے والے خوف کے (جو مشاہدہ صفات جلالیہ سے ہو) یا بیقرار کرنے والے شوق کے (جو معائنہ صفات جمالیہ سے ہو) اور کوئی چیز نہیں نکال سکتی۔

(۱۴۷) حق جل وعلا جس طرح کہ عمل مشترک یعنی ریا آمیز کو پسند نہیں فرماتا اس طرح قلب مشترک کو جس میں غیر خدا کی محبت ہو محبوب نہیں رکھتا۔ عمل مشترک کو قبول نہیں فرمایا اور قلب مشترک کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔

(۱۴۸) اوقات میں جو حقوق واجب ہیں (جیسے صوم وصلاۃ وغیرہا ظاہری عبادات) اگر فوت ہوجائیں تو ان کی قضا ممکن ہے۔ اور جو خود اوقات کے حقوق ہیں (یعنی واردات قلبیہ ومعاملات باطنیہ) ان کی قضا کسی طرح ممکن نہیں۔ اس لیے کہ کوئی وقت ایسا نہیں آتا کہ جس میں تجھ پر حق تعالےٰ کا کوئی نیا حق یا کوئی تاکیدی حکم وارد نہ ہوتا ہو تو تم اس وقت میں غیر کا حق کس طرح ادا کر سکتے ہو جبکہ ابھی تم نے حق اللہ بجا نہیں لایا ہے۔

(۱۴۹) عمر گزشتہ کا کوئی عوض نہیں اور عمر موجودہ کی کوئی قیمت نہیں (یعنی بے بہا ہے)۔

(۱۵۰) جس چیز کی محبت کو تم نے اپنے دل میں جگہ دی تو فی الحقیقت تم اس کے غلام ہو گئے اور حق تعالیٰ اس کو پسند نہیں کرتا کہ تم غیر کے غلام بن جاؤ۔

(۱۵۱) نہ تیری طاعت اس کو کچھ نفع بخشتی ہے اور نہ تیری معصیت اسے کوئی نقصان پہنچاتی ہے۔ صرف اس لیے اس نے طاعت کا حکم دیا ہے اور معصیت سے روکا ہے کہ اس کا نفع بھی تیرے ہی طرف لوٹائے۔

(۱۵۲) کسی متوجہ ہونیوالے کی توجہ نہ اس کی بے پایاں عزت وعظمت کو کچھ بڑھاتی

ہے اور نہ کسی روگردانی کرنے والے کی روگردانی اس کی عزت گھٹاتی ہے۔

(۱۵۳) اللہ تعالیٰ تک تیرے پہنچنے کا مقصد یہ ہے کہ تم اس کے علم و عرفان تک پہنچ جاؤ۔ ورنہ حق جل وعلا اس بات سے برتر و بالا ہے کہ کوئی چیز اس سے متصل ہو۔ یا وہ کسی چیز سے متصل ہو جائے۔

(۱۵۴) تیرا قرب اس سے یہ ہو سکتا ہے کہ تو اس کے قرب کا مشاہدہ کرے۔ ورنہ تو کہاں اور اس کا قرب کہاں؟

(۱۵۵) حق جل وعلا کسی چیز سے کیونکر محجوب ہو سکتا ہے اس لیے کہ جو چیز اس کی حجاب ہوگی اس میں بھی اس کا جلوہ ظاہر موجود و حاضر ہوگا۔

(۱۵۶) جس عمل میں تو نے لذت حضور نہیں پائی اس کے قبول ہونے سے مایوس نہ ہو۔ کیونکہ بسا اوقات جس عمل میں تجھ کو ثمرۂ دنیاوی (لذت وحلاوت) معلوم نہیں ہوتا وہ بھی قبول شدہ ہوتا ہے۔

(۱۵۷) جس معرفت کا ثمرہ تجھے معلوم نہ ہو اس پر خوش نہ ہو اور اس کی ستائش نہ کر اس لیے کہ بادلوں سے مقصود پھلوں کا وجود ہوتا ہے نہ محض بارش۔

(۱۵۸) جب تجھ پر معارف و واردات کے انوار چھپ گئے اور ان کے اسرار تیرے قلب میں ودیعت رکھے گئے تو ان کے بقا کا طالب نہ ہو۔ کیونکہ تو اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ میں مستغرق ہو کر ہر ایک چیز سے بے نیاز ہے اور اس سے کوئی چیز تجھ کو بے نیاز نہیں کر سکتی۔

(۱۵۹) حق تعالیٰ کا تجھ کو بقدر کفایت دینا اور جو چیز تجھ کو سرکش بنا دے اس سے روک دینا یہ اس کی تجھ پر پوری نعمت ہے۔ اس میں یہ فائدہ مضمر ہے کہ ان چیزوں کے کم ہونے سے جن سے تو خوش ہوتا ہے ضرور ہے کہ تیرا رنج و غم بھی کم ہوگا جبکہ ان چیزوں کا فقدان ہوگا۔

(۱۶۰) اگر تو چاہے کہ معزولی کے غم سے محفوظ رہے تو بے بقا اور ناپائدار ولایت دنیاوی اختیار نہ کر۔

(۱۶۱) اگر تجھ کو ولایت دنیاوی کی ابتدا اس کی طرف رغبت دلاتی ہے تو اس کی انتہا

یعنی معزولی یا موت اس سے تمہیں بے رغبت اور بیزار کرتی ہے۔ اگر اس کا ظاہر تجھے اس کی طرف بلاتا ہے تو اس کا باطن تجھے اس سے روکتا ہے۔

(۱۶۲) خداوند تعالیٰ نے دنیا کو اغیار کا محل اور کدورتوں کا معدن اس لیے بنا دیا ہے کہ تجھ کو اس سے بے رغبت کر دے۔

(۱۶۳) اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تو ترکِ دنیا کی نصیحت قبول نہیں کرے گا۔ تو اس نے دنیا کے مصائب کی چاشنی کا ایسا تلخ ذائقہ چکھایا کہ تجھ پر دنیا کی مفارقت سہل کر دی۔

(۱۶۴) فائدہ بخش علم وہی ہے جس کی شعاعیں سینہ میں پھیل جائیں اور دل پر سے شکوک و اوہام کے تاریک پردے اٹھا دے۔

(۱۶۵) عمدہ علم وہ ہے جس کے ساتھ خشیتِ الٰہی بھی شامل ہو۔ علم کے ساتھ اگر تجھے خوفِ خدا بھی ہے تو وہ علم تجھے فائدہ رساں ہے ورنہ وہ تیرے لیے نقصان بخش ہے۔

(۱۶۶) اگر لوگوں کی تیری طرف بے توجہی یا تجھے بدگوئی کے ساتھ یاد کرنا تجھے تکلیف دے تو تجھ کو اپنے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے علم کی طرف (جو تیرے افعال کی بہ نسبت ہے) رجوع کرنا چاہیے۔ اگر تجھ کو حق تعالیٰ کے علم پر قناعت نہ ہو۔ تو یہ آفت یعنی اللہ تعالیٰ کے علم پر قانع نہ ہونا ایذائے خلق کی مصیبت سے بدرجہا سخت تر ہے۔

(۱۶۷) مخلوق کے ہاتھوں تجھ کو صرف اس لیے اذیت پہنچاتا ہے کہ تیرا دل ان کے ساتھ وابستہ نہ ہو۔ نہ اس کا ارادہ ہے کہ تجھکو مخلوق کی اذیت پہنچا کر ہر ایک چیز سے دل برداشتہ کر دے تاکہ کوئی چیز اس سے تجھے غافل نہ کر دے۔

(۱۶۸) جب تو یہ جانتا ہے کہ شیطان تیرے بہکانے اور اغوا سے غافل نہیں رہتا تو تم بھی اپنے اس مولا سے جس کے قبضۂ قدرت میں تیری جان ہے غفلت نہ کرو۔

(۱۶۹) جس نے اپنے لیے تواضع کو ثابت کیا تو وہ شخص بے شبہ متکبر ہے۔ کیونکہ تواضع کا دعویٰ تو اپنی رفعتِ قدر کے مشاہدہ کے بعد ہی ہوگا۔ پھر جب اپنے لیے تواضع کا دعویٰ کرتا ہے تو گویا اسے اپنے بلند مرتبہ پر نظر ہے تو وہ متکبر ہوا۔

(۱۷۰) حقیقت میں وہ شخص متواضع نہیں کہ جب کبھی تواضع سے کوئی کام کرے تو اپنے

آپ کو اس سے بلند و بالا سمجھے۔ بلکہ متواضع وہ ہے کہ جب تواضع کا کوئی کام کرے تو اس سے بھی اپنے کو کمتر و پست خیال کرے۔

(۱۷۱) حقیقی تواضع وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی تجلی کے مشاہدہ سے پیدا ہو۔

(۱۷۲) مؤمن کو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اپنے نفس کی خود پسندی و شکر گزاری سے روک دیتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کی بجا آوری کا خیال اسے اپنے حظوظ نفسانی کی یادداشت سے باز رکھتا ہے۔

(۱۷۳) محب صادق وہ نہیں جو اپنے محبوب سے عوض کا امیدوار یا حصول غرض کا طلبگار ہو۔ بلکہ محب حقیقی وہ ہے جو اپنے محبوب کے لیے سب کچھ نثار کر دے۔ نہ یہ کہ محبوب ہی اس کے لیے کچھ ایثار کرے۔

(۱۷۴) تجھ کو اپنے عالم شہادت اور عالم غیب کے درمیانی عالم میں اس لیے پیدا کیا کہ تیری عظمت قدر اور سب مخلوقات پر تیری فوقیت منزلت تجھے معلوم کرا دے۔ اور یہ جتلا دے کہ تو ایسا گوہر یکتا ہے جس پر تمام مخلوقات صدف کی طرح سے لپٹے ہوئے ہیں۔

(۱۷۵) عالم سفلی تیری جسمانیت کے اعتبار سے ہی تجھے سمائے ہوئے ہے۔ ورنہ بلحاظ تیری روحانیت کے تجھے کبھی سما نہیں سکتا۔

(۱۷۶) جو دنیا میں موجود ہو اور اس کے لیے علوم و معارف غیبیہ کے دروازے مفتوح نہ ہوئے تو وہ شخص اپنی شہوات کے احاطہ میں مقید اور اپنی ہستی آب و گل کے چکر میں گھرا ہوا ہے۔

(۱۷۷) تم مخلوقات کے ساتھ اس وقت تک پابند ہو جبتک کہ تمہیں خالق کی معرفت کا مشاہدہ نہیں پھر جب تم نے مشاہدہ کر لیا تو ساری مخلوقات تیرے ساتھ ہوئے گی۔

(۱۷۸) طاعت پر دنیا میں ہی ثمروں کا پانا آخرت میں طاعت کرنے والوں کے لیے ان پر بدلہ ملنے کی مبارکبادیاں ہیں اور خوشخبریاں۔

(۱۷۹) اسی کے بخشے ہوئے عمل پر تم کیونکر عوض طلب کر سکتے ہو اور اس کی دی ہوئی سچائی و اخلاص پر کس طرح سے جزا کا سوال کر سکتے ہو۔

(۱۸۰) اللہ تعالیٰ شانہ نے تجھ کو تین طرح سے بزرگی عطا فرمائی۔ اوّل یہ کہ تجھے اپنے

ذکر کی توفیق دی۔ اور اگر اس کا فضل نہ ہوتا تو تم میں یہ لیاقت واہلیت نہ تھی کہ تم اپنی زبان اور قلب پر اس کے ذکر کو جاری رکھ سکو۔

دوسرے یہ کہ تجھے اپنی طرف منسوب کیا جس کی وجہ سے تجھے عبداللہ (بندۂ خدا) کا معزز خطاب دیا جاتا ہے۔

تیسرے تیرے ذکر کو اپنے یہاں فرما کر اپنی نعمتیں تجھ پر تمام کر دیں۔

(۱۸۱) بعض عمروں کی مدت دراز ہوتی ہے لیکن اس کے منافع کم ہوتے ہیں اور بعض عمروں کی مدت کم لیکن اس کے فوائد زیادہ ہوتے ہیں۔

(۱۸۲) جس کی عمر میں برکت دی جاتی ہے وہ تھوڑے زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے الطاف و احسانات اس قدر پا لیتا ہے جن تک نہ اشارہ پہنچ سکتا ہے اور نہ دائرہ عبادت و بیان کے احاطہ میں آ سکتے ہیں۔

(۱۸۳) تمام مشاغل سے فارغ ہو کر پھر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہ ہونا اور موانع کی قلت کے باوجود بھی اس کی طرف رجوع نہ کرنا پوری رسوائی اور بے توفیقی ہے۔

(۱۸۴) سالک کو ضروری ہے کہ اس وجود کے ستونوں کو گرا دے۔ تاکہ اس کی بنائیں محکم ہو جائیں اور حواس و مقتضیات جو اس کو اس سے چھین لے۔ پس دانا وہی ہے جس کی خوشنودی فانی کے بہ نسبت باقی کے ساتھ زیادہ ہو جس کا نور چمک اٹھا ہے اور جس کی درخشندہ علامتیں ظاہر ہو گئی ہیں تو اس عاقل نے اپنے فانی دار سے آنکھیں بند کر کے روگردانی کی اور پیٹھ پھیر کر اس سے اعراض کیا۔ نہ اس نے اس کو اپنا وطن بنایا۔ اور نہ اپنا مسکن ٹھیرایا۔

(۱۸۵) بلکہ اس میں رہ کر اپنی ہمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھایا اور اللہ تعالیٰ کی طرف پیشقدمی کرنے میں اسی سے اعانت طلب کرتا ہوا اس کی طرف چلا:

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ لِيَكُونَ نَظْرِیْ اِلٰى حَوْلِكَ وَقُوَّتِكَ اِذَا اَدْخَلْتَنِیْ وَاسْتِسْلَامِیْ وَ انْقِيَادِیْ اِلَيْكَ اِذَا اَخْرَجْتَنِیْ وَاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا يَنْصُرُنِیْ وَ يَنْصُرُ بِیْ وَلَا يَنْصُرُ عَلَیَّ يَنْصُرُنِیْ عَلٰى شُهُوْدِ نَفْسِیْ

وَیُغْنِیْنِیْ عَنْ دَائِرَۃِ حِسِّیْ۔

"اور کہو کہ اے میرے پروردگار! میرا مدخل اور مخرج مقام صدق واخلاص فرما تاکہ داخل ہونے کے وقت میری نظر تیری طاقت اور قوت کی طرف لگی ہوئی ہو۔ اور خارج کرنے کے وقت میری گردنِ تسلیم و رضا تیرے آگے جھکی ہوئی ہو! اور اپنی جناب سے میرے لیے ایسا صاحب شوکت مددگار مقرر فرما جو میری اعانت کرے اور مجھ سے دوسروں کی اعانت کرائے اور مجھ پر کوئی غالب نہ ہو جائے اور نفس کے مشاہدہ پر وہ میری اعانت کرے اور دائرۂ محسوسات سے میرے وجود کو نکال کر فنا کر دے۔"

(۱۸۶) حق تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ "اے داؤد! میرے سچے بندوں سے کہہ دے کہ وہ میرے ہی ساتھ خوش ہوں اور میرے ہی ذکر کے ساتھ اپنا دل ٹھنڈا کریں۔" اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مسرت اور فرحت اپنی ہی ذات اور اپنی رضامندی کے ساتھ فرمائے اور ہم کو اپنے سمجھنے والوں میں سے بنائے اور غافلین میں سے نہ کرے اور اپنے کرم و احسان سے ہم کو اہلِ تقویٰ کے راستے پر چلائے۔

(اب یہاں سے حکم بطور مناجات شروع ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں۔ رضی اللہ عنہٗ۔)

(۱۸۷) اَنَا الْفَقِیْرُ فِیْ غِنَائِیْ فَکَیْفَ لَا اَکُوْنُ فَقِیْرًا فِیْ فَقْرِیْ۔

"الٰہی! جب میں اپنی غنا کی حالت میں بھی محتاج ہوں تو فقر کی حالت میں کیوں کر محتاج نہ ہوگا۔"

(۱۸۸) اِلٰہِیْ اَنَا الْجَاھِلُ فِیْ عِلْمِیْ فَکَیْفَ لَا اَکُوْنُ جَھُوْلًا فِیْ جَھْلِیْ۔

"الٰہی! جب میں اپنے علم کی حالت میں بھی جاہل ہوں تو اپنے جہل کی حالت میں کس طرح جاہل نہ ہونگا۔"

(۱۸۹) الٰہی! تیری تدبیر کے اختلاف اور تیری تقدیر کے سرعت نزول نے تیرے عارفین

بندوں کو تیری عطاء پر مطمئن ہونے سے اور مصیبت میں تجھ سے ناامید ہونے سے روک دیا ہے۔

(۱۹۰) اِلٰهِيْ مِنِّيْ مَا يَلِيْقُ بِلُؤْمِيْ وَمِنْكَ مَا يَلِيْقُ بِكَرَمِكَ۔

"الٰہی! مجھ سے وہی صادر ہوتا ہے جو میری دنائت اور ملامت کے لائق ہے اور تجھ سے وہی ظہور پذیر ہوتا ہے جو تیرے لطف و کرم کو سزاوار ہے۔"

(۱۹۱) اِلٰهِيْ! وَصَفْتَ نَفْسَكَ بِاللُّطْفِ، وَالرَّأْفَةِ قَبْلَ وُجُوْدِ ضُعْفِيْ، "اَفَتَمْنَعُنِيْ مِنْهُمَا بَعْدَ وُجُوْدِ ضُعْفِيْ۔

الٰہی! تو نے میری ناتوانی کے وجود سے پہلے اپنے آپ کو لطف و مہربانی سے متصف فرمایا ہے تو کیا اب میری ناتوانی کے وجود کے بعد مجھ کو لطف و مہربانی سے محروم فرما دے گا۔"

(۱۹۲) الٰہی! اگر مجھ سے نیکیاں ظاہر ہوں تو یہ تیرا فضل ہے اور تیرا مجھ پر احسان ہے۔ اور اگر مجھ سے برائیاں صادر ہوں۔ تو یہ تیرا عدل ہے اور تیری حجت مجھ پر ثابت ہے۔

(۱۹۳) اِلٰهِيْ! كَيْفَ تَكِلُنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ وَقَدْ تَوَكَّلْتَ لِيْ وَكَيْفَ اُضَامُ وَاَنْتَ النَّاصِرُ لِيْ اَمْ كَيْفَ اَخِيْبُ وَاَنْتَ الْحَفِيُّ بِيْ۔ هَا اَنَا اَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِفَقْرِيْ اِلَيْكَ وَكَيْفَ اَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِمَا هُوَ مُحَالٌ اَنْ يَّصِلَ اِلَيْكَ اَمْ كَيْفَ اَشْكُوْ اِلَيْكَ حَالِيْ وَهِيَ لَا تَخْفٰى عَلَيْكَ اَمْ كَيْفَ اُتَرْجِمُ لَكَ بِمَقَالِيْ وَهُوَ مِنْكَ بَرَزَ اِلَيْكَ اَمْ كَيْفَ تُخَيِّبُ اٰمَالِيْ وَهِيَ قَدْ وَفَدَتْ اِلَيْكَ، اَمْ كَيْفَ لَا تُحْسِنُ اَحْوَالِيْ وَبِكَ قَامَتْ وَاِلَيْكَ۔

"الٰہی! جب تو میرا کفیل ہے تو میرے نفس پر مجھے کیوں سپرد کرتے ہو۔ اور جب تو میرا مددگار ہے تو میں کیونکر ذلیل ہو سکتا ہوں۔ اور جب تو مجھ پر مہربان ہے تو میں کس طرح ناکام رہ سکتا ہوں۔ میں اپنے فقر و مسکنت کو تیری بارگاہ میں وسیلہ پکڑتا ہوں اور جس چیز کا تیری بارگاہ عالی میں پہنچنا محال ہے۔ اس کو کیونکر وسیلہ بنا سکتا ہوں اور اپنے حال کی کس طرح تجھ سے شکایت کر سکتا ہوں۔ جبکہ وہ

تجھ سے پوشیدہ نہیں۔ اور جبکہ میرا کلام بھی تیرے ہی حکم سے تیری بارگاہِ عالی میں نکلا ہے تو میں اس کو اپنا کلام ہونا کیونکر ظاہر کر سکتا ہوں۔ اور میری امیدوں کی جماعت وفد ہو کر جب تیری بارگاہ عالی تک چل کر پہنچی ہے تو وہاں سے کیونکر ناکام واپس ہو سکتی ہے اور جب میرے احوال کا مبدا و مرجع تو ہی ہے۔ تو وہ کیونکر عمدہ اور پسندیدہ نہ ہوں گے۔"

(۱۹۴) اِلٰهِىْ! مَا اَلْطَفَكَ بِىْ مَعَ عَظِيْمِ جَهْلِىْ وَمَا اَرْحَمَكَ بِىْ مَعَ قَبِيْحِ فِعْلِىْ۔

"الٰہی! باوجود میری بڑی نادانی اور ناعاقبت اندیشی کے تو مجھ پر کس قدر مہربان ہے۔ اور باوجود میرے قبیح افعال کے تو مجھ پر کس قدر رحیم و کریم ہے۔"

(۱۹۵) اِلٰهِىْ! مَا اَقْرَبَكَ مِنِّىْ وَمَا اَبْعَدَنِىْ عَنْكَ۔

"الٰہی! تو مجھ سے کس قدر نزدیک اور میں تجھ سے کس قدر دور ہوں۔"

(۱۹۶) اِلٰهِىْ! مَا اَرْاَفَكَ بِىْ فَمَا الَّذِىْ يَحْجُبُنِىْ عَنْكَ۔

"الٰہی! تو مجھ پر کس قدر مہربان ہے پھر کونسی چیز مجھ کو تیرے مشاہدہ سے مانع و حاجب ہو سکتی ہے۔"

(۱۹۷) اِلٰهِىْ كُلَّمَا اَخْرَسَنِىْ لُؤْمِىْ اَنْطَقَنِىْ كَرَمُكَ وَكُلَّمَا اٰيَسَتْنِىْ اَوْصَافِىْ اَطْمَعَتْنِىْ مِنَّتُكَ۔

"الٰہی! جب کبھی میری بدی نے میری زبان بند کی۔ تو تیرے کرم نے مجھ کو گویا کر دیا اور جب کبھی میرے اوصاف رذیلہ نے مجھے مایوس کر دیا تو تیرے احسان نے میری ڈھارس بندھائی۔"

(۱۹۸) اِلٰهِىْ مَنْ كَانَتْ مَحَاسِنُهٗ مَسَاوِىْ فَكَيْفَ لَا تَكُوْنُ مَسَاوِيْهِ مَسَاوِىْ وَمَنْ كَانَتْ حَقَائِقُهٗ دَعَاوِىْ فَكَيْفَ لَا تَكُوْنُ دَعَاوِيْهِ دَعَاوِىْ۔

"الٰہی! جس کی نیکیاں بھی برائیاں ہوں تو بھلا اس کی برائیاں کیونکر برائیاں نہ ہوں گی

اور جس کے علوم و حقائق بھی دعوے ہی دعوے ہوں تو پھر اس کے دعوے کیونکر محض دعوے نہ ہوں گے۔"

(۱۹۹) الٰہی! تیرے حکم نافذ اور مشیت غالب نے کسی صاحب مقال کے لیے جائے مقال اور کسی صاحب حال کے لیے مقامِ حال باقی نہ چھوڑا ہے۔

(۲۰۰) اِلٰهِیْ اَنْتَ تَعْلَمُ وَاِنْ لَّمْ تَدُمِ الطَّاعَةُ مِنِّیْ فِعْلًا فَقَدْ دَامَتْ مَحَبَّةً وَّعَزْمًا۔

"الٰہی! تو جانتا ہے کہ اگرچہ مجھ سے طاعت کی بجاآوری پر مداومت نہیں ہوئی لیکن طاعت کی محبت و عزم پر یقیناً مداومت رہی ہے۔"

(۲۰۱) الٰہی! جب تو قاہر و غالب ہے تو میں کیونکر عزم راسخ کر سکتا ہوں اور جب تو حکم فرماتا ہے تو میں کس طرح پختہ ارادہ نہ کروں۔

(۲۰۲) الٰہی! جو چیز اپنے وجود میں تیری محتاج ہے اس سے تیرے وجود پر کیونکر استدلال ہو سکتا ہے۔ کیا ماسوی کو ایسا ظہور ہو سکتا ہے جو تجھے حاصل نہ ہو۔ یہاں تک کہ وہ تجھے ظاہر کرنیوالا بنے۔ تو غائب ہی کب ہے جو تیرے وجود پر کسی دلیل لانے کی حاجت پڑے اور تو بعید ہی کب ہے جو مخلوقات اور آثار کے ذریعہ تجھ تک رسائی ہو سکے۔

(۲۰۳) اِلٰهِیْ عَمِیَتْ عَیْنٌ لَّا تَرَاكَ عَلَیْهَا رَقِیْبًا وَّخَسِرَتْ صَفْقَةُ عَبْدٍ لَّمْ یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ حُبِّكَ نَصِیْبًا۔

"الٰہی! وہ آنکھ جو تجھ کو اپنے اوپر نگہبان و محافظ نہ دیکھے، اندھی ہو۔ اور اس بندے کی تجارت جس نے اپنے لیے تیری محبت کا حصہ نہیں لیا ٹوٹے میں پڑی ہوئی ہو۔"

(۲۰۴) اِلٰهِیْ اَمَرْتَ بِالرُّجُوْعِ اِلَی الْاٰثَارِ فَارْجِعْنِیْ اِلَیْهَا بِكِسْوَةِ الْاَنْوَارِ وَهِدَایَةِ الْاِسْتِبْصَارِ حَتّٰی اَرْجِعَ اِلَیْكَ مِنْهَا كَمَا دَخَلْتُ اِلَیْكَ مِنْهَا مَصُوْنَ السِّرِّ عَنِ النَّظَرِ اِلَیْهَا وَمَرْفُوْعَ الْهِمَّةِ عَنِ الْاِعْتِمَادِ عَلَیْهَا اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

"الٰہی! تو نے آثار کی طرف رجوع کرنے کا حکم فرمایا ہے تو مجھے اپنے انوار کے

لباس میں اور نظرِ بصیرت کی رہنمائی کے ساتھ ان کی طرف پھیر تاکہ جس طرح سے میں قلب محفوظ اور ان پر اعتماد کرنے سے بلند ہمت ہو کر تیری بارگاہ میں داخل ہُوا تھا۔ اسی بے نیازی کے ساتھ اب تیری بارگاہ عالی کی طرف رجوع کروں۔ بےشک تو ہر ایک چیز پر قادر ہے۔"

(۲۰۵) إلهي هذا ذلي ظاهر بين يديك وهذا حالي لا يخفى عليك منك أطلب الوصول إليك وبك أستدل عليك فاهدني بنورك إليك وأقمني بصدق العبودية بين يديك۔

"الٰہی! یہ میری ذلت اور عاجزی تجھ پر ظاہر ہے اور میرا حال تجھ سے مخفی نہیں۔ تجھ سے ہی تیری بارگاہ تک پہنچنا طلب کرتا ہوں اور تیرے ہی ساتھ تیری طرف رہنمائی چاہتا ہوں۔ پس اپنے نور کے ساتھ اپنے حضور تک میری رہنمائی فرما۔ اور سچی عبودیت میں مجھے اپنے سامنے قائم رکھ۔"

(۲۰۶) الٰہی! اپنے پوشیدہ علوم کی مجھ کو تعلیم فرما۔ اور اپنے محفوظ نام (اسم اعظم) کی ستر و برکت سے مجھے محفوظ رکھ۔

(۲۰۷) إلهي أغنني بتدبيرك عن تدبيري وباختيارك لي عن اختياري وأوقفني على مراكز اضطراري۔

"الٰہی! مجھ کو اپنی تدبیر کے ساتھ میری تدبیر سے اور اپنے اختیار کے ساتھ میرے اختیار سے بے نیاز و بے پروا کر دے اور مجھے اپنے مراتبِ عجز پر ٹھہرائے رکھ۔"

(۲۰۸) إلهي أخرجني من ذل نفسي وطهرني من شكي وشركي قبل حلول رمسي بك أستنصر فانصرني وعليك أتوكل فلا تكلني وإياك أسأل فلا تخيبني وفي فضلك أرغب فلا تحرمني ولجنابك أنتسب فلا تبعدني وببابك أقف فلا تطردني۔

"الٰہی! مجھ کو میرے نفس کی ذلتِ حرص و طمع سے نکال۔ اور قبر میں داخل ہونے سے پہلے مجھ کو شک و شرک سے پاک فرما۔ تجھی سے اپنی ہوائے نفسانی اور

وساوسِ شیطانی پر مدد مانگتا ہوں تو میری مدد کر۔ اور تجھی پر بھروسہ کرتا ہوں کسی دوسرے کے سپرد نہ فرما۔ اور تجھی سے سوال کرتا ہوں مجھ کو ناامید نہ کر۔ اور تیرے فضل وکرم کا امیدوار ہوں مجھے محروم نہ فرما۔ اور تیری ہی بارگاہ عالی کی طرف منسوب ہوں۔ مجھ کو وہاں سے دُور نہ کر اور تیرے ہی دروازہ پر کھڑا ہوں مجھے وہاں سے نہ دھکیل۔"

(۲۰۹) الٰہی۔ جب تیری رضا اس سے بھی پاک اور منزّہ ہے کہ تیری طرف سے اس کے لیے کوئی علت یا سبب ہو۔ تو بھلا میرا کوئی عمل یا حال اس کا سبب کیونکر ہو سکتا ہے۔

(۲۱۰) الٰہی! جب تو اپنی ذات کاملہ میں اس سے بھی غنی ہے کہ تجھ کو تجھ سے کوئی نفع پہنچے تو بھلا مجھ ناقص و ناکارہ سے تو کیونکر غنی نہ ہوگا۔

(۲۱۱) اِلٰهِیْ اِنَّ الْقَضَاءَ وَالْقَدْرَ غَلَبَنِیْ وَاِنَّ الْهَوٰی بِوَثَاقِ الشَّهْوَةِ اَسَرَنِیْ فَكُنْ اَنْتَ النَّصِیْرُ لِیْ حَتّٰی تَنْصُرَنِیْ وَتَنْصُرَنِیْ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ حَتّٰی اَسْتَغْنِیَ بِكَ عَنْ طَلَبِیْ۔

"الٰہی قضا و قدر مجھ پر غالب آئی۔ اور ہوائے نفسانی نے شہوت کی مضبوط زنجیروں میں مجھے جکڑ لیا ہے۔ تو اب تو ہی میرا مددگار ہو جا۔ کہ میری بھی اعانت کرے۔ اور میرے واسطہ سے دوسروں کی بھی مدد فرمائے اور اپنے فضل وکرم سے مجھے اس قدر غنی کر دے کہ تیرے مشاہدۂ جلال و جمال کے ساتھ اپنی طلب سے بھی مستغنی ہو جاؤں۔"

تو وہ پاک ذات ہے۔ جس نے اپنے دوستوں کے دلوں میں معارف کے انوار یہاں تک روشن کیے کہ انہوں نے تجھے پہچانا اور تیری وحدانیت کا اعتراف کیا! اور تو وہ ذات پاک ہے۔ جس نے اپنے دوستوں کے دلوں سے اغیار کے تعلق یہاں تک قطع کر ڈالے کہ انہوں نے تیرے سوا کسی کو محبوب نہ بنایا اور نہ تیرے سوا کسی دوسرے کا سہارا پکڑا۔ عالم کے کدورات نے جب ان کو متوحش و پریشان کیا تو تو ہی ان کا مونس و رحق کے راستے ان پر اسی لیے منکشف ہوئے کہ تو نے ہی ان کی رہنمائی فرمائی۔

جس نے تجھ کو نہ پایا اس نے کیا پایا۔ اور جس نے تجھ کو پایا اس نے کیا نہ پایا۔ جو تیرے بدلے کسی دوسرے سے راضی ہُوا وہ خائب و خاسر رہا۔ اور جس نے تیری بارگاہ عالی سے دوسری طرف مُنہ موڑا۔ اس نے سخت نقصان اٹھایا۔

(۲۱۲) اِلٰهِی کَیْفَ یُرْجٰی سِوَاکَ وَاَنْتَ مَاقَطَعْتَ الْاِحْسَانَ وَ کَیْفَ یُطْلَبُ مِنْ غَیْرِکَ وَاَنْتَ مَابَدَّلْتَ عَادَةَ الْاِمْتِنَانِ

"الٰہی! تو نے اپنا احسان کم نہیں کیا ہے تو پھر کس طرح سے تیرے سوا کسی دوسرے سے امید کی جائے اور تو نے اپنی بندہ نوازی کی عادت کو نہیں بدلا ہے تو تیرے غیر سے کیونکر سوال کیا جائے۔"

(۲۱۳) اے وہ ذات جس نے اپنے دوستوں کو اپنی ہیبت کا لباس پہنایا۔ تو وہ اس کی عزت کیساتھ عزت والے ہو کر قائم ہوئے۔ ذکر کرنیوالوں کے وجود سے پیشتر تو اپنے احسان سے ان کو یاد کرنے والا ہے۔ اور عبادت کرنے والوں کی توجہ سے پہلے تو لطف و احسان کی ابتدا کرنے والا ہے۔ اور سوال کرنے والوں کے سوال سے پہلے تو بخشش کرنیوالا ہے۔ تو ہی بخشنے اور دینے والا ہے۔ پھر خود ہی دے کر اپنی عطا ہم سے بطریق قرض مانگنے والا ہے۔

(۲۱۴) الٰہی! اگرچہ میں تیری نافرمانی کروں پھر بھی میری امید منقطع نہیں ہوتی جس طرح سے کہ اگرچہ تیری فرمانبرداری کروں تو تیرا خوف مجھ سے زائل نہیں ہوتا۔

(۲۱۵) اِلٰهِی کَیْفَ اُخَیَّبُ وَاَنْتَ اَمَلِیْ وَکَیْفَ اُهَانُ وَعَلَیْکَ مُتَّکَلِیْ۔

"الٰہی! تو ہی میری اصل اُمید ہے تو پھر میں کیونکر نا امید ہو سکتا ہوں اور تو ہی میرا سہارا ہے پھر میں کیونکر ذلیل ہو سکتا ہوں۔"

(۲۱۶) اے وہ ذات! کہ جو اپنی رحمانیت سے عرش پر اس طرح مستوی و غالب ہوئے کہ عرش بھی اس رحمانیت میں غائب و مستور ہو گیا۔ جس طرح کہ سارے عالم اس عرش کے اندر ہی غائب پوشیدہ ہیں۔

(۲۱۷) اے وہ ذات! جو اپنی عزت و عظمت کے پردوں میں آنکھوں کے ادراک

سے بالاتر اور محجوب ہے۔

(۲۱۸) اے وہ ذات! جس نے اپنی صفات کمالیہ کے ساتھ عارفین کے قلوب پر تجلی فرمائی تو اس کی بے نہایت عظمت ان کے قلوب کے اندر متحقق و راسخ ہو گئی۔ تو بھلا کیونکر چھپ سکتا ہے۔ جبکہ تو ظاہر و آشکارا ہے۔ اور تو بھلا غائب کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ تو ہی نگہبان و حاضر ہے۔

اللہ ہی توفیق دینے والا ہے اور اُسی سے ہم اعانت طلب کرتے ہیں۔

یہاں تک حکم کے چیدہ مقامات کی تلخیص ختم ہوئی۔

فقط

میں ہوں اپنے پروردگار کی رحمت کا محتاج بندہ محمد حسن فاروقی اللہ تعالیٰ اپنے لطف خفی سے مجھے بخش دے۔ اپنے رب کی بارگاہ میں یہ مناجات پیش کرتا ہوں،

"اے میرے پروردگار! اگر تو مجھے عذاب دے تو بسبب ان گناہوں کے جو مجھ سے سرزد ہو چکے ہیں۔ میں بیشک اس کا سزاوار ہوں۔"

اور کتنی میری خطاؤں کی لغزشوں پر تم نے پردہ پوشی فرمائی ہے۔ بیشک تو صاحب فضل و کرم ہے۔"

لوگ مجھے اچھا اور نیک خیال کرتے ہیں اور میں سب سے بدتر ہوں گا۔ اگر تو نے مجھے عفو نہ فرمایا؛

میرے پاس میری نجات کے لیے کوئی حیلہ نہیں مگر ایک تیرے عفو کی امید اگر تو نے مجھے بخش دیا۔ اور دوسرا میرا حسن ظن جو تیرے لطف سے وابستہ ہے۔

اِلٰهِیْ عَبْدُكَ الْعَاصِیْ اَتَاكَا مُقِرًّا بِالذُّنُوْبِ وَقَدْ دَعَاكَا
فَاِنْ تَغْفِرْ فَاَنْتَ لِذَاكَ اَهْلٌ وَاِنْ تَطْرُدْ فَمَنْ یَّرْحَمْ سِوَاكَا

ترجمہ

اے پروردگار۔ تیرا نافرمان بندہ تیرے دربار میں حاضر ہوا ہے اس حال

میں کہ اپنی خطاؤں کا اقرار کرتا ہے۔ اور تجھے پکار رہا ہے۔"
اگر تم اسے بخش دو گے تو تم اس بخشش کے ہر طرح سے لائق ہو۔ اگر
تم اسے نکال دو گے تو تیرے سوا اس پر بھلا کون رحم کرے گا۔"

اے میرے پروردگار۔ کسی عناد یا سرکشی کی وجہ سے میں نے تیری نافرمانی
نہیں کی۔ بلکہ میری کم بختی اپنی آرزو کو پہنچ گئی۔
اگر مجھے بخش دو گے تو تم اس بخشش کے ہر طرح سے اہل ہو اور اگر نکال
دو گے تو نہایت افسوس کا مقام ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی نیک توفیق سے رسالہ "طریق النجات" کی تالیف
سے پیر کے دن اوائل ربیع الاول سن تیرہ سو انچاس (۱۳۴۹) ہجری میں فراغت حاصل ہوئی۔

اَللّٰهُمَّ اخْتِمْ لَنَا بِالْخَيْرِ وَالسَّعَادَةِ وَنَجِّنَا بِفَضْلِكَ مِنْ
اَهْوَالِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ بِجَاهِ مَنْ لَّهُ الْعِزُّ وَالْكَرَامَةُ وَصَلَّى
اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ سُفُنِ النَّجَاةِ
وَنُجُوْمِ الْهِدَايَةِ اٰمِيْن ٥

اے میرے پروردگار۔ ہمارا خاتمہ سعادت و خوبی کے ساتھ کیجیو! اور اپنے
فضل و کرم سے بحرمت ذات معظم و مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روز
قیامت کے ہولناک مصائب سے ہمیں نجات بخشیو۔ آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا و مولٰنا محمد وآلہ
واصحابہ وبارک وسلم

(آمین)

رسالة التنوير في بيان مسئلة التقدير

بسم الله الرحمٰن الرحيم

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى اعلم وفقك الله تعالى ان مسئلة التقدير من ادق مسائل علم الكلام والايمان به واجب والبحث عن كنه ماهيتها ممنوع كما اشرنا اليه في اول كتاب طريق النجاة وكذلك مسئلة الروح قال الله تعالى ويسئلونك عن الروح قل الروح من امر ربي وما اوتيتم من العلم الا قليلا فنحن لا نبحث عن كنه ماهية هاتين المسئلتين لقصورنا فهمنا عن دركها ونفوض علمها الى الله العزيز العليم لكن البحث عن مسئلة التقدير من حيث تعلقها بافعال العباد والبحث عن الروح من حيث تعلقها بابدان العباد۔ فقوم انكروا القدر وهم القدرية وقوم اثبتوه

رسالہ تنویر دربیان مسئلہ تقدیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد الٰہی اور برگزیدہ بندوں پر سلام کہنے کے بعد جاننا چاہئے (اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق دے) کہ تقدیر کا مسئلہ علم کلام کے دقیق ترین مسائل میں سے ہے۔

حاصل یہ کہ تقدیر پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کی حقیقت اور ماہیت کی بحث میں پڑنا ممنوع ہے۔ جس کی طرف ابتدائی کتاب میں ہم اشارہ کر چکے ہیں۔

مسئلہ روح کو بھی بالکل اسی طرح سمجھنا چاہئے۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "کہ لوگ آپ سے (حضور کو خطاب ہے) روح کی حقیقت دریافت کرتے ہیں آپ کہدیجئے کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے اور تم لوگوں کو تھوڑا سا علم دیا گیا ہے" اس لئے ہم بھی اپنی کوتاہی عقل کی بنا پر کہ ان دونوں مسئلوں کے درک سے ہمارا فہم قاصر ہے۔ ان کی حقیقت اور ماہیت کی بحث نہیں چھیڑتے۔ اور ان کا علم اللہ ہی کو سونپ دیتے ہیں۔ لیکن مسئلہ تقدیر کی اس حیثیت سے بحث کرتے ہیں کہ اس کو افعال عباد سے کیا تعلق ہے۔ اور مسئلہ روح کی یوں بحث کی جاتی ہے کہ اس کو ابدان عباد سے کیا لگاؤ ہے۔

ایک گروہ نے تو قدر کا صاف انکار کر دیا ہے۔ ان کو "قدریہ" کہا جاتا ہے۔ اور ایک جماعت قدر

وجعلوا العبد مجبورا وهم المرجئة وهدى الله تعالى اهل السنة والجماعة الى الطريق الاوسط الاحوط - روى ابن عباس رضه ان النبي صلى الله عليه وسلم قال صنفان من امتى ليس لهما في الاسلام نصيب المرجئة والقدرية قال الشيخ علي القاري في المرقات المرجئة هم الذين يقولون الافعال كلها بتقدير الله تعالى و ليس للعباد فيها اختيار فانه لا يضر مع الايمان معصية كما لا ينفع مع الكفر طاعة - والقدرية هم المنكرون للقدر القائلون بان افعال العباد مخلوقة بقدرهم لا بقدرة الله تعالى وارادته وانما نسبت هذه الطائفة الى القدر لانهم يبحثون في القدر كثيرا انتهى - والباعث علينا في البحث عن مسئلة التقدير نجات عقائد المسلمين من الزيغ وعن نسبة الظلم الى الله تعالى وقد ابتلي بهذه المصيبة

کا تو اثبات کرتی ہے لیکن پھر اس کے ساتھ بندے کو بھی بالکل مجبور سمجھتے ہیں۔ ان کو "مرجیہ" کہا جاتا ہے۔ درمیانی اور محتاط طریقہ پر اللہ تعالیٰ نے اہل سنت و الجماعت ہی کو ہدایت فرمائی ہے۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو قسم کے لوگ میری امت میں سے ایسے ہوں گے کہ جو اسلام سے بالکل بے بہرہ ہوں گے ایک مرجیہ اور دوسرے قدریہ۔

شیخ علی قاری "مرقات" میں لکھتے ہیں کہ مرجیہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ کل افعال اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہیں اور بندوں کو ان میں کوئی اختیار نہیں اس لئے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی معصیت ضرر رساں نہیں جس طرح سے کہ کفر کے بعد کوئی طاعت فائدہ مند نہیں۔ اور قدریہ وہ ہیں جو قدر کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بندوں کے افعال بندوں کی ہی قدرت سے پیدا شدہ ہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ارادہ کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ اس جماعت کو قدریہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ لوگ مسئلہ قدر میں بحث بہت کرتے ہیں۔ (انتہیٰ)

ہماری غرض مسئلہ تقدیر کی بحث سے یہ ہے کہ مسلمانوں کے عقائد کج روی اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت کرنے سے نجات پائیں۔ اور یہی بات ہمارے لکھنے کی باعث ہوئی کہ اس مصیبت میں بہت سے اللہ کے بندے مبتلا نظر

كثير من العباد فانك ترى كثيرا من المنهمكين في الضلالة التاركين لفرائض الله تعالى اذا عاتبتهم بذلك يقولون هذا شيء قدره الله علي قبل خلقي و انا ما اقدر على تغيير خلق الله - نعني هذه العبارة انا مجبور في ترك الواجبات وفعل المنهيات والمجبور معذور وكيف يعذبني الله تعالى على امر قدره الله علي قبل خلقي - وهذه العقيدة مفضية الى ابطال الشرائع وفضول ارسال الرسل عياذا بالله منها وقد وقع لي مناظرة مع من يدعي العلم والصلاح في هذه المسئلة فقال العبد مجبور لان الله تعالى قال والله خلقكم وما تعملون فاعمال العبد لما كانت مخلوقة لله تعالى فكيف يقدر العبد على تغيير خلق الله. فقلت له العبد مختار في فعله وان كان مجبورا في اختياره لان الله تعالى يقول فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر فعلم

آتے ہیں۔ اور بہت دیکھا جاتا ہے کہ لوگ گمراہی میں منہمک اور فرائض الٰہی کو ترک کئے ہوتے ہیں۔ لیکن اگر تم ان کو ملامت اور تنبیہ کرو تو وہ کہدیتے ہیں کہ یہ باتیں تو اللہ تعالیٰ نے ہماری تقدیر میں ہماری پیدائش ہی سے پہلے لکھ دیں تھیں اب ہمیں کیا قدرت و اختیار ہے کہ خلق الٰہی میں تغیر و تبدل کر سکیں۔ اس کے یہ معنے ہوئے کہ واجبات کے ترک کرنے اور محرمات کے ارتکاب پر ہم مجبور ہیں اور مجبور تو معذور ہی ہے اور اللہ تعالیٰ بھلا ہمیں ایسی بات پر کیونکر عذاب دے گا۔ جس کو ہماری پیدائش سے ہی پہلے اس نے ہماری تقدیر میں لکھدیا ہو۔ اصل میں یہ عقیدہ اس بات پر جا کر ختم ہوتا ہے کہ عیاذاً باللہ سب شریعتیں باطل اور بیکار ہیں اور اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو فضول بھیجا ہے۔

ایک ایسے شخص کے ساتھ جو علم و فضیلت دعوے کرتا تھا میرا اس مسئلہ میں مناظرہ ہوا۔ تو اس نے یہ کہا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو بھی۔ پس جبکہ بندے کے اعمال اللہ تعالیٰ ہی کے مخلوق ہیں تو بندہ بے چارہ تغیر خلق الٰہی پر کیونکر قادر ہو سکتا ہے میں نے اس سے کہا کہ بندہ اپنے فعل میں مختار ہے اگرچہ اپنے اختیار میں مجبور ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص چاہے ایمان لائے اور جو شخص چاہے کافر بنے۔ اس سے ثابت ہوا کہ

ان للعبد مشیئۃ والمشیئۃ
ھی الاختیار۔ فقال وما
تشاؤن الا ان یشاء اللہ
فمشیئۃ العبد منفیۃ۔ قلت
ھذا ھو معنی قولنا انہ مجبور
فی اختیارہ فحرکۃ الصحیح
خلاف حرکۃ المرتعش فالمرتعش
مجبور فی حرکتہ والصحیح لیس
مجبورا فی تحرکہ لان تحرکہ بارادتہ
لابد ان تکون لمصلحۃ دینیۃ
او دنیویۃ نفسیۃ او روحیۃ
نعم الطاقۃ الارادیۃ مخلوقۃ
للہ تعالی بعد عزمک لذلک
الفعل وھذا معنی الآیۃ واللہ
خلقکم وما تعملون فسکت۔
ولما کان فی المسئلۃ اغماض
اردت نبذا من شرحھا
فنقول وباللہ التوفیق۔

اعلم

یا اخی

اولا سعۃ علم اللہ
تعالی من قولہ تعالی و
ان اللہ قد احاط بکل
شیء علما

بندہ مشیت (چاہنے کی قوت) رکھتا ہے اور مشیت ہی اختیار ہے۔"

اس نے کہا کہ یہ بھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اور تم نہ چاہو گے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ بندہ مشیت نہیں رکھتا!

میں نے کہا کہ یہی تو ہمارے اس قول کا معنی ہے کہ بندہ اپنے اختیار میں مجبور ہے۔ اس بات کو اس مثال سے سمجھو کہ تندرست آدمی کی حرکت اس آدمی کی حرکت کے مخالف ہوتی ہے جس کو رعشہ کا مرض ہو۔ مرتعش اپنی حرکت میں مجبور ہوتا ہے اور تندرست حرکت دینے میں مجبور نہیں اس لئے کہ وہ تو اپنے ارادہ ہی سے حرکت دیتا ہے۔ جو ضرور ہے کہ کسی دینی یا دنیوی۔ نفسانی یا روحانی مصلحت کے بنا پر ہوگی۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ خود طاقت ارادہ یہ تمہارے عزم کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ پیدا کر دیتا ہے یعنی اللہ کی مخلوق ہے۔ اور یہی اس آیت کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا ہے اور تمہارے اعمال کو بھی" پس وہ شخص چپ ہو گیا" لیکن چونکہ ابھی اس مسئلہ میں پیچیدگی اور اشکال باقی ہے۔ اس لئے میں نے ارادہ کیا کہ اس مسئلہ کی پیچیدگی کو کچھ کھول دوں۔ (اور اللہ تعالیٰ ہی سے توفیق مانگتا ہوں)

اے میرے عزیز بھائی! پہلے اللہ تعالیٰ کی وسعت علم کو خود اللہ ہی کے کلام سے معلوم کرو

ومن قوله تعالیٰ یعلم ما بین ایدیهم وما خلفهم ولا یحیطون بشیء من علمه الا بما شاء ومن قوله تعالیٰ عالم الغیب لا یعزب عنه مثقال ذرة فی الارض ولا فی السماء ولا اصغر من ذلک ولا اکبر الا فی کتاب مبین ومن قوله تعالیٰ ولو ان ما فی الارض من شجرة اقلام والبحر یمده من بعده سبعة ابحر ما نفدت کلمات الله والمراد من کلمات الله معلومات الله۔ والبرهان العقلی علی سعة علمه تعالیٰ انک تری ما خلق الله فی الارض من النباتات والجمادات وذوی الارواح بحیث یتحیر عقلک فی عدها وتعلم یقینا ان خالق الجمیع هو الله تعالیٰ وهو رازقهم وحافظهم وعلم کل شیء مقدم علی خلقه والخلق فرع من فروع العلم لان من اراد خلق شیء لابد ان یعلم اولاً غایته من نفعه وضرره وخیره وشره والنفاسة وارزاقه وحاله ومآله

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر ایک چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ اور ارشاد ہے کہ وہ جانتا ہے جو کچھ خلق کے روبرو ہے اور جو ان کے پیچھے ہے۔ وہ نہیں احاطہ کر سکتے اس کے معلومات میں سے کسی چیز کا۔ اور ارشاد ہے کہ وہ عالم الغیب ہے اس سے ذرہ برابر چیز پوشیدہ نہیں نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ اس سے بڑی (کوئی چیز ایسی نہ ہوگی) جو کتاب ظاہر میں موجود نہ ہو۔ اور ارشاد ہے کہ اگر جتنے کچھ زمین میں درخت ہیں سب قلم ہوں اور سمندر (سیاہی ہو) کہ اس کے پیچھے سات سمندر اس کی مدد کریں۔ (جب بھی) اللہ کے کلمات تمام نہ ہوں گے: کلمات سے مراد اللہ تعالیٰ کے معلومات ہیں:

اللہ تعالیٰ کی وسعت علم پر عقلی دلیل یہ ہے کہ زمین پر جو چیزیں نباتات، جمادات، اور حیوانات اللہ کی پیدا کی ہوئی اس انداز میں دیکھی جاتی ہیں کہ ان کے شمار میں عقل چکرا جاتی ہے۔ اور اس بات کو یقیناً ہر ایک جانتا ہے کہ ان سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہی ان کا رازق اور نگہبان ہی ہے۔ اور علم ہر ایک چیز کا اس کے پیدا کرنے سے پہلے ہی ہوتا ہے اور خلق تو علم کے فروغ میں سے ہے اس لئے کہ جو شخص کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے ضرور ہے کہ پہلے اس کی غایت۔ نفع و نقصان۔ خیر و شر۔ النفاس و ارزاق۔ حال و مآل

فبعد ما علم جميع ذلك يقدم على خلقه فبين العلم والخلق عموم وخصوص فلكل فرد من افراد المخلوقات الغير المتناهية علوم غير متناهية لخالق ذلك المخلوق وان نظرت في ملكوت السماوات وما فوقها من المخلوقات ترى الارض بمخلوقاتها بالنسبة اليها كقطرة الى البحر المحيط فكيف تفي اقلام الاشجار ومداد البحار المتناهية بكتابة العلوم الغير المتناهية فسلم القديم به قدير وان كان الحديث به ضعيفا. ثم اعلم ان علمه تعالى ليس كعلومنا حيث يتكون بعد ادراك المحسوسات والمعلومات فان المعلومات جميعها من الازل الى الابد صغيرها وكبيرها قديمها وحديثها منكشفة في علمه تعالى انكشافا تاما بسيطا بحيث لا يعزب عنه مثقال ذرة في الارض ولا في السماء وان ما عبرنا في علمه تعالى بالانكشاف البسيط انما هو بحسب افهامنا القاصرة

سب کچھ جان لے۔ جب ان تمام امور کو جان لیتا ہے تو اس کے خلق پر اقدام کر سکتا ہے۔

اس صورت سے علم اور خلق میں عموم خصوص کی نسبت ہوئی۔ پس افراد مخلوقات غیر متناہیہ کے ہر ایک فرد کے لئے اس کا خالق یقیناً علوم غیر متناہیہ رکھتا ہے۔ اگر تم عالم سمٰوت اور جو اس سے بھی اوپر ہیں ان کے مخلوقات کو دیکھو تو زمین کی مخلوقات ان کی بہ نسبت ایسے معلوم ہونگیں جو نسبت ایک قطرے کو بحر محیط کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ تو اب خود ہی سوچو کہ درختوں کی قلمیں اور دریاؤں کی سیاہیاں کہ جو سب متناہی ہیں علوم غیر متناہیہ کے لکھنے کے لئے کیسے کافی ہو سکتی ہیں۔ تو تمہیں تسلیم کرنا چاہئے کہ قدیم ان سب پر قادر ہے اگرچہ حادث اس کے جاننے سے عاجز ہے۔ اور اس بات کو بھی سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہمارے علوم کی طرح نہیں ہے کہ معلومات اور محسوسات کے ادراک کے بعد پیدا ہوتا ہو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں سارے معلومات چھوٹے اور بڑے نئے اور پرانے کہ جو ازل سے ابد تک ہونے والے ہیں سب کے سب ظاہر منکشف ہیں بانکشاف تام بسیط۔ اس طرح پر کہ ایک ذرہ کے برابر بھی کوئی چیز اس سے آسمان اور زمین میں پوشیدہ نہیں ہے۔

ہم نے جو علم الٰہی کی تعبیر "انکشاف تام بسیط" کے لفظ سے کی ہے تو یہ باعتبار ہمارے افہام ناقص کے

والا فعلہ تعالیٰ صفۃ ذاتیۃ
لہ تعالیٰ فکما لا نقدر علی
معرفۃ ذاتہ تعالیٰ کذلک لا
نقدر علی معرفۃ صفاتہ اذا
علمت هذا فاعلموا انہ تعالیٰ
علم فی الازل ای اخلق
العبد الفلانی فی یوم کذا فی
ساعۃ کذا من سنۃ کذا و یبقی
فی بطن امہ کذا من الشهور
والایام ویولد فعلم عمرہ وعملہ
ورزقہ واجلہ وخیرہ وشرہ
وصحتہ وسقمہ وکلامہ
وصمتہ وطاعتہ وعصیانہ
واکلہ وشربہ واخلاصہ و
نفاقہ وسعادتہ وشقاوتہ
وحرکتہ وسکونہ ونومہ ویقظتہ
وحیاتہ ومماتہ وجمیع اطوارہ
واوضاعہ من حین یولد الی
حین یموت وبعد الموت الی الابد
الآباد وعلم انہ یفعل کذا فی
ساعۃ کذا واجازیہ بکذا وکان
هذا العلم مستکنا فی خزائن العلوم
الغیر المتناهیۃ فلما ان اراد اللہ
تعالیٰ اطلاع بعض خواص عبادہ

ہے۔ ورنہ علم الٰہی خداوند تعالیٰ کی صفت ذاتی ہے
اور جس طرح سے کہ ہم خداوند تعالیٰ و تقدس کی معرفت
ذات پر قدرت نہیں رکھتے۔ اسی طرح سے
معرفت صفات پر بھی ہم قادر نہیں ہیں۔
اس کے بعد یہ سمجھو کہ خداوند تعالیٰ نے ازل
میں جان لیا تھا۔ کہ میں فلاں بندہ کو فلاں
دن اور فلاں ساعت اور فلاں برس میں
پیدا کروں گا۔ اور یہ بندہ اپنی ماں کے
پیٹ میں اتنے مہینے اور اتنے دن رہیگا
اور اس کے بعد تولد ہوگا۔ اسی طرح سے
اس کی عمر اور عمل۔ رزق اور اجل
خیر و شر۔ تندرستی اور بیماری۔ گفتگو اور
خاموشی۔ فرمانبرداری اور نافرمانی۔
کھانا اور پینا۔ اخلاص اور منافقی۔ نیک
بختی اور بدبختی۔ حرکت اور سکون۔ سونا اور
جاگنا۔ حیات اور موت۔ اور سارے
اوضاع و اطوار جب سے پیدا ہوا ہے
مرنے کے دم تک اور مرنے کے بعد ابد الآباد
تک سب جان لئے تھے۔ اور یہ بھی جان
لیا تھا کہ یہ بندہ ایسا کام فلانی ساعت
میں کرے گا۔ اور اس کی یہ جزا اسے
ملے گی۔ یہ علم دراصل خزائن علوم غیر
متناہیہ میں پوشیدہ تھا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ
نے ارادہ فرمایا کہ اپنے بعض خاص بندوں

علیہ من الملئکۃ المقربین وارواح عبادہ الصالحین تابل ذلک العلم المکنون باللوح المحفوظ فظھر جمیع ذلک فی اللوح بطریق الانعکاس بواسطۃ القلم الربانی فذلک ھو التقدیر الذی امرنا بالایمان بہ والقضاء الذی امرنا بالرضا بہ ولابد ان یظہر جمیع ما کتب فی اوقاتہ المخصوصۃ المقدرۃ لہا لاتبدیل لکلمات اللہ تعالٰی کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم جف القلم بما ھو کائن وفی ھذا المحل یمحو اللہ ما یشاء بسبب من الاسباب ویثبت ما یشاء بسبب من الاسباب لان القادر علی الایجاد قادر علی الاعدام بالطریق الاولٰی

و

ذلک تقدیر

العزیز

العلیم

یعنی ملائکہ مقربین اور صالح بندوں کے ارواح کو اس سے اطلاع دے تو اس پوشیدہ علم کو لوح محفوظ کے سامنے کر دیا تو وہ سب لوح محفوظ میں بواسطہ قلم ربانی بصورت انعکاس ظاہر ہو گئے اسی کو تقدیر کہتے ہیں جس پر ایمان لانے کا امر کیا جاتا ہے اور یہی قضا ہے جس پر راضی رہنے کا حکم دیا جاتا ہے۔

اور ضرور ہے کہ جو کچھ وہاں لکھ جا چکا ہے وہ اپنے اوقات مخصوصہ معینہ پر ہی ظاہر ہو اس لئے کہ اللہ تعالٰی کے کلمات میں تبدیل کی گنجائش نہیں اور جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جو چیزیں ہونے والی ہیں ان کو لکھ کر قلم فارغ ہو گیا ہے۔" اور اسی محل میں یہ آیت وارد ہے کہ محو کرتا ہے اللہ جو چاہتا ہے کسی سبب سے اور ثابت رکھتا ہے جو چاہتا ہے کسی سبب سے۔ اس لئے کہ جو پیدا کرنے پر قادر ہو وہ ناپید کرنے پر بطریق اولٰی قادر ہوگا۔

اور یہ خداوند غالب و دانا کی تقدیر ہے۔

اذا علمت هذا فاعلم ان التقدير على نوعين النوع الاول ما كان لكسب العبد فيه مدخل و تسبب كحصول الرزق و الافعال البدنية والحركات الارادية والنوم واليقظة والطاعة والعصيان وغيرها والنوع الثاني مالم يكن لكسب العبد فيه مدخل كالحيوة والممات والصحة والسقم وعروض الآفات الارضية والسماوية وتولد الذكور والاناث من الاولاد وغيرها ولا كلام لنا فيما لم يكن لكسب العبد فيه مدخل واللازم على العبد فيها التسليم والرضاء واما النوع الاول وهو ما كان لكسب العبد فيه مدخل. فنقول ان عمل العبد سبب لتقديره تعالى خيرًا كان او شرًا والجزاء

جب تمہیں یہ معلوم ہو گیا تو اب جاننا چاہئے کہ تقدیر دو قسم پر ہے۔ پہلی قسم وہ ہے کہ جس میں بندے کے کسب و عمل کو اس میں دخل ہو اور کسب اس کا سبب بن جاتا ہو۔ جیسے حصول رزق۔ افعال بدنیہ اور حرکات ارادیہ نیند اور بیداری۔ طاعت و عصیان وغیرہ۔

اور دوسری قسم وہ ہے جس میں کسب عبد کو مطلق دخل نہیں جیسے حیات و موت صحت و مرض۔ آفات سماویہ و ارضیہ کا عارض ہونا۔ اولاد میں نر و مادہ کا پیدا کرنا وغیرہ۔

اور اس صورت میں جس میں کہ بندہ کے کسب کو دخل نہیں ہماری گفتگو بے سود ہے بلکہ بندہ پر اس صورت میں یہ لازم ہے کہ تسلیم اور رضا کو اپنا مسلک بنائے۔

لیکن پہلی قسم "جس میں بندے کے کسب کو دخل ہوتا ہے" اس کے بارہ میں ہم تمہیں بتلا دیتے ہیں کہ بندہ کا عمل نیک ہو چاہے بُرا اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا سبب بن جاتا ہے۔ اور جزا جو اس پر

المرتب عليه مسبب
له لان العبد يعمل
باختياره خيرا
كان او شرا ويجزيه
الله تعالى عليه
ان كان خيرا فخير
وان كان شرا فشر
ان لم تسبقه العناية
بالتوبة او بالشفاعة
او غير ذلك حتى انه
لم يكتب عليه شره
برهة من الزمان
لعله يتوب كما ورد
في الحديث قال الله
تعالى من عمل صالحا
فلنفسه ومن اساء
فعليها وما ربك
بظلام للعبيد و
قال تعالى
فاما من اعطى
واتقى
وصدق بالحسنى
فسنيسره
لليسرى

مرتب ہوتی ہے وہ اسی کا نتیجہ یا سبب
ہوتی ہے اس لئے کہ بندہ برا یا
بھلا عمل اپنے اختیار ہی سے کرتا
ہے حق سبحانہ وتعالی پھر اس
عمل کے لحاظ سے بری یا بھلی
جزا دیتا ہے بشرطیکہ عنایت
ازلی نے توفیق توبہ سے اس کی
دستگیری نہ کی اور شفاعت نے
اس کو اپنے سایۂ رحمت میں
نہ لیا وغیر ذلک۔
یہ صورت نہیں ہوتی کہ یکایک بُری
جزا اس کے لئے لکھ دی جاتی
ہے اس لئے کہ شاید توبہ کی
توفیق اسے نصیب ہو جائے۔
چنانچہ ایسا ہی حدیث شریف
میں وارد ہو چکا ہے:
حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جس کسی
نے نیک عمل کیا تو اپنے بھلے کے
لئے کیا اور جس نے بدکاری کی
تو وبال بھی اسی پر ہے اور تمہارا رب
بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے؛
اور ارشاد ہے کہ جس نے دیا
اور تقویٰ کیا اور سچ سمجھا اچھی بات
(یا جنت) کو تو ہم آسان کر دیں گے

واما من بخل واستغنی و کذب بالحسنیٰ فسنیسرہ للعسریٰ وانت تعلم ان فاء التعقیبیۃ تقتضی الترتیب والتعقب فنعلم ان الجزاء یحدث بعد العمل والتقدیر الازلی و ھو علم اللہ تعالیٰ بھذہ القصۃ لا یجبر العبد علی العمل ولیس تقدیرہ تعالیٰ فی الازل سببا لمعصیۃ العبد حتیٰ یکون العبد مجبورا فی المعصیۃ و ینسب الظلم الی حضرت اللہ تعالیٰ وتقدس بتعذیبہ ایاہ بعد مجبوریتہ تعالی اللہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا لان اللہ تعالیٰ

رستے آسانی کے لئے۔ اور جس نے بخل کیا اور بے پروا رہا اور جھوٹ سمجھا اچھی بات (یا جنت) کو تو ہم اس کو آسان کردیں گے سختی اور تنگی کے لئے۔"

اس آیۂ کریمہ میں (نحوی قاعدے) تم جانتے ہوگے کہ "فاء" تعقیبیہ ترتیب اور در پے ہونے کو چاہتی ہے اس سے ثابت ہوا کہ جزا عمل کے بعد ہی پیدا کی جاتی ہے۔ اور تقدیر ازلی یعنی علم الٰہی جو اس کام کے متعلق تھا بندہ کو اس کام کرنے پر مجبور نہیں کرتا۔ اور تقدیر الٰہی جو ازل میں ہوچکی ہے بندے کی معصیت کا سبب نہیں بن جاتی یہاں تک کہ بندہ اپنی معصیت میں بالکل مجبور ہو۔ اور حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت کی جا سکے کہ بندہ کے مجبور ہونے کے ساتھ اسے عذاب دیا جا رہا ہے۔ "ظالموں کے اس کہنے سے حق سبحانہ وتعالیٰ برتر ہے اور بہت برتر ہے"

اس لئے کہ خداوند تعالیٰ

ليس بظلام للعبيد بل
هو ارحم الراحمين
بعباده وكيف يكلف
الله
عباده بامره
لهم بلا امروا امر
ونهيه لهم عن المناهي
والحال
ان العباد لا يقدرون
على شيء
من ذلك ويسلب التوفيق
عنهم
كمن يامر الاعمى بقراءة
كتاب لم يعرفه و
قد
قال الله تعالى لا يكلف
الله نفسا الا وسعها
لها ما كسبت
وعليها ما اكتسبت
وهذه العقيدة
من اخبث العقائد الفاسدة
لان فيها ابطال الشرائع
راسا
وارسال الرسل فضولا

اپنے بندوں پر ظالم نہیں ہے
بلکہ وہ تو اپنے بندوں پر ارحم الرحمین
ہے۔ خود ہی سوچو کہ خداوند تعالیٰ اپنے
بندوں کو کیسے اس بات کی
بھلا تکلیف دے سکتا ہے کہ وہ کام کرو
اور یہ کام نہ کرو اس حال میں کہ
بندے بے چارے کسی چیز پر قدرت
ہی نہ رکھتے ہوں اور توفیق ان سے
چھین لی گئی ہو؟
یہ تو ایسا ہوا جیسے کوئی شخص کسی اندھے
کے سامنے کوئی کتاب کھول دے
کہ اس کو بیٹھے پڑھا کرو جس کو
وہ بے چارہ جانتا ہی نہ ہو۔
چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد
ہے کہ اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی
کو مگر اس کی طاقت کے موافق
اسی کو ملتا ہے جو اس نے کمایا
اور اسی پر پڑتا ہے جو اس نے
کیا۔
یہ عقیدہ سب عقائد فاسدہ
میں نہایت ناپاک اور برا ہے
اس لئے کہ اس کی بنا پر سب
شریعتیں سرے سے باطل
ٹھیریں گی۔ اور رسولوں کے مبعوث

وعبثا عیاذا باللہ منہا۔
فان قلت کیف یکون عمل
العبد الحادث سببا
لتقدیرہ تعالیٰ وتقدیرہ
تعالیٰ ازلی وتقدم
السبب علی المسبب مسلم
عند اھل العلم فیلزم
تقدم المسبب علی السبب وھذا
غیر جائز۔ قلت التبس
علیک العلم بالعمل
فان علمہ تعالیٰ بان العبد
الفلانی یفعل الفعل الفلانی
فی الزمن الفلانی واجازیہ
بالجزاء الفلانی ھذا ھو
التقدیر الازلی ونسلم تقدیمہ
علی العمل الحادث للعبد
ولیس ھذا التقدیر العلمی
فی الحقیقۃ سببا ولا مسببا
بل السبب عمل العبد الحادث
والمسبب جزاء العمل
الحادث قال اللہ تعالیٰ واللہ
خلقکم وما تعملون۔ فکما
ان خلق العبد حادث و
مباشرۃ الابوین سبب لہ

ہونے کو فضول اور عبث کہنا پڑیگا۔
پناہ بخدا۔
سوال: بندے کا عمل جو حادث
(نو پیدا) ہے تقدیر الٰہی ازلی کا کیسے سبب
بن سکتا ہے۔ اس لئے کہ سبب کا
مسبب پر مقدم ہونا اہل علم کے نزدیک
ثابت ہے اس صورت میں تو مسبب
سبب پر مقدم ہو رہا ہے حالانکہ یہ جائز
نہیں۔
جواب: تم پر علم اور عمل کا التباس ہو
گیا ہے اس وجہ سے یہ اشکال پیدا ہوا ہے
صورت واقعہ یہ ہے کہ علم الٰہی میں جو یہ
بات تھی کہ فلاں بندہ فلانے زمانہ
میں یہ کام کرے گا اور اس کو اس پر یہ
جزا دی جائے گی یہی تقدیر ازلی ہے اور
اس کی تقدیم بندے کے حادث فعل پر ہم
ضرور مانتے ہیں لیکن یہ تقدیر علمی در حقیقت
نہ سبب ہے نہ مسبب۔ بلکہ اس کا سبب
بندے کا وہ حادث عمل ہے اور اس
حادث عمل کی جزا اس کا مسبب ہے۔
حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ نے
تم کو پیدا کیا ہے اور تمہارے اعمال کو۔
پس جس طرح سے کہ بندہ خود حادث
ہے اور والدین کی مقاربت اس کا سبب

لکن لک خلق عمل العبد حادث ومباشرة العبد سبب له وجزاء الله تعالے اياه بعد عمله الحادث مسبب لذلك الفعل فلا يلزم تقدم المسبب على السبب فان قلت اما سمعت فى الحديث الصحيح معاتبة موسىٰ لآدم على نبينا وعليهما الصلوة والسلام فى اكله الشجرة فقال له آدم عليه السلام بكم علمت تقديره على مر قدره الله على قبل خلق باربعين عاما قال النبى صلے الله عليه وسلم فحج آدم موسىٰ اوكما قال صلے الله عليه وسلم

ہے اسی طرح سے بندے کا عمل کرنا حادث ہے۔ اور خود بندے کا اس کام کو کرنا اس کا سبب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جو اس کو اس عمل حادث کے بعد جزا دے گا یہ اس عمل کا مسبب ہے پس کہاں سبب مسبب پر مقدم ہوا؟

سوال! کیا تم نے صحیح حدیث میں نہیں دیکھا ہے کہ حضرت موسےٰ نے حضرت آدم کے ساتھ شجرہ کے کھانے کے بارہ میں مناظرہ اور معاتبہ کیا۔ تو حضرت آدم علیہ السلام نے کہا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس بات کی تقدیر میری پیدائش سے کتنا زمانہ پہلے ہو چکی تھی؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا چالیس سال پہلے۔ تو حضرت آدم نے کہا کہ کیا تم مجھے ایسی بات پر ملامت کر رہے ہو جس کو حق تعالیٰ نے میری پیدائش سے بھی چالیس سال پہلے میرے لیئے مقرر کر رکھا تھا حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ پس اس حجت میں حضرت آدمؑ حضرت موسیٰؑ پر غالب ہو گئے؟

فلو لم يكن العبد مجبورا
لقضاء الله تعالى ما حج
آدم موسى۔
قلنا القصة صحيحة وهى
تؤيد مقصودنا من وجوه
الاول ان موسى عليه
السلام كان نبيا و
رسولا آتاه الله التوراة
فيها تبيان كل شيء فلو
كان آدم مجبورا فى اكله
الشجرة ما عاتب عليه۔
الثانى ان كان آدم عليه
السلام مجبورا فى فعله
ذلك لقال فى عذره
من خطيئته ربنا انك
ابتليتني بهذا ولكنه
قال ربنا ظلمنا
انفسنا فان لم يكن
له اختيار لما نسب الظلم
الى نفسه والثالث شهادة
رب العلمين على
آدم بقوله وعصى آدم
ربه فغوى ثم
تاب عليه وهدى۔

تو سوال یہ ہے کہ اگر بندہ قضائے الٰہی سے مجبور نہ ہوتا تو کیسے حضرت آدم حضرت موسےٰ پر غالب آتے؟

جواب:- یہ قصہ برابر صحیح ہے۔ لیکن یہ تو اور کئی وجوہ سے ہمارے مقصود کی تائید کر رہا ہے۔

وجہ اول یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام رسول اور نبی تھے حق سبحانہ و تعالیٰ نے ان پر تورات آتاری تھی؛ جس میں ہر ایک چیز کا بیان تھا پس اگر حضرت آدم اس شجرہ (گیہوں یا کھجور جو انہوں نے خلاف فرمان الٰہی جنت میں کھایا تھا) کے کھانے پر مجبور ہوتے تو حضرت موسیٰ ان پر عتاب و ملامت نہ کرتے!

وجہ ثانی یہ کہ اگر آدم علیہ السلام اپنے فعل میں مجبور ہوتے تو اپنی اس خطا کے عذر میں یوں کہتے کہ "اے پروردگار تمہیں نے تو مجھے اس کام میں مبتلا کیا۔ ..."

لیکن انہوں نے کہا تو یہ کہ "اے پروردگار، ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔" تو اگر ان کا کچھ بھی اختیار نہ ہوتا تو ظلم کو اپنی طرف کیوں نسبت دیتے؟

وجہ ثالث یہ کہ خود پروردگار عالم کی گواہی حضرت آدم پر ان الفاظ میں ہے کہ آدم نے نافرمانی کی اپنے رب کی پس گمراہ ہوئے۔ پھر ان پر توجہ فرمائی (ان کی توبہ قبول فرمائی) اور راہ راست پر

فلو کان مجبورا لما نسب العصیان
والغوایۃ الیہ۔ بقی کلام فی
قولہ علیہ الصلوۃ والسلام
فحج آدم موسیٰ ومفہوم مراد اللہ
اعلم باسرار کلام حبیبہ
ان آدم قال لعلہ ۱۱ مرقد
فرغ منہ ومعنی ما اراد اللہ
علیّ فی علمہ قبل خلقی فلا
ینفع ایلامک لی فی ھذا الوقت
فان قلت سلمنا ان للعبد
اختیار فی الفعل والترک و
سلمنا ان فعل العبد سبب
للجزاء المترتب علیہ فمن
این حصل لہ الطاقۃ علی
ذلک الاختیار قلنا ذلک من
اللہ العزیز العلیم وذلک
معنی قولنا مجبور فی اختیارہ
بمعنی ان طاقۃ الاختیار
حصلت لہ من اللہ تعالیٰ۔ فان
قلت اذا کان طاقۃ الاختیار
من اللہ تعالیٰ رجع الکلام الی
اول البحث وصار العبد
مجبورا فی اختیارہ فصار
مجبورا فی افعالہ ولزم الدور

لائے تو اگر آدم علیہ السلام مجبور ہوتے تو نافرمانی اور گمراہی کی نسبت انکی طرف کیوں کیجاتی۔ البتہ یہاں پر یہ بات ایک کھٹکتی ہوئی رہجاتی ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اس فرمودہ کا کیا مقصد ہے کہ "حضرت آدم حضرت موسیٰ پر حجت میں غالب آ گئے" جبکہ ثابت ہو اکہ حضرت موسیٰ کا سوال ٹھیک تھا۔ حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی اپنے حبیب کے کلام کے اسرار زیادہ جانتا ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں میری پیدائش سے پہلے میرے متعلق جو ارادہ فرمایا تھا وہ ہو چکا اور اسکا وقت گذر چکا۔ اب سوقت تمہاری ملامت سے آخر کیا فائدہ؟

سوال: ہم نے تسلیم کر لیا کہ بندے کو کام کرنے اور نہ کرنے میں اختیار ہے اور یہ بھی مان گئے کہ بندے کا فعل ہی اس جزا کا سبب ہے جو اس پر مرتب ہوگی۔ لیکن خود یہ اختیار کہاں سے آیا اور اسپر طاقت کس نے دی؟

جواب: اس اختیار کی طاقت اللہ تعالیٰ ہی کیجانب سے ہے اور یہی معنی ہے ہمارے اس قول کے کہ بندہ اپنے اختیار میں مجبور ہے۔ اس سے یہی مراد ہے کہ اختیار کی طاقت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے حاصل ہوئی ہے

سوال: جب اختیار کی طاقت خدا تعالیٰ سے ہی ہوئی اور بندہ اپنے اختیار سے مجبور رہا تو اپنے افعال میں بھی مجبور ہوا اس صورت میں دور لازم آجاتا ہے اور ابتداء سے بحث شروع ہوجاتی ہے؟

قلنا لیس الامر کما زعمت لان الاختیار معناه تساوی الطرفین اعنی الفعل و الترک فترجیح احدی الطرفین علی الاخر بقصده و عزمه و استعمال الجوارح فیما رجحه بقصده عمل العبد المرتب علیه الجزاء حسب فعله ان خیراً فخیرٌ و ان شراً فشرٌ و نسبة الاجبار فی الاختیار الیه سبحانه و تعالی مجازی - قال الله تعالی و من یضلل الله فما له من هاد - و من یشاء یضلله - و یضل الله الظالمین و یفعل ما یشاء فنسبة الاضلال الیه تعالی مجازی بعلاقة الارادة الازلیة و اعطاء القوة و القوت و من هذا القبیل قول موسیٰ علی نبینا و علیه الصلوة و السلام ان هذا الا فتنتک - و مثاله و لله المثل الاعلی کما اذا رفی

جواب : یہ صورت اس طرح پر نہیں جو آپکے خیال میں ہے اسلئے کہ اختیار کی معنی ہے دونوں طرف یعنے فعل اور ترک کا برابر ہونا تو جب ان میں سے ایک کو دوسرے پر اپنے قصد و ارادہ سے ترجیح دیجائیگی اور جسکو ترجیح دی ہے اس کی سرانجامی کیلئے اعضاء بھی کام میں لگائے جائینگے تو یہ بندہ کا عمل ہوا جسپر جزا موافق عمل بُری یا بھلی مرتب ہورہی ہے اور مجبوری کی نسبت جو اختیار میں حق سبحانہ و تعالےٰ کی طرف کیگئی ہے۔ یہ مجازاً ہے۔ جیسا کہ حق تعالےٰ کا ارشاد ہے جسکو اللہ گمراہ کرے اسکا کوئی رہبر نہیں۔ اور جسکو اللہ چاہے گمراہ کردے اور اللہ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے ان سب مثالوں میں گمراہی کی نسبت اللہ تعالےٰ کی طرف ارادہ ازلیہ اور قوت بخشنے اور رزق دینے کے علاقہ سے مجازاً کی گئی ہے"

اور حضرت موسےٰ (ہمارے رسول اکرم پر اور اُن پر اللہ تعالےٰ کی رحمتیں اور سلام ہوں) کا یہ قول بھی اسی قبیل سے ہے۔ کہ یہ تیرا فتنہ (آزمائش) ہی ہے"

اور اس کی مثال یہ ہے (اور اللہ تعالےٰ ہی کیلئے اعلےٰ مثال (صفت) ہے"۔ جیسے کوئی شخص اپنے

ولد والوالد عاق لوالده ويعمل الخبائث والوالد مكبٌّ على تربيته فيلومه الناس و يقولون له انت اضللته فالوالد وان كان يربيه لكنه لا يرضى بضلالته كذلك ربنا يربينا ولكن لا يرضى بضلالتنا قال الله تعالیٰ ولا يرضى لعباده الكفر قال صاحب الامالية فريد الخير والشر القبيح ، ولكن ليس يرضى بالمحال ، رجعنا الى اصل البحث فالذى يعتقد المجبورية للعبد و يجيبنا بقوله هذا شيء قدره الله علىّ قبل خلق نراه منهمكا فى حصول الرزق جميع عمره لا يفتر عنه ساعة حتى انه لا يفرق بين الحلال والحرام فان عاتبه احد على ذلك الانهماك يقول يا شيخ نحن مامورون بالسعی فی حصول الرزق وهذا العالم عالم الاسباب اوما سمعت

بیٹے کی پرورش کر رہا ہو۔ اور بیٹا اپنے باپ کا نافرمان ہو اور بدکاریوں میں مبتلا ہو اس حال میں بھی باپ اس کی پرورش و تربیت میں بے حد کوشاں ہو۔ اس پر لوگ باپ کو ملامت کریں کہ تم نے اپنے بیٹے کو گمراہ کر دیا ہے باپ اگرچہ اس کی پرورش کر رہا ہے لیکن اس کی گمراہی سے وہ کبھی بھی راضی نہیں۔ اسیطرح سے ہمارا پروردگار ہماری پرورش کرتا ہے لیکن ہماری گمراہی سے کسی طرح وہ راضی نہیں چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے کفر سے راضی نہیں۔ قصیدہ امالیہ والے فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ بھلائی اور برائی دونوں کا ارادہ کرتا ہے لیکن محال سے وہ راضی نہیں"

اب ہم پھر اصل بحث کیطرف رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ لوگ جو بندوں کی مجبوری کا اعتقاد رکھتے ہیں اور ہمیں ہر سوال پر یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ تو اللہ تعالیٰ نے ہماری تقدیر میں ہماری پیدائش سے پہلے ہی لکھ دیا تھا: الخ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ رزق کے حاصل کرنے میں منہمک پاتے ہیں اور وہ عمر بھر اس طلب سے ایک گھڑی بھی غافل نہیں ہوتے یہانتک اس گرمجوشی میں حلال اور حرام کے فرق کو بھی بالائے طاق رکھدیتے ہیں۔ اب اگر کوئی انہیں اس انہماک پر ملامت کرنے لگے تو جھٹ کہدیتے ہیں کہ حضرت! رزق حاصل کرنیکی کوشش پر تو ہم مامور ہیں اور یہ تو عالم اسباب ہے بغیر اسکے چارہ نہیں اور کیا آپنے نہیں سنا کہ

قولہ صلی اللہ علیہ وسلم
اطلبوا الرزق من ابوابہا و
الکاسب حبیب اللہ الی
غیر ذلک وما یحصل لہ من
الرزق ینسبہ الی سعی نفسہ
ویقول انا حصلت کذا انا
فعلت کذا ولا یذکر قولہ
ہذا شیء قدرہ اللہ علی
قبل خلقی یعد نفسہ مجبورا
فی الطاعات وترک الواجبات
ویعد نفسہ مختارا فی حصول
الارزاق حلالہا وحرامہا۔
وان دخل اللص بیتہ لاخذ
شیء من مالہ عاربہ یقاتلہ
وربما یقتلہ وان سبہ
احد یسبہ باغلظ منہ
ولا یلتفت الی عقیدتہ انہ
مجبور فی دخول بیتہ وسبہ
کما ہو بنفسہ مجبور فی
ترک الفرائض والہجوم علی
ما نہی اللہ تعالیٰ عنہ وہذا
غایۃ الحماقۃ والسفاہۃ نسأل
اللہ تعالیٰ العفو والعافیہ
والاستقامۃ علی منہاج

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے تو فرما ہی دیا ہے کہ رزق کی طلب رزق کے دروازوں سے کرو۔ اور آپؐ فرماتے ہیں کہ کمانے والا اللہ تعالیٰ کا حبیب ہے، وغیرہ وغیرہ! تعجب تو یہ ہے کہ جو کچھ کما لیتے ہیں اسکی نسبت اپنی ہی کوشش کی طرف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں نے یہ چیز کمائی ہے اور میں نے یہ کیا ہے اور وہ کیا ہے۔ یہاں کبھی یہ نہیں کہتے کہ بس اتنا ہی اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے پہلے میری تقدیر میں لکھا تھا۔ اپنے آپکو عبادات اور واجبات کے ترک میں تو بالکل مجبور سمجھیں لیکن حلال و حرام رزق کے حاصل کرنے میں اپنے نفس کو مختار کل جانیں۔ عجب حساب ہے۔

اور سنئے! اگر کوئی چور مال اٹھانے کیلئے انکے گھر میں گھس پڑے تو خوب داد شجاعت دیکر اس سے لڑینگے اور جو بس چلا تو گردن مارنے میں بھی دریغ نہ کرینگے۔ اسیطرح اگر انہیں کوئی گالی دے تو اس سے بڑھکر غلیظ گالیاں بکنے لگینگے۔ ایسے مقام پر انکی نظر التفات کبھی اپنے عقیدے کیطرف نہ اٹھیگی کہ وہ بیچارہ بھی گھر میں گھسنے یا گالی دینے میں ایسا ہی مجبور ہے جیسا کہ ہم خود فرائض کے ترک اور محرمات الٰہی پر جھک پڑنے میں مجبور ہیں۔ خود ہی سوچ کہ یہ کس قدر حماقت اور سفاہت ہے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ہمیں عفو و عافیت نصیب فرمائے اور اہلسنت والجماعت کے طریقہ پر

اهل السنة والجماعة وتختم
الرسالة بتائية الشيخ
اسماعيل المقري قال
رحمه الله تعالى -

الى كم تمادى في غرور وغفلة
وكم هكذا نوم الى غير يقظة
لقد ضاع عمر ساعة منه تشترى
بملء السما والارض اية ضيعة
أترضى من العيش الرغيد وعيشة
مع الملاء الاعلى بعيش البهيمة
فيا درة بين المزابل القيت
وجوهرة بيعت بابخس قيمة
أفان بباق تشتريه سفاهة
وسخطا برضوان ونارا بجنة
أانت صديق ام عدو لنفسه
فانك ترميها بكل مصيبة
ولو فعل الاعدا بنفسك بعض ما
فعلت لمستهم لها بعض رحمة
لقد بعتها هونا عليك رخيصة
وكانت بهذا منك غير حقيقة
كلفت بها دنيا كثير غرورها
تقابلنا في نصحها بالخديعة
اذا اقبلت ولت وان هي احسنت
اساءت وان صافت فبالكدرة

استقامت بخشے۔

ہم اپنے رسالہ کو شیخ اسمٰعیل مقری رحمہ اللہ تعالیٰ کے قصیدہ تائیہ پر ختم کرتے ہیں۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں:۔

(۱) کب تک غرور اور غفلت میں پڑے رہو گے اور کب تک ایسی نیند سوتے رہو گے جس کی انتہا بیداری پر نہیں ہوتی (۲) تمہاری ایسی بے بہا عمر ضائع ہو چکی ہے کہ اگر اس کی ایک گھڑی بھی آسمان و زمین بھر کر دینے سے خرید سکتے۔ تو اسکو ضائع نہ کیا جاتا۔ (۳) کیا بہترین زندگی اور اس زندگی کے بدلے جو ملاء اعلیٰ کیساتھ ہو چوپایوں کی سی زندگی بسر کرنے پر راضی ہو گئے ہو؟ (۴) افسوس ہے کہ قیمتی موتی کو گندگی میں پھینکا گیا ہے اور جوہر بے بہا کو ادنیٰ قیمت پر فروخت کر دیا گیا ہے؟ (۵) کیا سفاہت اور نادانی سے تم فانی کو باقی کے عوض اور غضب کو رضائے الٰہی کے بدلے دوزخ کو جنت کے عوض خریدتے ہو؟ (۶) کیا تم اپنے نفس کے دشمن ہو یا دوست کہ اسکو ہر ایک مصیبت میں ڈالدیتے ہو؟ (۷) اگر تمہارے دشمن تم پر ان مظالم میں سے ایک حصہ بھی کر گذرتے جو تم نے اپنے نفس پر کئے ہیں تو انکو بھی ضرور کچھ نہ کچھ تم پر رحم آجاتا۔ (۸) تم نے اپنے نفس کو بہت ہی سستا بیچا ہے اس لئے کہ وہ تمہارے سامنے حقیر ہے۔ اور در اصل اسکی اس قدر بےقدری کرنا تمہیں شایان اور مناسب نہیں۔ (۹) تم نے اپنے نفس کو ایسی دنیا میں مشغول رکھکر تکلیف دی ہے کہ جس کے دھوکے بے حساب ہیں اور جو خیر خواہی اور نصیحت کی بجائے ہمیں بھی فساد اور بدخواہی سے پیش آتی ہے۔ (۱۰) اسکی تو یہ حالت ہے کہ جب سامنے آتی ہے (تو فی الحقیقت) اسکی روگردانی ہوتی ہے اور جب بھلائی کرتی ہے تو وہ در اصل اسکی برائی ہوتی ہے اور اگر وہ صاف اور ستھری ہو جائے تو تم اسکے کدورت اور گندہ ہونے پر یقین رکھو۔

[11] ولو عشت فيها الف عام وينقضي
كعيشك فيها بعض يوم وليلة
[12] عليك بما يجدي عليك من التقى
فانك في سهو عظيم وغفلة
[13] تصلي بلا قلب صلاة بمثلها
يصير الفتى مستوجبا للعقوبة
[14] تخاطبه اياك نعبد مقبلا
على غيره فيها لغير ضرورة
[15] ولو رد من ناجاك للغير طرفه
تميزت من غيظ عليه وغيرة
[16] تصلي وقد اتممتها غير عالم
تزيد احتياطا ركعة بعد ركعة
[17] فويلك تدري من تناجيه معرضا
وبين يدي من تنحني غير مخبت
[18] ذنوبك في الطاعات وهي كثيرة
اذا عدت تكفيك عن كل زلة
[19] تقول مع العصيان ربي غافر
صدقت ولكن غافر بالمشيئة
[20] وربك رزاق كما هو غافر
فلم لم تصدق فيهما بالسوية
[21] فكيف ترجي العفو من غير توبة
ولست ترجي الرزق الا بحيلة
[22] وما هو بالرزاق كفل نفسه
ولم يتكفل للانام بجنة

(۱۱) اور بفرض محال، اگر تم دنیا میں ہزار برس بھی رہو تو وہ بھی اسی طرح گذر جائینگے جیسے تمہاری ایک رات اور دن گذر جاتے ہیں۔ (۱۲) اپنے اوپر پرہیزگاری کو اور ان چیزوں کو جو نفع بخش ہوں لازم کر رکھو ورنہ تحقیق تم ایک بڑی بھول اور غفلت میں پڑے ہوئے ہو۔ (۱۳) حضور قلب کے سوا تم ایسی نماز پڑھتے ہو جس سے آدمی اور سزا و عقوبت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ (۱۴) حق سبحانہ و تعالیٰ کو اس طرح پر مخاطب ٹھہراتے ہو کہ "ایاک نعبد" (ہم خاص تیری عبادت کرتے ہیں) درآنحالیکہ تمہاری توجہ بے ضرورت ماسوا اللہ کی طرف ہوتی ہے۔ (۱۵) برخلاف اسکے اگر کوئی شخص جو تم سے سرگوشی کر رہا ہے اگر غیر کیطرف منہ موڑ لے تو فرط غیظ و غضب سے تم اسپر جل پڑتے ہو۔ (۱۶) نماز پڑھ رہے ہو اور اس کے ختم ہونے کی خبر بھی نہیں کہ احتیاطاً ایک رکعت کے بعد دوسری بڑھا دیتے ہو۔ (۱۷) وائے تم پر! کہ جس سے تم سرگوشی کر رہے ہو اسکو روگردان سمجھتے ہو اور جس کے آگے تم جھکتے ہو اس جھکنے میں بھی عجز و نیاز سے خالی ہو۔ (۱۸) تمہارے گناہ عبادتوں میں ہی اسقدر کثیر ہیں کہ انکا شمار کرنا ہی کافی ہے دوسرے گناہوں اور لغزشوں کے شمار کی کیا ضرورت ہے۔ (۱۹) تم کہتے ہو گناہوں کی کیا پرواہ میرا پروردگار بخشنے والا ہے۔ ہم کہتے ہیں سچ کہتے ہو لیکن بخشش بھی مشیت اور ارادہ کے بعد ہے۔ (۲۰) تیرا رب تو جسطرح کہ بخشنے والا ہے ایسا ہی رزق دینے والا بھی ہے پھر کیوں ان دونوں وصفوں کی یکساں تصدیق نہیں کرتے ہو۔ (۲۱) جبکہ تم رزق کی امید بغیر حیلہ و جستجو کے نہیں کرتے تو کسطرح اس کے عفو کی امید بغیر توبہ کے کئے بیٹھے ہو۔ (۲۲) حالانکہ باریتعالیٰ نے رزق کیلئے اپنے آپکو کفیل ٹھہرایا ہے لیکن لوگوں کیلئے جنت کا ضامن نہیں ٹھہرا

وماذلت تسعى بالذي قد كفيته
وتهملها كلفته من وظيفة
تميل به ظنا وعن تارة
على حسب ما يقتضي الهوى بالقضية

سبحان ربك رب العزة عما
يصفون وسلام على المرسلين
والحمد لله رب العلمين۔
اللهم انك تعلم انى
ما اردت بكتابة هذه
الرسالة الا اصلاح
واحتياطا لعقائد
المسلمين فان كان صوابا
فمنك ولك المنة وان
كان خطاء فمن نفسي
واسئلك الهداية و
التوفيق لما تحب وترضى
وصلى الله على سيدنا
محمد وآله واصحابه وسلم

واما مسئلة الروح
فانها وان كانت موعودة
في اول الرسالة لكني اعرضت
عنها لوجهين۔ الاول انه

(۲۲) عجب بات ہے جن امور میں تیری کفایت و کفالت کی گئی ہے انہیں تو تم ہمیشہ کرشان بنتے ہو اور جن فرائض کی بجا آوری کیلئے تمہیں تکلیف دیگئی ہے انکو ویسے ہی چھوڑ دیتے ہو" (۲۳) خداوند تعالے نے کیسا تو کبھی تو حسن ظن سے کام لیتے ہو اور کبھی بدگمانی کرتے ہو حتیٰ یہ کہ ہر ایک بات میں اپنی خواہش کی پیروی کرتے ہو۔"

سبحان ربك رب العزة عما يصفون
وسلام على المرسلين والحمد لله
رب العلمين

اے میرے پروردگار! تم تو جانتے ہو کہ میں نے اس رسالہ کے لکھنے سے صرف اصلاح اور عقائد اہل اسلام کی حفاظت ہی کی نیت اور ارادہ کیا ہے اگر یہ واقعی ٹھیک اور صواب ہے تو میں اس کو تیرے ہی فضل و کرم کا نتیجہ سمجھتا ہوں۔ اور تیرا احسان مانتا ہوں۔ اور اگر غلط اور بیجا ہے۔ تو اس کو میں اپنے نفس ہی کی طرف سے جانتا ہوں۔ اور میں تم سے ہدایت کا سوال کرتا ہوں اور جن باتوں سے تم راضی ہوتے ہو اور ان کو پسند فرماتے ہو۔ ان کی توفیق چاہتا ہوں۔ و

صلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ
واصحابہ وسلم

مسئلہ روح کے بارے میں اگرچہ ابتدائے رسالہ میں وعدہ کیا گیا تھا۔ لیکن دو وجہ کی بنا پر میں نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔

وجہ اول یہ ہے کہ ہم اس مسئلے کو بہت ہی

ادرکنا لها و ورد النهی عن بیان ماهیتها. والثانی رایت الاکابر قد بحثوا عنها فی کتبهم کالغزالی رح وغیره من حیث تعلقها بابدان العباد و محلها وتصرفها فی البدن الی غیر ذلك من احوالاتها المعقولة للانسان وقد اشرت الی بعض احوالاتها فی کتابی الاصول الاربعة وبعضهم افردوا التالیف فی بیان مسئلة الروح ککتاب الروح للشیخ ابن القیم وکتاب باب الفتوح فی احوال الروح للشیخ عبد الهادی المصری وکتاب البرزخ للشیخ التوکلی الهندی وغیرهم فاکتفیت بتصانیف الاکابر ورایت تکرارها تحصیل الحاصل فان شئت الاطلاع علیها فعلیك بکتب القوم

بہت ہی کم سمجھ سکتے ہیں۔ اور اس کی ماہیت وحقیقت کے بیان کرنے پر نہی و منع بھی وارد ہو چکی ہے"۔

وجہ دوم یہ ہے کہ میں نے دیکھا کہ بزرگوں نے اپنی کتابوں میں اس مسئلہ کا بحث کیا ہے۔ جیسے امام غزالی رحمہ اللہ وغیرہ نے۔ لیکن اس حیثیت سے کہ ابدان عباد کے ساتھ روح کو کیا تعلق ہے۔ اور اس کے محل اور اس کے تصرف کو جو بدن میں ہے۔ انہوں نے بیان کیا ہے۔ مقصد یہ کہ یہ اور ان جیسے وہ حالات جو انسان کی سمجھ میں آسکتے ہیں، انہوں نے لکھ دیئے ہیں جن میں سے بعض حالات کی طرف میں نے اپنی کتاب "اصول اربعہ" میں بھی اشارہ کیا ہے۔

بعض بزرگوں نے تو اس مسئلہ پر جداگانہ کتابیں بھی لکھی ہیں۔ جیسے شیخ ابن القیم کی کتاب "الرّوح"! اور شیخ عبدالہادی مصری کی کتاب "باب الفتوح فی احوال الرّوح"! اور شیخ توکلی ہندی کی کتاب "البرزخ" وغیرہ۔ اس لئے میں نے انہی کی تصانیف کو کافی سمجھا۔ اور اس مسئلہ کو پھر دہرانا تحصیل حاصل جانا۔ اگر تم اس مسئلہ کے جاننے کا شوق رکھتے ہو تو انہیں کی کتابیں دیکھو!

رزقنا الله وایاك الاستقامۃ
علی الطریقۃ المنجیۃ المرضیۃ
والسلام علی من اتبع الہدیٰ
وانا العبد الفقیر محمد حسن
الفاروقی حسن الله حالہ ومآلہ سنہ ۱۳۳۹

حق سبحانہ وتعالیٰ ہمیں اور تمہیں نجات دہندہ
اور پسندیدہ طریقہ پر استقامت بخشے۔
والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ
میں ہوں فقیر محمد حسن فاروقی۔ اللہ تعالیٰ
اس کی دنیا و آخرت کو بہتر بنائے ۱۳۳۹ ہجریہ

تقریظ

(۱) علامۃ الدہر رئیس العلماء مولانا عبدالباقی صاحب ہمایونی قاضی بلادِ سندھ و بلوچستان

من خطہ

بسم الله الرحمٰن الرحیم

سبحان من خلق الانسان وعلمہ البیان وجعل قلوب العلماء ریاضا تفتح انوارا وازہارا۔ وامطر علیہا من سحائب فیوضہ غیثا مدرارا۔ فنحمدہ علی نعمائہ سرا وجہارا ونشکرہ علی آلائہ اعلانا واسرارا۔ ونصلی علی سیدنا محمد الذی اصطفاہ من بنعۃ العرب اصطفاء واختیارا۔ وعلی آلہ واصحابہ الذین جعلہم ابرارا واخیارا۔ وبعد فانی رأیت رسالۃ مسماۃ بطریق النجاۃ کانہا روضۃ اغرست دوحا واشجارا۔ وحدیقۃ تراکمت افنانا وازہارا۔ فقلت۔ ہذا الکتاب لنقشہ ومدادہ کثبان مسک ریحہ یتنشق قرطاسہ کالیاسمین نضارۃ۔ کراسہ درۃ حکاہا

المنطق طالعة والعين منه قريرة والقلب من فرط الصبا بة يخفق من حسنه وجماله وبهائه لمعان فضل كالكواكب يشرق كيف لا وهو من بين الغر انكار من فاق فى الفصاحة والبلاغة واقرله العلماء بالبراعة والزكادة اجمع الفصحاء على كماله واتفق الفضلاء على حسن خصاله و هو الحبر النحرير والغيث المطير والبحر الغزير والسيدع الكبير الماهر فى العلوم الشرعية والواقف فى الفنون الادبية العارف بالله العليم والعالم بقواعد الدين القويم سيدنا وسندنا حضرة المولوى احمد محمد حسن جان المجددى مد ظله العالى اللهم متع المسلمين ببقاء ذات ذلك العلام الفهم من تصانيفه المقبولة عند الخواص والعوام بحرمة حبيبك سيد الانام عليه وعلى اله واصحابه الصلوة والسلام۔

وانا الفقير عبد الباقى الهمايونى عفا الله عنه۔

(۲)

حضرت راس الفضلاء علامۃ العصر مولٰنا محمد حسن جان صاحب سجادہ نشین درگاہ ٹکھڑ شریف ومفتی بلوچستان

بسم الله الرحمٰن الرحيم

حمد الك اللهم بما اسبغت علينا من نعمائك العلية وافضت علينا من الائك السنية وصلوة على من ارسلته رحمة الناس كافة وعلى اله واصحابه الذين هم اخيار البرية وبعد فقد طالعت رسالة كانها حديقة ذات بهجة او روضة من رياض الجنة بترتيب وتهذيب رشيق بمعان كثيرة ولفظ وجيز ليس هذا بعزيز فانها من تاليف من رقا بلند همته الى السماك وبلغ الغاية القصوى فى الادراك

فاق علی المصنفین بالفصاحۃ والبلاغۃ وحاز قصبات السبق فی مضمار البراعۃ شیخ الاسلام وامام الانام حضرۃ الخواجہ محمد حسن جان الفاروقی السرھندی ما برحت اقمار فضلہ ساطعہ ونجوم تبیناتہ لامعہ بجاہ سید الاولین والآخرین علیہ صلوٰۃ اللہ وسلامہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین وانا الفقیر محمد حسن الکتیاری تجاوز عنہ اللہ الباری ؛

(۳)

سراج العلماء نبراس الاتقیاء الفقیہ المشہور وبحر المبرور مولٰنا المولوی محمد قاسم المتوطن فی گڑھی یسین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لانبی بعدہ وعلی آلہ واصحابہ الذین صدقوا وعیدہ ووعدہ وبعد فانی طالعت رسالۃ عجیبۃ مسماۃ بطریق النجاۃ مشتملۃ علی اللطائف والنکات صنفہا العالم الربانی والعارف الحقانی البحر الزخار والغیم المدرار شیخ السنۃ وممیت البدعۃ وھو الذی طفئت بشموس فضلہ سرج الجہالۃ والضلالۃ واضمحلت فی عصرہ دیاجیر الغباوۃ والغوایۃ وانیطت علیہ عمائم الفضل من بدء الشعور وانیخت لدیہ مطایا الکرام فی العشی والبکور اجمع الفصحاء علی فصاحتہ اجماعا واتبع الفضلاء بسنتہ اتباعا سیدنا وسندنا حضرۃ الخواجہ محمد حسن الفاروقی المجددی لازالت شموس فیوضہ بازغۃ واقمارا فاضتہ لامعۃ فبادروا ایہا الطلاب الی اقتناء نخائر ھذا الکتاب فانہ حاو علی تحقیقات عجیبۃ وتدقیقات غریبۃ قاطعۃ ینشط بفہمہا التعبان والکسلان فان بقی بعد ذلک ارتیاب لقوم یجحدون فبای حدیث بعدہ یومنون وانا المصدق

الفقیر محمد قاسم المتوطن فی کرہی بیین ضلع سکھر السندھ عفی عنہ

(۴)

العبد الضعیف الراجی رحمۃ ربہ الغنی محمد ابراہیم الیاسینی عفا عنہ اللہ العلی ناظم جمعیۃ احناف صوبہ سندھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدک یا من ابدعت الخلق بفضلک العمیم وخلقت من بینہم الانسان فی احسن تقویم وجعلت فیہم حبیبک الکریم علی خلق عظیم وعلمتہ علم الاولین والاخرین علیہ صلوتک وسلامک وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ما دامت السموات ومہدت الارض الی یوم الدین اما بعد فرأیت رسالۃ عجیبۃ لہدایۃ اہل الزمان ومضامین غریبۃ لارشاد من مال طبعہ الی الغی والطغیان مسماۃ بطریق النجاۃ فانہا وسیلۃ لفلاح الدارین وذخیرۃ فی الحیوۃ وبعد الممات مبانیہا کانہا الیاقوت والمرجان ومعانیہا لم یطمثہن انس من قبل ولا جان ان کنت تبغی سبیل الرشد فی الحیوۃ فاشف العلیل بما فی طریق النجاۃ واکحل بتوضیحہ عین البصیرۃ والزم علیک الحق بحسن الثبات وللہ در من انشأ محاسن ایقہا وحقق بالغوص العمیق حقائقہا وہو الامام الہمام والبحر القمقام واقف الاسرار الحکمیۃ جامع الانوار القدسیۃ حافظ ملک الکلام حاجی بیت اللہ الحرام حکیم امۃ سید المرسلین شیخ الاسلام والمسلمین سیدی وسندی ملاذی ومعتمدی حضرتنا محمد حسن الفاروقی المجددی صاحب سجادۃ مجدد الالف الثانی لازالت شموس فیضہ بازغۃ علی الاقاصی والادانی فہلموا یا اہل النہی لطالعتہ ہذہ الصحیفۃ العظمی وتعالوا

یا اهل الحجی تتناول هذه الهدایة العلیا وانا الاویسی الراجی رحمة ربہ الغنی محمد ابراهیم الیاسینی عفی عنه الله العلی المدرس الاول بالمدرسة العربیة الواقعة فی جیکب آباد سندھ۔

(۵)

فاضل اجل عالم اکمل مولینا مولوی محمد حسن شاہ صاحب

مدرس اول مدرسہ عربیہ شہر بیٹ میانصاحب

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله الذی هدانا الی الحق والصواب والصلوة والسلام علی سیدنا صاحب جوامع الکلم وفصل الخطاب اما بعد فدونك ایها الساری للحق والجائی الی الرشد الاحق هذا النبراس النیر فیه نور وهدی للناس اعنی رسالة معظمة مفخمة مسماة بطریق النجاة" قد الفها العلامة النحریر محرز قصبات السبق فی التقریر والتحریر العالم الالمعی والفاضل اللوذعی مجمع الفضائل منبع الفواضل غصن روضة السماحة والبلاغة ثمرة دوحة اللسن والفصاحة من العرفاء العظام والمشائخ الکرام اعنی سیدنا الحضرت الخواجه محمد حسن جان السرهندی المجددی مد ابقاه العلی القوی الذی کان غوامض الاسرار بالنسبة الی ذهنه الوقاد هنیة ونتائج الافکار بالاضافة الی طبعه النقاد بینة ونعم ما قیل لو لم یدل الوهم حیث جلاله ماخیل طیف خیال سامی حاله بکماله فی الاوج بدر کامل بحر محیط زاخر بنواله۔ فی کل علم عالم متبحر فی فن حلم عالم بعیاله سحبان حی فی فصاحة لفظه معن بلیغ البذل فی افضاله۔ انا الفقیر الراجی الی رحمة الله محمد محسن علی الهاشمی عفی عنه صدر مدرس مدرسه اسلامیه عربیه

من فت میانصاحب :

(۶)

عالم لوذعی فاضل یلمعی مولنا المولوی عبدالنبی شاہ صاحب امام وخطیب جامع مسجد حبیب آباد :

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ والصلوٰۃ علی رسول اللہ وعلی آلہ وصحبہ الذین جاھدوا فی سبیل اللہ اما بعد فقد رأیت رسالۃ عجیبۃ وعجالۃ غریبۃ مسماۃ بطریق النجاۃ فقد صنفہا من ھو وارث الانبیاء بمصداق صحیح واصف العلماء بفضل صریح سراج امۃ سید المرسلین شیخ الاسلام والمسلمین حضرت الخواجہ محمد حسن جان الفاروقی المجددی مد اللہ ظلہ العالی انا الفقیر الراجی الی رحمۃ اللہ سید عبدالنبی شاہ عفی عنہ

(۷)

زبدۃ الفضلاء عمدۃ العلماء مولنا المولوی عبدالحی صاحب سجادہ نشین درگاہ پٹ میانصاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نخصك اللّٰھم بالحمد والثناء علی ما افضت علینا من النعماء ونصلی علی حبیبك سید الانبیاء وعلی آلہ الاتقیاء واصحابہ الاصفیاء ـ اما بعد فیا اھل النکات تعالوا الی طریق النجاۃ فانہ یوصلکم الی ثمرات الجنات وقد اوجدہ اکمل الکملاء افضل الفضلاء ابا رحم الذی آل الیہ کل شیخ وشاب والکامل الذی آب الیہ جمیع اولی الالباب ھادی الناس الی رب الاناس مولانا ومقتدانا حضرت الخواجہ محمد حسن جان الفاروقی السرھندی المجددی زین سجادۃ الامام الربانی فخر اخلاف مجدد الالف الثانی علی

الله تعالٰی مقامہ واتم مرامہ آمین۔ وانا الفقیر عبدالحی عفی عنہ الله العلی صاحب سجادہ خانگاہ پت شریف۔

(۸)

فہید الدھر وحید العصر فصیح اللسان بلیغ البیان
مولانا صاحبزادہ صاحب سلطان کوٹی

بسم الله الرحمٰن الرحیم

حمدًا لک اللّٰھم علی ما انعمت علینا بلطفک القدیم وصلوٰۃ علی من ارسلتہ الینا وسمیتہ بالرؤف الرحیم وعلٰی آلہ واصحابہ الذین ھم حماۃ الدین القویم اما بعد فقد طالعت الرسالۃ المسماۃ بطریق النجاۃ فرأیتہا کاسمہا وسیلۃ للنجاۃ من النیران والفوز فی حدائق الجنان فعلی الله اجر مصنفہا العلام ھادی الانام الی سبیل السلام قدوۃ الاولیاء العارفین امام العلماء المتقین حامل الرایۃ فی میدان التحقیق حائز قصبات السبق فی التدقیق شیخ الاسلام والمسلمین وارث مقامات الانبیاء والمرسلین حضرتنا المخی اجہ محمد حسن الغفاری المجددی اعز الله بوجودہ الاسلام وافاض سجال جودہ علی الخاص والعام وانا المصدق الفقیر صاحبزادہ غفرلہ رب العباد۔

(۹)

جامع المعقول والمنقول واعظ الاسلام
مدّاح سیدالانام المولوی محمد سلیمان سلمہ الرحمٰن

بسم الله الرحمٰن الرحیم

حامدًا ومصلیًا اما بعد فقد رأیت الرسالة المسماة بطریق النجاة فوجدتها کانها بحر مملو من الدرر البهیة وحدیقة متبسمة بالزهر الزهیة کافیه بهدایة الانام مفیدة للخاص والعام وقد الفها الامام شیخ الاسلام غوث الانام قدوة علماء الاعلام مجمع الفضل والکمال مرجع اهل المعارف والحال ذوالکرامات الظاهرة والمقامات الفاخرة منبع الانوار الباهرة والاسرار الزاهرة حکیم الامة محی السنة مولٰنا و مقتدانا حضرت الخواجه المجددی لازالت بدور برکاته طالعة وشموس هدایاته ساطعة۔

وانا المفتقر الی الله المنان محمد سلیمان واعظ الاسلام عفی الله العلام

(۱۰)

حضرت مولانا الفاضل الکامل العالم العامل المولوی الحاج الحافظ حضرت میاں لعل محمد صاحب ساکن منڈی

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله الذی الی طریق النجاة هدانا والصلوٰة والسلام علی رسوله الذی الی سواء الصراط دعانا وعلی آله واصحابه الذین هم نجوم الاهتداء۔ فاقتدائهم کفانا اما بعد فانی قد طالعت رسالة عجیبة غریبة وصحیفة شریفة نظیفة مسماة بطریق النجاة هل هی لامین النجاة فاسمها موافق للمسماة من حفظها وعمل بها فقد نجی وهدی ومن ترکها ولم یعمل بها فقد

غوی و هوی و هذه رسالہ مشتملہ علی الدرر البہیۃ والغرر الزکیۃ وعلی اللطائف الحقانیۃ والنکات الربانیۃ وعلی الاسرار القرآنیۃ ورموز الاحادیث النبویۃ وعلی المسائل الشریعۃ و المعارف الالٰہیۃ فعلیکم ان تعضوا علیہا بالنواجذ وللہ در المصنف الذی ہو البحر الزخار والغیث المدرار العالم الربانی محی السنۃ ماحی البدعۃ شمس العلماء و تاج الکملاء صدر الفضلاء والاتقیاء بدر الصلحاء والاولیاء امام العارفین قدوۃ الواصلین جدیر کان یکتفی فی حقہ علی اورد ہ العلامۃ التفتازانی لا یدرک الواصف المطری خصائصہ وان یک واصفا فی کل ما وصفا متع اللہ المقتبسین بطول بقائہ و دوام ظہور ارشادہ حیث افاد و اجاد فی الرسالۃ بجمیع طرق النجاۃ المفیدۃ للخاص والعام المعینۃ للکلمۃ الطیبۃ لدی الاختتام الحمد للہ رب العلمین الی یوم القیام "

انا المصدق الفقیر الی رحمۃ اللہ الصمد لعل محمد المتعلوی صانہ القوی عن ذنبہ الخفی و الجلی

(۱۱)

الفاضل الاجل المولوی الحاج عبدالقیوم مدرس العربیۃ فی ٹنڈہ سائینداد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی ہو مکرم الانسان و معلمہ علم البیان و مہدیہ طریق النجاۃ والکفران والصلوۃ علی من ہو المنقذ من النیران والشفیع المتشفع یوم المیزان وعلی آلہ واصحابہ الذین ہم

كالنجوم لاهل الايمان. اما بعد فانى قد قرأت هذا الكتاب المستطاب من اوله الى اخره وطالعت ما فيه من نكاته واسراره فوجدته منطقا بالحق ومصدقا لما نطق بالصدق وصراطا مستقيما الى الجنة وطريقا ناجيا للانس والجنة فمن اخذ به وعمل عليه اهتدى ونجى ومن اعرض عنه وانكره ضل وطغى لانه خلاصة ما انزل من الرحمٰن وزبدة ما ورد من سيد الانس والجان فلازمه يا ذا الحجى فانه يجلو العمى ولن ترى مثله من المؤلفات مشتملا على جميع الكمالات كيف لا ومؤلفه هو الجامع بين الشريعة والحقيقة قيوم الزمان مرجع الانس والجان بحر العلوم العقلية والنقلية معدن الفيوض الربانية برهان الملة والدين قاطع اعناق الملحدين سيدنا ومولانا ومرشدنا ادام الله تعالىٰ فيوضهم وبركاتهم علينا فهلموا ايها الناس الى هذا النبراس فهو اساس الدين واستنيروا منه قلوبكم لتفوزوا برضاء الرحمان يوم يقوم الناس لرب العالمين والسلام اولا واخرا واخر دعونا ان الحمد لله رب العلمين۔

العبد الحقير المهموم عبد القيوم عفا الله عنه المدرس في ننڈه سائيں داد صانها الله عن الشرور والفساد۔

(۱۲)

مولانا الفاضل العارف الكامل مولوى لعل محمد صاحب الافغانى مدرس العربيه فى كوئٹہ بلوچستان

بسم الله الرحمٰن الرحيم

الحمد لله الذى جعل الخلق فرقا وشيعا بعد ان كانوا على ملة واحدة ليحق الحق بكلماته ويدحض الباطل وخصه كاملة والصلوٰة على صفوة

جنۃ المادی خالدا فی القصور والغرفات وانا الفقیر الحقیر لعل محمد حفظہ اللہ عن موجبات لغی والنکد وکان سواد ھذ البیاض بثالث عشر شھر محرم الحرام منہ الف وثلثمائۃ وخمسین من ھجرۃ خیر الاولین والآخرین علیہ وعلی آلہ افضل الصلوۃ واکمل التحیات " لعل محمد بقلم خود ۔

(۱۳)

مولانا الفاضل الالمعی حضرت محمد نور بخش الحنفی النقشبندی التوکلی

مصنف تحفہ شیعہ واقوال الصحیحہ وکتاب البرزخ و شرح قصیدہ بردہ بزبان عربی وغیرہ من تصانیف المفید سلمہ ربہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی حبیبہ سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین ۔ اما بعد فقد طالعت الرسالۃ الوجیزۃ الموسومۃ بطریق النجاۃ للعالم الربانی الخواجہ محمد حسن الفاروقی المجددی زین سجادۃ الامام الربانی مجدد الالف الثانی رضی اللہ تعالٰی عنہ فوجدتھا مشتملۃ علی اھمات مسائل الکلام والفقہ والتصوف المشار الیھا فی حدیث جبرئیل علیہ السلام الفھا المصنف العلام علی اسلوب جدید لا تستوعرہ الافھام واتی فیھا بالبراھین النقلیۃ والدلائل العقلیۃ علی اثبات العقائد الصحیحۃ مع الرد

الانبیاء و نخبۃ النجباء ارسلہ لیظہرہ علی الدین کلہ ولوکرہ الکافرون وعلی آلہ واصحابہ الذین سلکوا طریقۃ وبہدیۃ ہادون ۔

اما بعد فقد وصل الینا کتاب طریق النجاۃ والتبصیر و توأمتہ رسالۃ التنویر فی مسئلۃ التقدیر طالعتہما فوجدتہما روضتان بل لمن خاف مقام ربہ جنتان افنانہما الکلمات الفصیحۃ والبلیغۃ وان وانہما بعینان تجریان من بحورادلۃ العقلیۃ والنقلیۃ و ثمارہما التخلیص من العقائد الفضیحۃ الشنیعۃ تحتویان علی صحیح معتقد فرقۃ الناجیۃ ورد شبہات فرق الناریۃ خصوصا من الملاحدۃ الدہریۃ فہما کاسمہما طریقا نجاۃ وتنویر لاسیما فی زمان صار مصابیح الاسلام طافئۃ و اعلام الکفرۃ مرافعۃ والناس کالنتیجۃ للاخرلارذل تابعین نصاری و امنہمکین فی عادات المخالفین ثم متاثرین لعقائد المشرکین حتی صار الاسلام غریبًا کما نطق بہ الصادق الامین فعلیکم ایہا الناس ان تعضوا علیہما بالنواجذ لان الزمان بمثلہ بخیل کیف لا وہی من فرائد اللآل لمولانا وبالفضل اولنا جامع اشتات الشریعۃ والحقیقۃ مانع بدعات العقدیۃ والحدیثۃ الثمر الفائق فی الدوحۃ العلیۃ النقشبندیۃ والنخل الباسق فی حدیقۃ الفاروقیۃ المجددیۃ مولنا الحاج حضرت محمد حسن حفظہ اللہ عن موجبات الکسل والحزن والحرج بان یقول فیہ الالسن اوفی الفضل واتقی طرزًا ذالک فضل لا الہ من نعمات حاط طبعًا مکارم الاخلاق ناطقًا بطبع افصح الکلمات لم یزل شغلہ بعلم الدین لم یضیع ساعۃ من الساعات فاہتدی الخلق باستقامتہ واستنارت بنورہ الظلمات ناصر الشرع مقتدی الاسلام ناشر الدین جامع الاشتات ما رأینا مثلہ احدًا دفع اشک بالیقینیات ریب ادخلہ

البليغ على الفرق الضالة لا سيما الدهرية والروافض والخوارج والوهابية الهندية وتليها الى رسالة الاخرى له ايضا المسماة بالتنوير فى بيان مسئلة التقدير. لله دره حيث اوضح مسلك اهل السنة والجماعة فى تلك المسئلة المشهورة. واستدل بنصوص الكتاب على ان الصراط المستقيم بين القدر والارجاء فجزى الله عنى وعن سائر المسلمين خير الجزاء. هذا ومطالعة كلتا الرسالتين نافعة جدا لاصلاح العقائد والاعمال. فى هذا الزمان البدع والفتن والضلال.

اللهم افتح لنا بالخير واختم لنا بالخير واجعل عواقب امورنا بالخير وصلى الله تعالى على خير خلقه سيدنا و وسيلتنا فى الدارين محمد وعلى اله واصحابه اجمعين.

كتبه العبد الامير بذنبه الغافل عن عيوبه الراجى رحمة ربه محمد نور بخش الحنفى النقشبندى التوكلى. چك قاضيان ١١ ربيع الثانى سنة ١٣٥٠ھ

تازہ مطبوعات

تحفۂ حنفیہ امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآراء کتاب فقہ اکبر اصل عربی مع ترجمہ، تذکرہ اِمامِ اعظم، تدوینِ فقہ حنفیہ، مسئلہ تقلید اور فضائلِ علم و علماء جیسے اہم موضوعات پر عمدہ کتاب ہے۔ قیمت : ۱۲/۰ روپے

مولودِ محمود حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ میلاد شریف پر ایک یادگار کتاب ہے۔ پڑھکر اپنے ایمان کو تازہ فرمایئے۔ قیمت ۵/۲۵ روپے

نور و نکہت مشہور شاعر اور مداحِ رسول جناب فیاض احمد خان کاوشؔ صاحب کا نورانی کلام۔ حمد، نعت، سلام، منقبت اور قطعات کا مہکتا ہوا گلدستہ۔ قیمت : ۷/۵۰ روپے

پنج گنج قادری حضرت غوثِ پاک قدس سرہٗ کے روح پرور کلام سے پانچ جواہر پارے مع ترجمہ جو صدیوں سے بزرگانِ دین کا وظیفہ ہیں۔

۱۔ اورادِ قادریہ ۲۔ درود شریف کبریت احمر ۳۔ قصیدہ غوثیہ

۴۔ قصیدہ قطبیہ اور چہل کاف

قیمت صرف ۲/۲۵ روپے

ملنے کا پتہ

اِسلامی کتب خانہ اقبال روڈ سیالکوٹ

بسم الله الرحمن الرحيم

قال النبي صلى الله عليه وسلم الصلوة عماد الدين من اقامها

فقد اقام الدين ومن تركها فقد هدم الدين الحديث

طریقُ النّجات

ارکانِ دین

توضیح العقائد (رکن دین : حصہ اوّل) ۵/۲۵ روپے

اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں، یوم آخرت اور تقدیر پر ایمان کی مستند تفصیلات اس میں موجود ہیں۔

کتاب الصلوٰۃ (رکن دین : حصہ دوم) -/۶ روپے ، مجلد ۸/۲۵ روپے

ہر قسم کی ناپاکی سے طہارت، وضو، غسل نیز نمازوں کے اوقات و مسائل اور تمام دنوں اور سال بھر کی نفلی نمازوں کے فضائل و فوائد۔ باحوالہ

کتاب الزکوٰۃ (رکن دین : حصہ سوم) ۵/۲۵ روپے

زکوٰۃ و عشر کی فرضیت، فضائل، مسائل اور مصارف و فوائد وغیرہ پر تحقیقی کتاب ہے۔ اس کا مطالعہ بڑا مفید ہے۔

کتاب الصیام (رکن دین : حصہ چہارم) مجلد ۱۰/۵۰ روپے

رمضان المبارک اور پورے سال کے ہر قسم کے فرض اور نفل روزوں کے فضائل و مسائل اور فوائد پر جامع کتاب ہے۔

کتاب الحج (رکن دین : حصہ پنجم) مجلد -/۱۵ روپے

حج و عمرہ اور زیارت مدینہ منورہ کے مستند فضائل و مسائل اور عملی [illegible] حیثیت [illegible] اور [illegible] [illegible] انداز میں تحریر کئے ہیں

تمام [illegible] سوال و جواب کے طرز پر آسان زبان میں لکھے

— ٹائیٹل چار رنگا — طباعت عمدہ، کاغذ —

اسلامی کتب خانہ ○ اقبال روڈ سیالکوٹ